احادیث کی عصری تطبیق، دعوتِ فکر، لائحہ عمل

سنسنی خیز معلومات، تہلکہ خیز انکشافات

دجّال 3

دجالی دستاویز، دجال کے ہمنوا، دجالی علامات

اسرائیل کی کہانی، مشرق و مغرب کے لکھاریوں کی زبانی

تالیف

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

السعید

0313-8264214

التفات فرمایئے!

کیا آپ جانتے ہیں؟

حضرت مہدی کون ہوں گے؟

کب، کہاں اور کس طرح ظاہر ہوں گے؟

حضرت مہدی کے ساتھ کون خوش نصیب ہوں گے؟

حضرت مہدی کا ظہور کس مقصد کیلئے ہوگا؟

سائنس و ٹیکنالوجی کے اس فتنہ خیز جدید دور میں نفاذ اسلام کے مشن میں کیونکر کامیاب ہوں گے؟

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں؟

سچے اور جھوٹے مسیح کی پہچان کیا ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کہاں نازل ہوں گے؟

آپ کس مشن کی تکمیل کیلئے تشریف لائیں گے؟

آپ کا ساتھ دینے کی سعادت کن لوگوں کو نصیب ہوگی؟

مغرب کی محیر العقول سائنسی ایجادات کے خلاف آپ علیہ السلام کو کیسے فتح حاصل ہوگی؟

(فلیپ کی دوسری طرف دیکھئے)

دجّال (3)

دجالی دستاویز، دجال کے ہمنوا، دجالی علامات

اسرائیل کی کہانی، مشرق و مغرب کے لکھاریوں کی زبانی

مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ

السعید

دجّال (3)

دجالی دستاویز، دجال کے ہمنوا، دجالی علامات

اسرائیل کی کہانی، مشرق و مغرب کے لکھاریوں کی زبانی

کتاب.................دجّال (3)
مصنف..............مفتی ابولبابہ شاہ منصور
طبع اوّل....ربیع الاوّل 1432ھ - 2011ء
باہتمام .... محمد انظر شاہ
ناشر..............................السعید

ملنے کے پتے

بیت السلام، اردو بازار، کراچی۔فون: 021-32711878
دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور۔موبائل: 0300-4501769
ادارہ تحقیقات اسلامی، اردو بازار، لاہور۔موبائل: 0333-4380927
کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی۔فون: 051-5771798
ادارۃ النور، ملتان۔موبائل: 0300-7332359
اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد۔موبائل: 0321-7693142
مکتبہ ممتاز، پشاور۔موبائل: 0314-9696344
مردان موبائل سینٹر، مردان: موبائل: 0301-8767966
مکتبہ المحمود، سرگودھا۔موبائل: 0315-5042131
مکتبہ ماجدیہ، سکھر۔فون: 0321-5628333
مکتبہ ماجدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔موبائل: 0333-7434142
مکتبہ فاروقیہ، مینگورہ، سوات۔موبائل: 0946-729070
لاثانی اسٹیشنرز، ایبٹ آباد۔موبائل: 0334-8997011
مسلم بک لینڈ، مظفر آباد۔فون: 05822-444238

اسٹاکسٹ إدارۃ الأنور
انور مینشن، بنوری ٹاؤن، گرومندر، کراچی۔فون: 021-34914596 موبائل نمبر: 0333-2345656
[illegible]

فہرست

- دجال III، تین پہلو (مقدمہ) 9

دجالی نظام کے قیام کی دستاویز
33-12

- انوکھی دستاویز 18
- ''پلان ٹو'' 22
- فاش غلطیوں کا تقابلی مطالعہ 28

دجالی ریاست کے نامہربان ہمنوا
55-28

- عیش پرستی میں مبتلا مالدار حکمران وشیوخ 34
- (1) اردن کا شاہی خاندان 35
- شریفِ مکہ 35
- خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت میں اس خاندان کا کردار 36
- مکہ کی جنگ 37
- محاصرہ مدینہ 38
- باغی سے بغاوت 41
- فیصل وائزمین معاہدہ 42
- دانشمندانہ معاہدے کی احمقانہ شقیں 43
- غداروں کا انجام 44
- فیصل بن حسین 44

- عبداللہ بن حسین 46
- حسین بن طلال 49
- سیاہ ستمبر 1970ء (Black September) 50
- 1973ء کی عظیم ترین غداری 51
- اسحٰق رابن کے ساتھ بھائی چارہ 53
- (2) یاسر عرفات 54
- (3) انور سادات 55
- مراجع وماآخذ 57

دجالی ریاست کے مہربان ہمنوا

58-78

- اردن ومصر کے حکمران اور القدس کے نادان راہنما 58
- عیش وعشرت کا فتنہ 59
- عرب رہنماؤں اور مالدار شیوخ کا حال 60
- ہوائی جہازوں کی خریداری 61
- بحری جہازوں کی خریداری 61
- بلند وبالا عمارات 62
- دوسرے ممالک میں عرب شیوخ کی فضول خرچیاں 63
- لگژری کاروں کی خریداری 65
- لیبیا میں خریداروں کا پاگل پن 65
- مشرقِ وسطیٰ کی مقامی لگژری مارکیٹ 66
- دبئ کی آبادی کا تناسب (DEMOGRAPHICSOF DUBAI) 67
- پلاسٹک سرجری اور کاسمیٹکس 68
- ترقی لیکن اخلاقی اقدار کی قیمت پر 68
- عرب مسلمانوں کے لیے باعث عبرت 73

• یہودی بینکوں میں عرب حضرات کی سرمایہ کاری 73
• مآخذ و مصادر 78

(اسرائیل کی کہانی)

دجالی ریاست: مشرقی محققین کی نظر میں

99-80

دجالی ریاست: مغربی مفکرین کی نظر میں

110-100

• ''عالمی دجالی ریاست'' کا قیام اور اہداف ایک غیر مسلم صحافی کے زاویۂ نظر سے 100
• مصنف کا تعارف 101
• کتاب کا تعارف 103
• دجال کا تخت 106
• ایک دجالی بادشاہت کا قیام 107

حصۂ اوّل: اسرائیل کیسے وجود میں آیا؟

135-111

• صہیونیت اسرائیل کو جنم دیتی ہے 111
• اتحادیوں کی عربوں سے غداری 116
• صہیونیوں کی سیاہ تاریخ اور قیامِ اسرائیل کی بنیادیں 125
• صہیونیت کے دو چہرے 125
• قیامِ اسرائیل کے لیے صہیونیت کے دو حربے 128
• 1- مسلمانوں کی نسل کشی 128
• 2- جھوٹا پروپیگنڈہ 129
• انصاف پسند یہودیوں کی جانب سے صہیونیت کی مخالفت 133

حصۂ دوم: فیلڈ اسٹڈی

159-136

- آرتھوڈوکس یہودی اور صہیونیت 137
- اسرائیل میں پریس کا کردار 141
- اسرائیلی قاتل اسکواڈ اور غیر ملکی میڈیا 143
- اسرائیل کی ترقی یافتہ معیشت اور عربوں کے قابلِ رحم حالات 146
- سابق فلسطینی قیدیوں سے بات چیت 149
- انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں 157
- شہری حقوق کی خلاف ورزیاں 157

حصۂ سوم: اسرائیل سے فرار

167-160

- وطن واپسی کی تیاری 160
- آخری جنگ 165
- مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ 166

پراسرار دجالی علامات

237-168

- پہلی علامت—سنہرا تاج اور عجیب الخلقت جانور 177
- دوسری علامت—اکلوتی آنکھ 182
- تیسری علامت—تکون 185
- چوتھی علامت—تکون میں مقید آنکھ 195
- پانچویں علامت—سانپ اور اژدھا 199
- چھٹی علامت—کھوپڑی اور ہڈیاں 203
- ساتویں علامت—بکرے کے سینگ، اُلو کے کان 205

- آٹھویں علامت - ڈبل اسکوائر 208
- نویں علامت - آگ اور شعلے 214
- دسویں علامت - پراسرار ہندسے 217
- پہلا شیطانی ہندسہ: 666 218
- دوسرا شیطانی ہندسہ: 322 222
- گیارہویں علامت - اوندھی نوک والا ستارہ 224
- بارہویں علامت - الو کے کان 226
- ان علامات کے پھیلانے سے دجالی قوتوں کا مقصد 228
- دجال کے لیے میدان ہموار کرنا 229
- شیطان سے مدد حاصل کرنا 229
- پہلی اور آخری بات 232
- پہلی بات: سچی توبہ نہایت ضروری ہے 232
- (2) اصلاحی حلقے سے جڑ جائیے 233
- (3) جدیدیت کے جھانسے میں نہ آئیے 234
- (4) شریعت وسنت کو طرزِ حیات بنائیے 234
- (5) مسنون اعمال اور مسنون دُعاؤں کا اہتمام کیجیے 235
- آخری بات: نظریۂ جہاد کو زندہ کیجیے 236

دجالی ریاست کے قیام کے لیے فطری قوتوں کو مسخر کرنے کی ابلیسی کوششیں 247-237

- بلیک واٹر سے آرٹی فشل واٹر تک 237
- نیلی برف اور گرم بارش 242

لارڈ کے تخت کی بنیاد

256-248

- پہلی اور آخری بار 248

- عبرانی ادب کی گاڑھی اصطلاحات 249
- اختیاری اور غیر اختیاری وجوہات 249
- غاصبانہ کارروائیوں کے دو پہلو 250
- آخری دو باتیں 254
- اینٹ نہ سہی تو ذرّہ 256

دجالی ریاست کا خاتمہ: وجہ اور وجوہات

261-257

دجال I اور II سے متعلق قارئین کے سوالات اور ان کے جوابات

280-262

- سورۂ کہف کی آیات کی خاصیت 263
- حرمین میں مخصوص علامات 264
- شکوہ نہیں شکریہ! 266
- (1) لنگڑے جرنیل کا مصداق 266
- (2) کیا اصحابِ کہف دوبارہ زندہ ہوں گے؟ 267
- (3) دجال 1 کی احادیث کی تخریج 267
- (4) دجال کس جنس سے تعلق رکھتا ہے؟ 268
- (5) 2012ء میں کیا ہوگا؟ 268
- (6) مدارس میں ''دجالیات'' کی تدریس 268
- این جی اوز اور ڈیٹا انفارمیشن 275
- ہندسوں کا فرق اور 2012ء کا مطلب 277

مقدمہ

دجال III، تین پہلو

دجالی فتنے کے تین مراحل ہیں:

پہلے: حق و باطل اور سچ وجھوٹ میں فرق اور پہچان ختم ہو جائے گی۔

پھر: باطل کو حق اور جھوٹ کو سچ باور کروایا جائے گا۔

پھر: باطل پر بالجبر عمل اور حق پر عمل سے بالجبر منع کیا جائے گا۔

فتنے کے یہ تین مراحل تو اس سے پہلے بھی انسانی دنیا نے محدود اور جزوی طور پر دیکھے ہیں، لیکن یہ تینوں مرحلے یکجا ہو کر پورے کرۂ ارض کو لپیٹ میں لے لیں، اور پوری شدت کے ساتھ لے لیں، یہ اس سے پہلے کائنات میں، انسانی تاریخ میں نہیں ہوا۔

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجیے!

باطل کے غلبے کے لیے طاغوتی قوتیں ہر قسم کا حربہ استعمال کرتی چلی آئی ہیں۔ ان ہتھکنڈوں میں سرِ فہرست چار چیزیں ہیں جو سورۂ کہف میں بیان کردہ چار واقعات کا مرکزی نکتہ ہیں: (۱) حکومت و اقتدار: اصحابِ کہف کو صاحبانِ اقتدار نے جبری آزمائش میں مبتلا کیا۔ (۲) مال و دولت: اصحاب الجنۃ کا قصہ سرمایہ داری و مادیت پرستی اور اس کے برے انجام کی بہترین تمثیل پیش کرتا ہے۔ (۳) عقل و ظاہر پرستی: حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے میں اسی کی نفی سکھائی گئی ہے۔ (٤) فطری طور پر دی گئی غیر معمولی قوتوں کا غلط استعمال: ذوالقرنین انسانی وسائل کے بہترین استعمال اور صالح قیادت کا استعارہ اور یاجوج ماجوج غیر معمولی قوتوں کے غلط استعمال اور فاسد طاقت کا اظہار ہیں۔

یہ چاروں چیزیں (اقتدار، دولت، عقلیت، غیر معمولی طاقت) تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک ایک کر کے اہل حق کے راستے میں رکاوٹ بنتی رہی ہیں، لیکن چاروں مل کر عالمی سطح

پر اہل حق کا گھیراؤ کریں، ایسا ''الدجال الاکبر'' کے دور میں ہی ہوگا۔

ایک اور زاویۂ نظر بھی ملاحظہ ہو!

''سائنس'' مادّے میں چھپی فطری قوتوں کے انکشاف کا نام ہے۔ جادو غیر مادّی فطری قوتوں کے ناجائز استعمال کا نام ہے۔ انسانی نفسی قوتیں (قوتِ خیال اور باطنی تصرفات) بھی ایک غیر مرئی مؤثر طاقت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شر کے نمایندگان ان تینوں کو اپنی اپنی حدود میں تو استعمال کرتے رہے ہیں، لیکن تینوں مل کر، یکجان ہو کر، حق کو مٹانے اور باطل کو غلبہ دینے پر تل جائیں، ایسا اسی دور میں ہوگا جب فتنوں کا سربراہ اور باطل کا دیوتا خروج کرے گا۔

دجال 3 کیوں؟

ان تین زاویہ ہائے نظر سے فتنۂ دجال میں پوشیدہ وہ خطرناک مضمرات کسی قدر سمجھ میں آنے چاہییں جن سے انبیائے کرام علیہم السلام آگاہ کرتے چلے آئے ہیں۔ ان خطرات سے آگاہی جو تفصیل چاہتی ہے، اس کے لیے دجال I اور II کے بعد ''دجال III'' پیش خدمت ہے۔ کچھ لوگ دجال کا نام سن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن سمجھ نہیں آتا کہ امت کو اس فتنے کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے اس فتنے سے واقف کروانے کے علاوہ اور کون سا ذریعہ مؤثر ہوسکتا ہے؟ عصر حاضر میں جو معدودے چند لوگ معاصر فتنوں پر کام کررہے ہیں، یہ کتابی سلسلہ ان شاء اللہ ان کے لیے سوچ وفکر کے نئے زاویے اور تحقیق وجستجو کے نئے دریچے کھولنے کا سبب ہوگا۔ جو قارئین اس کے سطور اور بین السطور کو غور سے پڑھیں گے، انہیں ان شاء اللہ باطل کے خلاف مزاحمت کی ہمت اور حق کی حمایت کا حوصلہ اپنے اندر پروان چڑھتا محسوس ہوگا۔

اس جلد کے دو گتوں کے درمیان:

اس جلد کی ابتدا دجالی ریاست کے قیام کی اس دستاویز کے ذکر سے کی گئی ہے جو ڈیڑھ صدی قبل ترتیب دی گئی تھی۔ اس کے بعد دجالی ریاست کے مہربان ونامہربان ہمنواؤں کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ شعوری طور پر اور کچھ لاشعوری طور پر دجالی قوتوں کا آلہ کار بن جاتے

ہیں۔ان ہمنواؤں کا تذکرہ ان کے نقش قدم پر رہنے سے باز رکھے گا۔اس کے بعد ایک مشرقی تحقیق کار کے قلم سے ''اسرائیل کی کہانی'' اور ایک مغربی صحافی کی جانب سے ''دجالی ریاست کا مشاہدہ'' پیش کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ دجالیات کے تذکرے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔انہیں علم ہونا چاہیے کہ مشرق و مغرب کے سنجیدہ اور فہیم صاحبانِ علم و تحقیق اس موضوع کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ خصوصاً کینیڈین مصنف کی تحریر تو چونکہ اسرائیل کے خفیہ دورے کے بعد لکھی گئی ہے، اس لیے وہ.....دجالی علامات کے بعد.....اس جلد کا زوردار ترین حصہ ہے۔آخر میں دجالی علامات کا مفصل تذکرہ مکمل کر کے یہ جلد ختم کرنے کا ارادہ تھا کہ دو اور مضمون بھی ''اشارتی زبان'' میں قلم کی نوک پر آ گئے، لہٰذا قارئین کے سوالات کے جوابات سے پہلے ان کو بھی لگا دیا گیا ہے۔ان جوابات میں 2012ء کی حقیقت پر بھی تفصیلی وضاحتی بحث کی گئی ہے۔ دجال I اور II کی طرح ''دجال III'' کے آخر میں بھی کتاب کے مندرجات کی تصدیق کے طور پر تصویری شواہد پیش کیے گئے ہیں اور سچ یہ ہے کہ ان پر پہلی دو جلدوں سے زیادہ محنت کی گئی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ محنت قارئین کو فتنوں کے خلاف کھڑا ہونے اور اجرِ عظیم کے حصول کے لیے عزم و ہمت پیدا کرنے کا ذریعہ بنے۔

دجال 4 یا کچھ اور؟

واقعہ یہ ہے کہ دجالیات کے کچھ پہلو ابھی بھی (تین جلدیں مکمل ہونے کے بعد بھی) تشنۂ تکمیل ہیں اور راقم الحروف سے کام جاری رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں۔عین ممکن ہے کہ یہ تقاضا دجال چہارم کی خاکہ سازی کا ذریعہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اور نام سے تکمیل پائے۔ یہ فیصلہ ہم اللہ کی رضا پر چھوڑتے ہیں۔

یا اللہ! جس چیز میں تیرے بندوں کا فائدہ ہو، وہی ہمیں سُجھا اور جس چیز میں دنیا یا آخرت کی بھلائی نہ ہو اس سے محفوظ فرما۔ کسی بھی دینی خدمت کی توفیق اور اس کی نافعیت تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے۔

شاہ منصور

ربیع الاول: ۱۴۳۲ھ، فروری: 2011ء

دجالی نظام کے قیام کی دستاویز

''ہمیں غیر یہودیوں کی تعلیم وتربیت اس طرح کرنی چاہیے کہ اگر وہ ایسا کام کرنے لگیں جس میں پیش قدمی کی ضرورت ہو تو وہ مایوس ہو کر اس کو چھوڑ دیں۔ عمل کی آزادی سے پیدا ہونے والا تناؤ جب کسی اور کی آزادی سے ٹکراتا ہے تو قوتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اس ٹکراؤ سے سخت اخلاقی مایوسی اور ناکامی پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام حیلوں سے ہم غیر یہودیوں کو کمزور کر دیں گے اور وہ ہمیں ایسی بین الاقوامی طاقت بنانے پر مجبور ہو جائیں گے کہ دنیا کی تمام قوتیں تشدد کی راہ اپنائے بغیر آہستہ آہستہ ہمارے اندر ضم ہو جائیں گی۔ ہماری قوت سپر طاقت بن جائے گی۔ آج کے حکمرانوں کے بجائے ہم ایک ایسا ہوا قائم کریں گے جو سپر گورنمنٹ ایڈمنسٹریشن کہلائے گی۔ اس کے ہاتھ اطرافِ عالم میں چمٹے کی طرح پھیلے ہوں گے۔ اس کی تنظیم اتنی بڑی ہوگی کہ اقوام عالم کو زیر کر کے ہی دم لے گی۔''

(دستاویز نمبر 4: ایک انتہائی بااختیار مرکزی حکومت کا ارتقاء، ص: 203)

''ہماری سرگرمیوں پر نگرانی اور انہیں محدود کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہماری سپر گورنمنٹ (اعلیٰ حکومت، ماورا حکومت) ان غیر قانونی حالات میں بھی قائم ودائم رہتی ہے جن کو ''مطلق العنانی'' جیسے تسلیم شدہ قوی لفظ کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ میں اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ کو صاف طور پر بتا سکوں کہ ایک مناسب وقت پر ہم قانون دینے والے ہوں گے۔ ہم فیصلے وسزائیں نافذ کریں گے۔ ہم پھانسیاں دیں گے اور معاف نہیں کریں گے۔ ہم اپنے سپاہیوں کے سپہ سالار کے طور پر قائد کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم قوتِ ارادی کے بل بوتے پر حکمرانی کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس دور ماضی کی ایک ایسی طاقت ور پارٹی کے حصے بخرے ہیں جسے اب ہم سے چھین لیا گیا ہے۔''

(دستاویز نمبر 8: صہیونیت کی مطلق العنانی، ص: 218)

یہ دو اقتباس جس کتاب سے لیے گئے ہیں، اس کے بہت سے نام ہیں۔ اس کا مشہور نام ''پروٹوکولز'' ہے۔ اُردو میں اس لفظ کا ترجمہ ''دستاویز'' کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ دراصل "Protocols" عرف عام میں اس سفارتی دستاویز کے مسودہ کو کہتے ہیں جو کسی کانفرنس میں طے کیے گئے نکات پر مشتمل ہو اور اس پر تصدیقی دستخط ثبت کیے گئے ہوں۔ چونکہ اُردو میں اس کا کوئی سکہ بند متبادل لفظ نہیں ہے، اس لیے ترجمہ نگاروں نے سہولت کے لیے اس کے قریب ترین معنی میں ''دستاویز'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کا مکمل نام ''زعمائے صہیون کے منصوبوں کی دستاویزات'' ہے۔ کچھ مترجمین اسے ''صہیون کے دانا بزرگوں کی یادداشتیں'' کا عنوان دیتے ہیں۔ ہم نے اسے ''دجالی ریاست کے قیام کا دستاویزی منصوبہ'' کا نام دیا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

(1) ایک تو یہ کہ اس میں جگہ جگہ ''سپر گورنمنٹ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی کو ''مطلق العنان حکومت''، ''مستقل با اختیار حکومت'' یا ''ماوراء حکومت'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ کچھ محققین اس سے اقوام متحدہ مراد لیتے تھے...... لیکن درحقیقت اس سے ''عالمی دجالی ریاست'' مراد ہے جس کا پایۂ تخت یروشلم میں صہیون نامی پہاڑی کے قریب مقدس چٹان کے گرد ہوگا۔

(2) دوسرے اس لیے کہ اس میں جا بجا ''مطلق العنان بادشاہ'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہیں اسے ''شاہِ داؤد'' کہا گیا ہے، کہیں ''اسرائیل کا بادشاہ'' یا ''خدا کا محبوب بادشاہ'' اور کہیں تمام دنیا کا حکمران اور باپ جو ''انتہائی بارسوخ ترین شخصیت اور انتہائی با اختیار مقتدرِ اعلیٰ'' ہوگا۔ یہ تمام الفاظ دراصل ''دجال اکبر'' کے لیے استعمال کیے گئے ہیں جو ہیکل سلیمانی کے وسط میں بچھے ''تختِ داؤدی'' پر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکمرانی کا ''پیدائشی حق'' استعمال کرے گا۔

اس عاجز کے ایک مضمون میں واضح کیا جاچکا ہے کہ ''تختِ داؤدی'' وہ پتھر ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام بیٹھ کر عبادت کرتے اور مناجات پڑھتے تھے۔ آج کل یہ تخت ملکہ برطانیہ نے اپنی شاہی کرسی کی نشست میں لگایا ہوا ہے۔ انگریز قوم اپنی تمام تر جدت پسندی اور روشن خیالی کے باوجود ''برطانیہ عظمیٰ'' کی سلطنت کبریٰ کا راز اس میں سمجھتی ہے جبکہ قوم یہود انگریز کو اپنا محسن ماننے کے باوجود اس کی سلطنت کے اس راز کو اس سے چھین چھپا کر اسرائیل منتقل کرنا چاہتی ہے۔

''سپر گورنمنٹ'' کے متعلق آپ اوپر دو اقتباسات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب ایک اور اقتباس دیکھ لیجیے جس سے بات کچھ اور کھل جائے گی۔

پروٹوکول نمبر 4 میں ہمیں ایک ''عالمی حکومت'' کا ذکر خیر کچھ یوں لکھا ہوا ملتا ہے:

''جہاں ملت و مذہب کے لیے وسیع المشرب عقائد نے احساسات ختم کر دیے ہوں، ان طبقوں پر مطلق العنان نہیں تو کس قسم کی حکومت ہونی چاہیے جو میں بعد میں بیان کروں گا۔ ہم اس کے لیے ایک نہایت بااختیار حکومت قائم کریں گے، تاکہ تمام طبقوں پر ہماری گرفت مضبوط ہو۔ ہم اپنی رعایا کی سیاسی زندگی کے لیے نئے قوانین مرتب کریں گے اور تمام اُمور انہی کے مطابق طے کریں گے۔ ان قوانین کے ذریعے غیر یہودیوں کی دی ہوئی خودمختاریاں اور رعایتیں ایک ایک کر کے چھین لی جائیں گی اور ہماری بادشاہت کی مطلق العنانی کا طرۂ امتیاز یہ ہوگا کہ ہم کسی وقت اور کسی بھی جگہ غیر یہودی مخالف کو کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''

(دستاویز 4، قوم یہود کے مقدر کی ریاست، ص: 199)

یہ کل تین اقتباسات ہو گئے۔ اس کے بعد ''مطلق العنان بادشاہ'' کے متعلق بھی تین اقتباسات ملاحظہ فرما لیجیے۔ پھر ہم آگے چلیں گے اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ہم نے عام مترجمین اور محققین سے ہٹ کر اس کتاب کو ایک الگ نام کیوں دیا ہے؟

''اب میں دنیا بھر میں ''شاہ داؤد'' کے خاندان کی حکومت کی جڑوں کی مضبوطی کا طریقہ کار بیان کروں گا۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے اس فلسفے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جسے دنیا میں ''قدامت پرستی کی روایات'' کو قائم رکھنے کے لیے ہمارے ''فاضل راہنماؤں'' نے اپنایا اور یہ وہ فلسفہ ہے جس سے انسانی فکر کی راہیں متعین کی جائیں گی۔ داؤد کی نسل سے کچھ افراد مل کر بادشاہوں اور ان کے ورثا کا انتخاب کریں گے، مگر اس انتخاب کا معیار آبائی وراثت کا حق نہیں ہوگا۔ ان بادشاہوں کو سیاست اور نظام مملکت کے تمام رموز بتائے جائیں گے، لیکن اس بات کو پیش نظر رکھا جائے گا کہ کوئی اور شخص ان رموز سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اس طرزِ عمل کا منشا و مقصد یہ ہے کہ سب لوگوں کو یہ علم ہو جائے حکومت کا کاروبار ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا جنہیں اس ''دنیائے

فن کے خفیہ مقامات'' کی سیر نہیں کرائی گئی۔''

(دستاویز 24، شاہ داؤد کی حکومت کا استحکام، ص: 307)

اس اقتباس میں ''قدامت پرستی کی روایات''، ''فاضل راہنماؤں کا اختیار کردہ فلسفہ''، ''داؤد کی نسل کے کچھ افراد'' اور ''دنیائے فن کے خفیہ مقامات کی سیر'' جیسی خفیہ یہودی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ بالخصوص آخری اصطلاح تو انتہائی ذومعنی ہے اور یہودی سرّی علوم یعنی خفیہ روحانی علوم جو نیم جادوئی اور نیم شیطانی ہوتے ہیں، سے واقفیت یا تعارف کے بغیر اس کا مفہوم سمجھا نہیں جا سکتا۔ بہرحال اس اقتباس کا مرکزی خیال ''شاہ داؤد'' کی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے گرد گھومتا ہے۔ اگلے اقتباس میں ہم مطالعہ کریں گے کہ انسانوں کی ایک مخصوص نسل سے تعلق رکھنے والا یہ ''مطلق العنان بادشاہ'' اپنی نسل کے علاوہ دوسرے انسانوں سے کیا سلوک کرے گا؟

''موجودہ خداشناس اور شرپسند معاشروں کے حکمرانوں (جنہیں ہم پست ہمت بنا چکے ہوں گے) کی جگہ لینے کے لیے جو شخص ہمارا بادشاہ بنے گا، اس کا سب سے پہلا قدم اس خداشناسی اور شرپسندی کی آگ کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ان موجودہ معاشروں کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہوگا خواہ اس مقصد کے لیے اسے کتنا خون خرابہ کرنا پڑے۔ صرف اسی صورت میں اس کے لیے ان معاشروں کو نئے سرے سے منظم کرنا ممکن ہوگا جس کے بعد وہ ہماری ریاست کے خلاف اُٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹ دینے کے لیے شعوری طور پر تیار ہوں گے۔ خدا کا یہ محبوب (یعنی بادشاہ) اس لیے چنا گیا ہے کہ وہ تمام اندھی، بہری اور بہیمانہ قوتوں کو ختم کردے جن کا عقل و منطق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قوتیں فی زمانہ جبر و تشدد، ڈاکہ زنی اور آزادی و حقوق کے نقاب میں پوشیدہ ہو کر تمام دنیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ ان قوتوں نے ہر قسم کے سماجی نظم و ضبط کا خاتمہ کر دیا ہے جس سے یہودی شہنشاہ کے تختِ حکومت پر متمکن ہونے کی راہیں ہموار ہوگئی ہیں، لیکن جونہی بادشاہ اپنی سلطنت میں داخل ہوگا یہ قوتیں اپنا کام دکھا کر بذاتِ خود ختم ہو چکی ہوں گی۔ تب انہیں شہنشاہ کے راستے سے ہٹانا ہوگا۔ وہ راستہ جس پر کوئی گڑھا یا پتھر نہیں ہونا چاہیے۔''

(دستاویز: 23، خدا کا محبوب بادشاہ، ص: 304)

یہ تھا خدا کے محبوب بادشاہ کا ''خدا کی اندھی، بہری اور بہیمانہ مخلوق'' کے ساتھ وہ سلوک جس کی بنا پر وہ ''خدا پرستی کی آگ'' کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرے گا اور اپنے رستے سے ہر گڑھا اور پتھر ہٹا کر ''ریاست'' کے خلاف اُٹھنے والا ہر ہاتھ کاٹ کر رکھ دے گا اور انسانی معاشروں کو برباد کر کے نئے سرے سے منظم کرے گا، چاہے اسے اس کے لیے کتنا ہی خون خرابہ کرنا پڑے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان ''اعلیٰ انسانی مقاصد'' کے حصول کے لیے کی جانے والی جدوجہد کس رخ پر ہمارے گردوپیش میں جاری ہے؟ اس کے لیے ہم دوسرے اقتباس کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں قوم یہود نے اپنے پیدائشی حق حکمرانی کے حصول کا طریق کار کھل کر اور لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کیا ہے۔

''جب ہم اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو ہم مجبور ہوتے ہیں کہ ہم ریاستوں کے آئینوں میں ایسی باتیں داخل کر دیں کہ وہ غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ ان کو تباہی کے راستے کی طرف دھکیل دیں اور پھر اسی طرح ایک وقت میں ہر طرح کی حکومت ہمارے قہر و جبر کا شکار ہو جائے گی۔ ہمارے ڈکٹیٹر کی پہچان آئین کی تباہی سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ لمحہ اس وقت آئے گا جب دنیا کی اقوام اپنے حکمرانوں کی نااہلیوں اور بدعنوانیوں کے سبب بدحال ہو چکی ہوں گی اور یہ سب کچھ ہماری منصوبہ بندیوں کی وجہ سے ہی ہوگا۔ اس وقت لوگ چلائیں گے: ''ان کو (ہمارے حکمرانوں کو) دفع کرو اور ہمیں پوری دنیا پر ایک ایسا بادشاہ دو جو ہمیں متحد کرے اور حکومتی قرضے، سرحدوں، اقوام، مذاہب کی وجہ سے پیدا ہونے والے جھگڑوں کو ختم کر دے۔ جو ہمیں امن و شانتی مہیا کرے جو ہمیں ہمارے حکمران نہیں دے سکے ہیں۔''...... لیکن آپ یہ بہتر طور پر جانتے ہیں کہ تمام اقوام کی طرف سے ایسی خواہشات کا اظہار پیدا کرنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ عوام اور حکومتوں کے درمیان تعلقات کو بگاڑا جائے۔ انسانیت کو اختلاف رائے، نفرت، جدوجہد، منفی ردِعمل حتیٰ کہ تشدد کے استعمال، بھوک و افلاس، بیماریوں کے پھیلاؤ، خواہشات کی کثرت کے ذریعے تباہ کر دیا جائے تاکہ غیر یہودی عوام ہماری دولت اور دیگر ذرائع کی بالادستی تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ ہی نہ پائیں، لیکن اگر ہم اقوام عالم کو سانس لینے کا موقع دے دیں تو پھر ہماری حاکمیت کی بالادستی کا لمحہ مشکل ہی سے آئے گا۔''

(دستاویز:9، پوری دنیا کے مقتدر اعلیٰ کی حکومت کے قیام کے اعلان کا لمحہ،ص: 231)

دنیا پر اپنی حاکمیت اور بالادستی کے لمحے کے جلد آنے کے لیے قوم یہود پوری دنیا کو جس طرح جہنم بنائے ہوئے ہے، اس کا سبب اس دستاویزی منصوبے میں اور اس کی جھلک آپ عالمی منظرنامے پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس منظرنامے کی پیشانی پر جھلملاتے مصائب وآفات، کرۂ ارض کے باسیوں کو چار طرف سے گھیرے میں لینے والی الم انگیز مشکلات اصل میں اس قوم کی کارستانیاں ہیں جو خود کو خدا محبوب اور خدا کی بقیہ مخلوق کو اپنا محکوم سمجھتی ہے اور اپنے اس ''بنیادی حق'' کے حصول کے لیے ہر طرح کے جائز وناجائز حربے روا رکھتی ہے۔

اب قبل اس کے کہ ان دستاویزات کی تاریخی حیثیت واستناد پر کچھ تبصرہ کریں، ان کی ایک مخصوص انفرادیت کا ذکر کرتے ہیں جس سے بآسانی معلوم ہوگا کہ مستقبل قریب میں جس ''عالمی دجالی ریاست'' کے قیام کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں، یہ کسی دیوانے کی بڑ یا خبطی کا وہم نہیں، ایک خوفناک حقیقت ہے جس کے خلاف جہاد میں حصہ لینا نیک بختی کی علامت اور نجات کی ضمانت ہے۔

(جاری ہے)

انوکھی دستاویز

دیکھنے میں تو وہ محض ایک عام سی کتاب لگتی ہے، مگر واقعہ یہ ہے یہ کئی اعتبار سے منفرد اور انوکھی کتاب ہے۔

☆......ایک تو اس وجہ سے کہ عام طور پر کسی کتاب کو ایک یا دو تین فرد لکھتے ہیں۔ اس کتاب کو پوری جماعت نے لکھا ہے۔ اور یہ جماعت ایسی تھی کہ دنیا بھر سے منتخب کی گئی تھی اور اپنے فن یعنی خفیہ منصوبہ بندی، مکاری، عیارانہ فریب کاری، سنگ دلی، بے رحمی اور اخلاقیات سے عاری پن میں اتنی نمایاں اور ممتاز تھی کہ اس کے ان اوصاف کو دوست دشمن سب مانتے ہیں اور اس کتاب میں بھی انہوں نے جا بجا اپنے ان فطری اوصاف کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

☆......اس کتاب کو اس اعتبار سے بھی منفرد قرار دیا جائے گا کہ اس میں دنیا کے لیے خیر کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس میں جو کچھ تھا وہ بنی نوع انسان کے لیے شر ہی شر تھا۔ شر کی ہر سطح پر ترویج سے لے کر شر کے نمائندہ اعظم کے خروج تک اس میں شر کی ترویج کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

☆......عام طور پر مصنف اپنے پڑھنے والوں کے بھلے کے لیے کوئی بات لکھتا ہے۔ اس میں مصنفین نے اپنے طبقے کے لیے تو سب کچھ سوچ سمجھ کر ترتیب دیا تھا، لیکن قارئین کے لیے ان کم ظرفوں کے پاس سوائے شر، بدی اور بدخواہی کے کچھ نہ تھا۔

☆......عام طور پر پیش گوئیاں اپنے وقت پر غلط ثابت ہونے کے لیے ہوتی ہیں اور کچھ وقت تجسس اور سنسنی خیزی پیدا کر کے اپنے پیچھے غیر محتاط بیانات اور غیر مصدقہ اطلاعات کے علاوہ کوئی تاثر نہیں چھوڑتیں......لیکن اس کتاب کی پیش گوئیاں ہمیں اپنے گرد و پیش میں علاقائی اور عالمی منظرنامے پر اپنا وجود منواتی اور حقیقت کے پردے پر واضح جھلک دکھاتی نظر آتی ہیں۔ جو کچھ منصوبے اس میں پیش کیے گئے تھے، جو پیش گوئیاں کی گئی تھیں، جو سازشیں ترتیب دی گئی تھیں، وہ

حیرت انگیز طور پر پوری ہوتی رہیں۔آج کی دنیا کا منظر نامہ حرف بہ حرف ان پیش بندیوں کے مطابق ہے جو اس کتاب کے مصنفین نے ترتیب دی تھیں۔

☆......عام طور پر کتابیں چھپنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔اس کتاب کے مصنفین کی پہلی اور آخری کوشش یہ تھی کہ یہ کسی طرح منظر عام پر نہ آنے پائے۔چند سر پھرے ایڈونچر پسندوں نے اسے دنیا تک پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں یکے بعد دیگرے حیرت انگیز طور پر پُراسرار موت کا شکار ہونا پڑا۔

☆......کتاب نامی کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو اس کا خریدار مصنف نہیں، عام لوگ ہوتے ہیں، لیکن یہ ایسی کتاب ہے جب چھپ کر بازار میں آتی ہے تو خود مصنفین کے ہرکارے اسے خرید خرید کر غائب کر دیتے ہیں۔

☆......دنیا میں کم ہی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن کے مصنفین نامعلوم ہیں۔ ہر مصنف اپنی محنت اپنے نام سے متعارف کرواتا اور اسے اپنے لیے باعث افتخار سمجھتا ہے۔یہ ایسی کتاب ہے جس پر بطورِ مصنف کسی شخص یا اشخاص کا نام نہیں۔ نہ اس کے حقوق محفوظ کروائے گئے ہیں نہ کوئی اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ اُلٹا جن کے لیے لکھی گئی ہے یعنی قوم یہود اور جنہوں نے اسے لکھا ہے یعنی صہیونیت کے چوٹی کے دماغ، وہ سب اسے جعلی اور من گھڑت قرار دے کر اس کی نفی کرتے اور اس کی صداقت کو مشکوک قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆......ہر کتاب کے مصنف کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی کتاب کو قبولیتِ عام اور شہرتِ دوام نصیب ہو، اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کر لیا جائے، لیکن یہ ایسی عجیب کتاب ہے کہ اس کے مصنفین اس کی اہمیت کو تسلیم کرنے یا کروانے کے بجائے اسے افسانہ قرار دیتے ہیں اور سرے سے اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے ہی انکاری ہیں۔

الغرض اس کتاب میں بہت سی منفرد خصوصیات ہیں۔ بشرطیکہ اسے کتاب تسلیم کر لیا جائے...... ورنہ حقیقت میں تو یہ تجاویز، منصوبوں، مستقبل کی پیش بندیوں اور پیش گوئیوں کا مجموعہ ہے۔جنہیں ایک مخصوص ہدف حاصل کرنے کے لیے دنیا کے چوٹی کے دماغوں نے سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد ترتیب دیا تھا۔ وہ ہدف کیا تھا؟ جس کانفرنس میں یہ تجاویز پیش کی گئیں اس

کے اختتام پر جب کانفرنس کے سربراہ، صیہونیت کے بانی اور معاصر یہودیت کے بابائے قوم ڈاکٹر تھیوڈور ہرٹزل سے ان تجاویز اور منصوبوں کا خلاصہ پوچھا گیا تو اس نے ایک جملے میں اپنے اہداف سمیٹتے ہوئے کہا: ''میں زیادہ تو کچھ نہیں کہتا۔ بس اتنا ہے کہ آج سے پچاس سال کے اندر دنیا روئے ارض پر یہودی ریاست قائم ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔''

یہ ان تجاویز کا آخری نہیں، پہلا ہدف تھا جو پورا ہو چکا ہے۔ دوسرا ہدف اس یہودی ریاست کی ان حدود تک توسیع ہے جو ''منی اسرائیل'' کو ''گریٹر اسرائیل'' میں تبدیل کر دے گی...... اور تیسرا اور آخری ہدف...... اس گریٹر اسرائیل کے سربراہ، بنی داؤد کی نسل سے آنے والے نام نہاد مسیحا، یہودیت کے نجات دہندہ یعنی الملعون الاکبر، الفتنۃ الکبریٰ، ''دجال اعظم'' کی سربراہی میں ''عالمی دجالی ریاست'' کا قیام ہے جو زمین پر رحمانی نظام (یعنی اسلام) اور اس کی ہر شکل و نشان کو مٹا کر شیطانی اور دجالی نظام کو برپا کرنے کی علمبردار ہو گی۔

راقم الحروف نے سب سے پہلے یہ کتاب اس وقت پڑھی جب اس کی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔ بندہ کے بڑے بھائی کو کہیں سے اس کا پرانا اور بوسیدہ نسخہ ہاتھ لگ گیا۔ وہ اس کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں بندہ نے ایک دن اسے اُٹھا کر اوراق پلٹنا شروع کیے۔ حیرت کا ایک جہاں تھا جو بندہ پر کھلتا گیا۔ تجسس اور سنسنی خیز معلومات کا ایک سیل رواں تھا جو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا تھا۔ کتاب خوانی کا اثر ذہن پر ایک عرصے تک قائم رہا۔ راقم یہ سوچ کر حیران تھا کہ جس قوم نے ایسے عالمگیر منصوبے بنائے ہیں، اتنا زبردست خفیہ نظام ترتیب دیا ہے، زندگی کے ہر شعبے پر گرفت قائم کرنے کے لیے اتنی زبردست منصوبہ بندی کی ہے، وہ اس پر عمل بھی کر سکی یا نہیں؟ یہ فرضی خیال بندی تھی یا حقیقی خاکہ سازی؟ اگر حقیقی تھی تو اتنی ذہین، منظم اور وسائل سے مالا مال قوم آج تک اپنے مقصد میں کامیاب کیوں نہیں ہوئی؟ دنیا کی ہر چیز اس کے پاس موجود ہے، ہر میدان کے ماہرین کی خدمات اسے حاصل ہیں، وہ وسائل کی بھرمار اور عالمی قوتوں کی حمایت کے باوجود اتنی رسوائی اتنی ذلیل و خوار کیوں ہے؟ اتنا دماغ، اتنی دولت، اتنی سیاست، اتنی دور اندیشی اگر کسی اور قوم کو مل جاتی تو وہ ایک دہائی میں دنیا کو تسخیر کر لیتی۔ یہود کا ''تسخیر عالم کا

منصوبہ'' ان کے لیے سامان رسوائی کیوں بنا ہوا ہے؟ یا تو اس کتاب کے مندرجات مبالغہ پر مبنی اور جھوٹ کا پلندہ ہیں یا پھر کوئی اور بات ہے۔ وہ اور بات کون سی ہے؟ اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے اور سر کھپا کھپا کر مطالعہ کرتے کرتے ہم جہاں تک پہنچ سکے، وہ پیش خدمت کرنا مقصود ہے...... لیکن پہلے اس کتاب کی اصلیت کے حوالے سے چند حقائق سامنے آجانے چاہییں تاکہ آگے کہی گئی باتیں وثوق اور اعتماد کی بنیاد پر بیان کیے گئے حقائق ہوں نہ کہ قیاس اور اندازے کے سہارے اُڑائے گئے مفروضات۔ نصرتِ الٰہی اور تائید ربانی شامل حال رہی تو ان شاء اللہ ہم اس موضوع سے اتنا کچھ انصاف ضرور کرلیں گے کہ ہمارے قارئین کی تشفی ہوسکے۔

پروٹوکول کے لفظ کا مطلب ہے کوئی مسودہ، دستاویز یا کسی اجلاس کی روداد۔ دوسرے لفظوں میں کسی دستاویز کے سرنامے پر اس کا خلاصہ چسپاں کردیا جائے۔ اس اعتبار سے اس کا مفہوم ہوگا: ''صہیونیوں کے فاضل بزرگوں کے اجلاس کی کارروائی کی مکمل روداد۔'' انہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صہیونی حکمرانوں کے اندرونی حلقوں سے خطاب کیا جارہا ہے۔ اسی بنیاد پر ہم نے شروع میں ہی کہہ دیا یہ درحقیقت عالمی سطح پر ''دجالی ریاست کے قیام کے لیے یہودی قوم کا لائحہ عمل'' ہے جو صدیوں کے دوران مرتب ہوا اور جسے اس قوم کے چوٹی کے دماغوں اور دانشوروں نے کانٹ چھانٹ کر آخری شکل دی۔ ان دستاویزات میں موجود منصوبوں اور خلاصوں کی تیاری اور ترتیب وقتاً فوقتاً کئی صدیوں سے جاری تھی۔

(جاری ہے)

''پلان ٹو''

یہ کتاب غیر یہود کے ہاتھ کیسے لگی؟ جس چیز کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا گیا تھا، وہ بالآخر منظرِ عام پر کیسے آ گئی؟ یہ داستان بڑی دلچسپ ہے۔ اس موضوع پر ہمیں سب سے اہم حوالہ ایک یورپی مصنفہ Mrs. Fry کی کتاب "Waters Flourig Eastward" سے ملتا ہے۔ انہوں نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ دنیا کی یہ خفیہ ترین دستاویزات یعنی ''پروٹوکولز'' دو مختلف ذرائع سے حاصل کیے گئے تھے:

(1) روسی خفیہ ادارے کی ایک ایجنٹ جسٹائن جلنکا (Justine Glinka) فرانس میں کام کر رہی تھی۔ اسے مختلف خفیہ ذرائع سے پروٹوکولز کا پتا چلا اور یہ بھی کہ اس دستاویز کی کاپیاں فرانس کے ''مزرایم لاج'' (Mizraim Lodge) میں جو پیرس میں تھا، موجود ہیں۔ یہ لاج فرانس میں فری میسن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ بظاہر اس کا نگران The Rite of Mizraim نامی ایک گروہ تھا، لیکن درحقیقت یہ فری میسنری کی ایک ذیلی خفیہ تنظیم تھی جس کا مرکز قاہرہ میں تھا جبکہ اس کی شاخیں تمام یورپ میں تھیں۔ جلنکا (Glinka) ان دستاویزات کے پیچھے پڑ گئی۔ اس نے لاج کے ایک ملازم جوزف اسکارسٹ (Joseph Schorst) کو تاڑا جس سے کام نکل سکتا تھا۔ اس ملازم کو انتہائی چھان پھٹک کے بعد رکھا گیا تھا اور اس سے حسبِ روایت مخصوص رسومات کی ادائیگی کے ساتھ وفاداری کا حلف لیا گیا تھا، لیکن ہر مضبوط حصار کا کوئی کمزور گوشہ ضرور ہوتا ہے۔ ایک دن اس کو رقم کی ضرورت پڑی۔ جلنکا ایسے موقع کی تلاش میں تھی۔ اس نے فوراً 5,000 فرانک کی بھاری رشوت پیش کر دی۔ اتنی چھوٹی چیز کی اتنی بڑی رقم ملتے دیکھ کر اس نے کچھ سوچے بغیر اس کی ایک کاپی جلنکا کو دے دی۔ اس نے کاپی ہاتھ میں آتے ہی تاخیر کیے بغیر اس وقت کے روسی دارالحکومت ''سینٹ پیٹرز برگ'' پہنچا دی۔ فرانس کے پولیس ریکارڈ کے مطابق اسکارسٹ کو

اس واقعے کے چند دنوں بعد قتل کر دیا گیا۔ ''برادری'' اس اہم ترین راز کی چوری پر اس کو کہاں معاف کر سکتی تھی۔

(2) دوسری طرف جب پہلا عالمی صہیونی اجتماع 1897ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر ''باسل'' میں منعقد ہوا تو وہاں بھی روسی خفیہ ادارے کے افسران کٹر قدامت پرست یہودیوں کے بھیس میں پہنچ گئے اور انتہائی سخت راز داری اور بھرپور احتیاط کے باوجود یہی دستاویزات حاصل کر لیں۔ روسی بادشاہ بہت پہلے ہی سے یہودیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظریں رکھے ہوئے تھا کیونکہ 1870ء کی دہائی میں یہود نے گہری سازش کے ذریعے ایک ''زارِ روس'' کا قتل کیا تھا۔ (''زار'' روسی بادشاہوں کا لقب تھا)۔ لہٰذا اس وقت کا روسی بادشاہ ان دستاویزات کے حصول میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا اور ان کے حصول کے لیے کوئی بھی قیمت دینے پر تیار تھا۔ اس کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی بدولت روسی ایجنٹوں نے بالآخر یہ کارنامہ کر دکھایا۔ یہودیوں کے چوٹی کے دانشور احتیاطی تدبیریں کرتے رہ گئے اور ان کے دشمن یہ دستاویزات لے اُڑے۔

روسی خاتون جاسوس ''جسٹائن جلنکا'' نے ان پروٹوکولز کی ایک کاپی اپنے پاس رکھی اور جب وہ اپنے آبائی گھر روس کے ضلع Orel لوٹی تو اس نے ایک سرکاری عہدیدار کو بھی ان دستاویزات کی کاپی دے دی۔ اس کا نام Alexis Sukhotin تھا۔ Alexis نے یہ دستاویز اپنے دو دوستوں فلپ سٹیپونور اور سرجی اے نائلس کو دی۔ اول الذکر (Steponor) نے اس کی کاپیاں کروائیں اور انہیں اپنے قریبی دوستوں میں بانٹا، جبکہ مؤخر الذکر (Nilus) نے پہلی بار انہیں کتابی شکل میں 1901ء میں چھاپا جس کا عنوان تھا: "The Great Within the Small" (چھوٹے کے اندر سب سے بڑی) بادشاہت کے زمانے میں تو یہ کتاب خفیہ چیزوں میں مقبول ترین چیز تھی...... لیکن روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے یہودی اثر و رسوخ کی بنا پر اس کتاب کو کسی کے پاس دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم تھا۔ Steponor انقلاب کے آتے ہی روس سے بھاگ گیا اور 1932ء میں یوگوسلاویہ میں اس کا انتقال ہوا۔

Steponor کے بیٹے سے جب ایک یورپی مصنف Gerald B. Winrod کی

ملاقات 1935ء میں ہوئی تو اس نے اپنے والد کے دوست نائلس کے بارے میں بہت سے انکشافات کیے۔ وہ نائلس کو اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ اس کا باپ اور نائلس ایک ہی کمیونٹی میں رہتے تھے۔ اس نے بتایا کہ نائلس کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ وہ ایک پختہ عقیدے والا عیسائی تھا اور انجیل مقدس پر کامل یقین رکھتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ قوم یہود کے داناؤں نے یہ منصوبے عیسائیت کے خاتمے کے لیے تیار کیے ہیں تو اس نے دنیائے مسیحیت کی آگاہی کے لیے خطرات مول لیے اور ان دستاویزات کو شائع کرنے کی ٹھان لی۔ یہ دستاویزات عبرانی زبان سے روسی زبان میں ترجمہ کی گئی تھیں۔ نائلس کے خیال میں یہ منصوبہ عیسائیت کے خلاف سازش تھا جسے طشت از بام کر کے اس نے ملی فریضہ انجام دیا، لیکن ان دستاویزات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سازش صرف عیسائی مذہب اور تہذیب کے خلاف نہیں، یہ تمام مذاہب اور تہذیبوں کے خلاف ایک بھیانک منصوبہ ہے۔

جب روس میں انقلاب آیا اور پروٹوکولز کی کاپی رکھنا بھی جرم ہو گیا تو نائلس نے روس سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے وہ روس کے صوبے یوکرائن کے دارالحکومت Kiev میں 1924ء میں پکڑا گیا۔ اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

یہ تحریر اگرچہ روسی زبان میں ''برٹش میوزیم لائبریری'' میں 10 راگست 1905ء کو پہنچ گئی تھی لیکن اس کا انگریزی ترجمہ 1906ء میں ''وکٹر ای مارسڈن'' (Victor E. Marsden) نے کیا تھا۔ مارسڈن روس میں انقلاب کے دوران ''مارننگ پوسٹ'' (Morning Post) نامی اخبار کا نمائندہ تھا۔ انقلاب کے بعد اسے بھی گرفتار کر لیا گیا اور سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا، لیکن بالآخر برطانوی باشندہ ہونے کے ناتے اسے معاف کر دیا گیا اور رہائی کے بعد واپس برطانیہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ برطانیہ واپسی کے بعد جب اس کی صحت بحال ہوئی تو اس نے سب سے پہلے ان دستاویزات کے ترجمے پر کام شروع کیا۔ اسے ان خفیہ دستاویزات کی اہمیت کا اندازہ تھا اور وہ انہیں جلد از جلد دنیا کے سامنے لانا چاہتا تھا۔ چونکہ وہ خود صحافی بھی تھا اور اسے روسی اور انگریزی دونوں زبانیں آتی تھیں، اس لیے اس کا ترجمہ آج بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا کہ پہلے دن تھا۔

برطانیہ واپسی کے بعد جب برطانیہ کا بادشاہ اپنی نوآبادیات کے دورے پر نکلا تو مارسڈن اس

کے ساتھ جانے والی ٹیم میں شامل تھا۔ اس دورے کے دوران مارسڈن نے ایک خصوصی مراسلہ نگار کی حیثیت سے ایک مرتبہ پھر ''مارننگ پوسٹ'' کے لیے کام کیا لیکن برطانیہ واپسی پر وہ ''اچانک'' بیمار پڑ گیا اور ''پُراسرار حالت'' میں انتقال کر گیا۔

اس کتاب سے متعلق مزید معلومات General D.B. winrod کی کتاب "The Truth About the Protocoles" (پروٹوکولز کے متعلق سچ) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ شروع شروع میں یہ کتاب مارکیٹ میں آتے ہی غائب ہو جاتی تھی۔ اس کے مترجم یا ناشر پراسرار طور پر ''اتفاقیہ طبعی موت'' کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس زمانے میں اگر آپ کسی لائبریری میں جاتے اور یہ کتاب تلاش کرتے تو آپ سے پہلے کوئی اسے نکلوا کر لے جا چکا ہوتا یا یہ کتاب بغیر کسی اطلاع کے اپنے متعلقہ خانے سے غائب ہوتی۔ آج بھی اگر آپ نیٹ پر اس کتاب کو سرچ کرنا چاہیں تو آپ کو کافی مشکل ہوگی۔ اس نام سے ملتی جلتی کتابیں آپ کو دکھائی جائیں گی، مگر یہ کتاب کوشش کے بعد بھی آپ کی نظروں سے اوجھل رہے گی۔

ان تمام باتوں کے تناظر میں...... جو یقیناً اتفاقیہ نہیں ہیں...... اس کتاب کے مندرجات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کو اُردو میں پہلی بار کراچی کے ایک جرات منداور صاحب ایمان صحافی ''مصباح الاسلام فاروقی'' نے ترجمہ کر کے چھاپا۔ اس کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے میں ان دستاویزات کا تعارف، پس منظر، یہودی عزائم وغیرہ بیان کیے گئے تھے اور دوسرے میں ان بدنام زمانہ دستاویزات کا سلیس ترجمہ تھا۔ جب یہ شائع ہوئی تو تہلکہ مچ گیا۔ کتاب کی بے پناہ مقبولیت کے باوجود بعض مخصوص تنخواہ داروں نے اس کے فرضی اور جعلی ہونے کی رٹ لگانا شروع کر دی۔ ان کا اصرار تھا یہ ساری دستاویزات شہرت کے طلب گار کسی قلم کار کے وہم کی پیداوار ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کتاب جلد ہی ناپید ہو گئی تھی۔ تلاش بسیار کے باوجود کہیں سے ایک آدھ نسخہ مل جانا بھی خزانے کی تلاش کے مترادف تھا۔ تیسری طرف فاروقی صاحب یہ محسوس کرنے لگے کہ ان کی نگرانی شروع کر دی گئی ہے۔ انہیں ایسا لگا ان کے آس پاس پراسرار نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ ان کی جان کے درپے ہو گئے ہیں اور وہ موقع ملنے کی تاک میں ہیں۔ انہوں

نے اپنی تمام تر توجہ اسی موضوع پر مرکوز کر دی اور سانسوں نے انہیں جتنی مہلت دی اس دوران انہوں نے یہودیت پر ایک شاہکار کتاب ''یہودی سازش اور دنیائے اسلام'' تصنیف کر ڈالی۔ فاروقی صاحب کچھ عرصے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ جو قوتیں ان کی اس بہترین کاوش کو وہم قرار دیتی رہی تھیں، انہیں ان کی موت سے بھی چین نہ آیا۔ یہ کتاب ان کے بعد بھی کہیں دستیاب نہ ہوتی تھی۔ کچھ عرصے بعد ''تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ'' کے نام سے چھپی۔ مصنف کے طور پر ''ابوالحسن'' کا فرضی نام سرورق پر درج تھا۔ ناشر کا نام حسب روایت موجود تھا، نہ ہی ملنے کا پتا درج تھا۔ اشاعت عام کی نوبت اس بار بھی نہ آنے پائی۔ اکثر و بیشتر اس کا فوٹو اسٹیٹ نسخہ ہی آگے چلتا رہا۔ فاروقی صاحب کے بعد ایک اور مشہور مصنف منشی عبدالرحمٰن خان نے اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد تو قطار لگ گئی۔ بہت سے مترجمین نے ترجمہ کیا اور ناشرین اسے چھاپتے رہے۔ اب یہ مختلف ناموں سے کہیں نہ کہیں مل ہی جاتی ہے۔ زیادہ مشہور نام ''یہودی پروٹوکولز'' کا ہے، لیکن جیسا کہ راقم نے اس مضمون کے شروع میں کہا صحیح معنوں میں اسے ''دجالی ریاست کے قیام کا دستاویزی منصوبہ'' کہنا چاہیے، کیونکہ اس کا اصلی ہدف بدی کے بدترین ظہور ''دجال اعظم'' کی عالمی ریاست کا قیام ہے جس کا مرکز اسرائیل اور پایۂ تخت یروشلم ہوگا۔

بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ اگر ان دستاویزات کا انکشاف یہودیت کے لیے اتنا ہی نقصان دہ تھا کہ انہوں نے سرجی اے نائلس اور وکٹر ای مارسڈن سے لے کر فاروقی صاحب تک کو قتل کرنا ضروری سمجھا تو فاروقی صاحب کے بعد بقیہ مترجمین و ناشرین ان کے انتقام کی زد سے کیونکر محفوظ رہے؟ اس بات کا جواب سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ ایک راز اپنے ابتدائی انکشاف کے وقت جتنا سنسنی خیز ہوتا ہے، اتنا ہی متاثرہ فریق کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس وقت راز کو عام کرنے والے انتقام کے شدید جذبے کا نشانہ بنتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس انکشاف سے متاثر ہونے والا فریق جب دھچکے سے سنبھل جاتا ہے تو وہ اس تہلکہ خیز انکشاف کو اپنے لیے غیر اہم قرار دے کر اسے نظر انداز کرنے کی پالیسی اپنا لیتا ہے۔ گویا کہ ''پلان 2'' پر عمل شروع کر دیا جاتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اچھا ہے یہ معلومات دشمن یا مخالفین تک پہنچیں اور انہیں مرعوب کریں کہ اسے اتنے

ذہین اور دور اندیش فریق سے پالا پڑا ہے۔ لیکن اس موقع پر وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے خلاف کام کرنے والے ان دستاویزات کا حوالہ دے کر انہیں رگیدتے رہیں گے اور ان کے خلاف ذہن سازی کر کے دنیا کو انسانیت کے ان دشمنوں سے آگاہی دینے کا فرض ادا کرتے رہیں گے۔

(جاری ہے)

فاش غلطیوں کا تقابلی مطالعہ

جیسا کہ پہلے لکھا گیا شروع شروع میں قوم یہود کے ''بزرگ دانا'' اس کتاب کی کسی سنجیدہ حیثیت کے ہی سرے سے انکاری تھے۔ وہ پراسراریت کی دبیز تہہ تلے چھپائے ان رازوں کے انکشاف پر سخت برہم اور اپنی طرف اس کی نسبت کو نرا جھوٹ یا خالص وہم قرار دیتے تھے، لیکن غیر جانبدار محققین کا کہنا تھا...... اور آج بھی ان کا یہی اصرار ہے...... کہ ایک سے زیادہ ایسی وجوہات ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان دستاویزات کو فرضی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً:

(1) ان کے خیالی ہونے کا وہم اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا میں پیش آنے والے بہت سے منظم حادثات و واقعات کی پھر کوئی توجیہہ ممکن نہیں رہتی۔ یہودی تھنک ٹینکس ان کے جعلی یا فرضی ہونے پر جتنا بھی زور دیں اور ان کے اصلی ہونے کی جتنی بھی تردید کریں، اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ اگر یہ بالکل جعلی ہیں تو ان میں بیان کردہ تجاویز اور منصوبے تسلسل کے ساتھ عالمی حالات سے مطابقت کیوں رکھ رہے ہیں؟ اسرائیل کی کارروائیوں اور یہودیت کی کارستانیوں میں ان تمام منصوبوں کی واضح جھلک کیوں دکھائی دیتی ہے؟ اسرائیل کی تاریخ اور یہودی راہنماؤں کا طرزِ عمل ان دستاویزات کے اصل ہونے کی چغلی کھاتا ہے اور دنیا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سوچیں ایک فرضی چیز کی اتنے اہتمام اور تاکید سے تردید کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر دال میں کالا نہیں ہے تو ایسی کتاب کو دنیا کی نظروں سے غائب کرنے میں کیا حکمت تھی؟ مشہور امریکی سرمایہ کار اور دانشور ''ہنری فورڈ'' نے اسی دلیل کو استعمال کرتے ہوئے کہا تھا کہ پروٹوکولز جعلی یا فرضی نہیں، بلکہ اصلی اور حقیقی ہیں۔ انہوں نے 17 فروری 1921ء کو ''نیویارک ورلڈ'' میں شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں صحافی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

''ان پروٹوکولز کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ آج دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا

ہے، وہ ان کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ انہیں منظرِ عام پر آئے سولہ برس کا عرصہ گزر رہا ہے۔ [منظور 1897ء کی کانفرنس میں ہوئے تھے۔ انکشاف 1905ء کے آس پاس ہوا۔ راقم] آج تک عالمی حالات وواقعات انہی اقوال کے مطابق رونما ہوتے چلے آرہے ہیں۔ آج بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔''

واقعی ہنری فورڈ نے بالکل صحیح کہا تھا۔ ایک فرضی چیز کسی حقیقی واقعے سے اتفاقیہ مناسبت تو رکھ سکتی ہے، لیکن فرضی خیالات کی حقیقی اور عالمی واقعات سے تسلسل کے ساتھ موافقت ممکن نہیں۔

(2) ایک بہت مضبوط دلیل یہ ہے کہ بقول یہود یہ دستاویزات اگر اصلی نہیں، سراسر ''جعلی'' ہیں تو پھر ان ذہین جعل سازوں نے ان دستاویزات کو علانیہ طور پر کھل کر یہودی مصنفین سے کیوں منسوب نہیں کیا، جبکہ وہ بآسانی ایسا کر کے اس سے کئی مقاصد حاصل کر سکتے تھے۔ مثلاً: وہ دنیا بھر کے انسانوں اور تہذیبوں کے خلاف تیار کیے گئے ان منصوبوں پر یہودی راہنماؤں کا لیبل لگا کر قوم یہود کے خلاف نفرت اور اشتعال کی زبردست فضا پیدا کر دیتے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے دستاویزات میں ''یہود'' کا لفظ صرف دو بار استعمال ہوا ہے، جبکہ وہ مخصوص اصطلاحات جو یہودی لٹریچر کا خاصا ہیں، اور انہیں غیر یہودی نہ سمجھتے ہیں نہ استعمال کرتے ہیں، وہ خفیہ اور خفیہ ترین اصطلاحات ان دستاویزات میں جابجا روانی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ آخر وہ کون سے انوکھے ''جعل ساز'' تھے جو ایک طرف تو اتنے ذہین تھے کہ دنیا بھر کے انسانوں اور انسانی معاشرے کے ہر طبقے اور شعبے کو گرفت میں لینے کا منصوبہ 24 دستاویزات کے اندر سمیٹ کر رکھ گئے اور دوسری طرف اس اعلیٰ کاوش کو قوم یہود کے سر تھوپنے کا کوئی آسان ترین طریقہ بھی استعمال نہ کر سکے جو عام راہ چلتا نوسر باز بھی بآسانی گھڑ سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دستاویزات کو پڑھنے کے فوراً بعد پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتب ہوتا ہے، وہ ذہین اور قابل لوگوں کی طرف سے مرتب کردہ ایک ''مطلق العنان عالمی حکومت'' کے قیام کے مربوط منصوبے کا ہے جو دجال کے ہراول دستے کے طور پر کام کرنے والی قومِ یہود کی سالہا سال سے جاری زیرِ زمین جدوجہد کا مرکزی ہدف ہے اور جس کی صحیح تعبیر وہی ہے جو ہم نے ''عالمی دجالی ریاست'' کے نام سے کی ہے۔

(3) ان دستاویزات کے حقیقی اور اصلی ہونے کی ایک بڑی دلیل کچھ ایسے تقابلی قرائن ہیں جو

ناقابل تردید ہیں۔ مثلاً: ہم یہاں دو الگ الگ کتابوں سے لیے گئے دو اقتباسات کا ان دستاویزات کے متعلقہ حصے سے تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ یہ دستاویزات جن لوگوں نے رازداری کے بھاری بھرکم حلف اُٹھا کر تیار کی تھیں، ایک وقت ایسا آیا کہ ان کے منہ سے ایسی بات نکل گئی جس سے سمجھنے والے بلاتردد سمجھ گئے کہ یہ اپنی تحریر یا گفتگو میں خفیہ دستاویزات میں بیان کردہ تجاویز کا اظہار کر گئے ہیں اور بیچ چوراہے بھانڈا پھوٹ جانے کے بعد اب لیپاپوتی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ذیل میں صہیونیت کے دو چوٹی کے راہنماؤں سے نادانستہ طور پر ہوجانے والی دو فاش غلطیوں کا تقابلی مطالعے پر مبنی جائزہ ملاحظہ کیجیے:

(الف) ان پروٹوکولز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں ''پہلی صہیونی کانگریس'' کے انعقاد کے موقع پر جاری کیا گیا جو 1897ء میں باسل کے مقام پر ہوئی تھی اور جس کی صدارت جدید صہیونیت کے بانی تھیوڈور ہرٹزل نے کی تھی۔ کچھ عرصے قبل ''ہرٹزل کی ڈائری'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ اس میں سے چند اقتباسات 14/جولائی 1922ء میں یہود کے عالمی ترجمان ''جیوش کرانیکل'' میں شائع ہوئے تھے۔ ان ڈائریوں میں ہرٹ زل نے 1885ء میں اپنے سفر انگلستان کا ذکر بھی کیا ہے جہاں اس کی ملاقات کرنل گولڈ اسمتھ سے ہوئی تھی۔ وہ انگلستان کی فوج میں کرنل کے عہدے پر فائز تھا اور دل کی گہرائیوں سے ہمیشہ ایک یہودی قوم پرست ہی رہا۔ اس نے ہرٹ زل کو تجویز پیش کی کہ انگریز اشرافیہ کو تہہ و بالا کرنے اور یہودی تسلط سے انگلستان کے عوام کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کو تباہ و برباد کرنے کی غرض سے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان کی اراضی پر اضافی محصول عائد کردیا جائے۔ ہرٹزل کو یہ خیال بہت اچھا لگا چنانچہ اسے اب صہیونی دستاویز کے پروٹوکول نمبر 15 اور پروٹوکول نمبر 20 ''مالیاتی پروگرام'' میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''ہمیں ہر طرح سے اپنی ''سپر حکومت'' کی اہمیت کو اُجاگر کرنا چاہیے کیونکہ وہ اپنی تمام فرماں بردار رعایا کی محافظ اور محسن ہے۔ غیر یہودیوں کے امرا ایک سیاسی قوت کے اعتبار سے تقریباً ختم ہوچکے ہیں۔ ہمیں اس تذکرے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن زمین دار ہونے کی حیثیت سے وہ اب بھی ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے وسائل پر انحصار کرتے

ہیں۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کی زمینیں چھین لیں۔ یہ مقصد زمینوں پر ٹیکس لگا کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔یعنی زمینیں قرضوں کے بوجھ تلے دب جائیں گی۔ان اقدامات سے زمیندارانہ نظام کم ہو جائے گا اور وہ غیر مشروط طور پر ہمارے اطاعت گزار رہیں گے۔غیر یہودی امرا اور رؤسا چونکہ خاندانی اعتبار سے تھوڑے پر گزارہ کرنے کے عادی نہیں، بہت تیزی سے جل جائیں گے، ناکام ہو جائیں گے اور ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

(پروٹوکول:5، معاشی ضروریات کے پروپیگنڈے کا خفیہ باب،ص:206)

''موجودہ انفرادی یا جائیداد پر محصول کے بجائے بڑھتے ہوئے سرمائے پر فیصدی تناسب سے ٹیکس عائد کرنے سے بہت زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔موجودہ انفرادی یا جائیداد پر محصول کے بجائے بڑھتے ہوئے سرمائے پر فیصدی تناسب سے غیر یہود میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ہمیں اپنے طے شدہ راستے پر چلنے میں آسانی رہتی ہے۔''

(دستاویز20، مالیاتی پروگرام،ص:282)

ہرٹزل کی ڈائری اور مندرجہ بالا اقتباسات کا تقابلی مطالعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صہیونی راہنماؤں کے ذہن میں ''عالمی حکومت'' کے قیام کا ایک واضح منصوبہ موجود تھا اور یہ پروٹوکولز درحقیقت اسی منصوبے کا خاکہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی ذہین قاری جسے حالیہ تاریخ کا ذرا سا بھی علم ہے اور جو قوم یہود کے کام کرنے کے انداز سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، وہ ان پروٹوکولز کی ہر سطر کی اصلیت محسوس کرے گا۔وہ اصلیت جس کے پیچھے قوم یہود کے داناؤں کا مکروہ دجالی چہرہ جھلک رہا ہوگا۔ہم اپنے تمام قارئین کو دعوت دیتے ہیں وہ وکٹر ای مارسڈن کے اس ترجمے کا ضرور مطالعہ کریں جو اب اُردو زبان میں مختلف ناموں سے مل جاتا ہے۔

(ب) اب ہم ایک اور واقعے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔اس طرح کی ایک غلطی بانی صہیونیت کے جانشین سے بھی ہوئی تھی۔تھیوڈور ہرٹزل کے جانشین اور صہیونی تحریک کے لیڈر ڈاکٹر وائزمین نے ان اقوال سے ایک اقتباس اس وقت پیش کیا تھا جب 6 اکتوبر 1920ء کو یہودیوں کے ایک ''بڑے ربائی'' کے اعزاز میں ایک الوداعی دعوت دی جا رہی تھی۔ڈاکٹر وائزمین نے اپنی اس تقریر

میں ایک مشہور صہیونی قول کا حوالہ دیا تھا جسے یہودیوں کے ''روحانی دانشوروں'' سے منسوب کیا جاتا ہے اور جس کے مطابق: ''خدا نے یہودیوں کی زندگی میں ایک مفید اور سودمند تحفظ کا انتظام کر رکھا ہے اور اسی مقصد کی غرض سے انہیں (یہودیوں کو) دنیا میں ہر طرف پھیلا دیا ہے۔'' اس تقریر کا حوالہ یہود کے ایک اور عالمی سطح کے مستند ترجمان ''جیوش گارڈین'' میں 8/اکتوبر 1920ء کی اشاعت میں موجود ہے۔ اب آپ اس قول کا موازنہ پروٹوکول نمبر گیارہ کے آخری حصے سے کریں جس میں کہا گیا ہے: ''خدا نے ہمیں اپنے منتخب نمائندوں کی حیثیت سے دنیا بھر میں پھیل جانے کا تحفہ عنایت فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ ہماری اس بے وطنی اور آوارگی کو ہماری کمزوری پر محمول کرتے ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے ہیں کہ ہماری یہی کمزوری دراصل ہماری تمام تر طاقت اور قوت کا اصل سرچشمہ ہے جس نے ہمیں آج پوری دنیا پر حکومت کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔''

ان اقتباسات کے توافق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صہیونی فاضل بزرگوں اور ان کی مرتب کردہ دستاویزات کا یقیناً وجود تھا اور چیدہ چیدہ صہیونی راہنماؤں کو ان دستاویزات کے بارے میں پوری معلومات حاصل تھیں۔ نیز یہ کہ یہودیوں کی قومی ریاست یا مادر وطن کے قیام کی دیرینہ خواہش کا ان کے حقیقی عزائم اور اہداف سے گہرا تعلق ہے اور ان کا یہی وہ عزم یا ہدف ہے جو ان کے تمام عزائم اور اہداف کا محور و مرکز ہے، جس کی خاطر وہ صدیوں سے ہر ظلم و زیادتی کو روا سمجھتے ہوئے انسانیت کش جدوجہد کرتے چلے آئے ہیں۔

ان دستاویزات کے اصل یا نقل ہونے کی بحث ہم نے محض اس لیے چھیڑی ہے کہ وہ بظاہر ''لمحہ موعود'' جس کی اُمید پر قوم یہود ایک ''عالمی بادشاہ'' اور ''عالمی ریاست'' کا خواب دیکھ رہی ہے، ان دستاویزات کی رو سے اب اس دودھ بھرے چھینکے کی طرح محسوس ہوتا ہے جس کی رسی اتنی کمزور ہو چکی ہو کہ اب ٹوٹی یا تب ٹوٹی۔ یہ سنگین صورتِ حال اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ اس فتنہ پرور قوم کی طرف سے آخر زمانے کے ''فتنۂ عظمیٰ'' کے خروج کے لیے بھرپور تیاریاں جاری ہیں، جبکہ ان تیاریوں کے مطالعے اور دفاعی و اقدامی تدابیر پر ہماری طرف سے بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ قوم یہود اگر اب تک اتنی مربوط جدوجہد اور اتنی زبردست منصوبہ بندی کے باوجود اپنے مقصد میں

کامیاب نہیں ہوسکی تو اس کی وجہ ذلت وخواری کی وہ تکوینی مہر ہے جو ان پر اللہ رب العالمین، احکم الحاکمین کی طرف سے لگائی جا چکی ہے۔ اس میں ہماری مقاومت یا مدافعت کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ رب العزت کی مرضی چونکہ یہ ہے کہ قوم یہود کو اس کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کا ذلت آمیز مزہ چکھایا جائے، اس لیے ان عناصر کی رسوائی اور ذلت وشکست بھی قدرت کا اٹل فیصلہ ہے جو اس راندۂ درگاہ قوم کا ساتھ دیں گے...... جبکہ اس کے بالمقابل اس فرد، ادارے، جماعت یا قوم کی مدد ونصرت اور عزت وسربلندی نوشتۂ تقدیر ہے جو غضب الٰہی کا شکار اس قوم کے مقابل کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے والوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔

یہ وہی نکتہ ہے جس کا ہم نے شروع میں قارئین سے وعدہ کیا تھا کہ اس کتاب کے مندرجات مبالغہ پر مبنی نہیں نہ جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ یہ اس قوم کے زیرک ترین رہنماؤں کی عرق ریز کاوشیں ہیں جو انسانی تاریخ کی ذہین ترین لیکن بدبخت ترین قوم تھی۔ جس کا دماغ تو اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل تھا لیکن دل خیر کی رمق سے خالی ہو چکے تھے۔ جنہوں نے خدا پرستی اور رحم دلی کو چھوڑ کر لذت پرستی اور سنگ دلی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی محبوب ہستیوں کی توہین کو اپنا شعار بنا لیا تو رب العزت نے ان کی تذلیل پہ ابدی مہر ثبت کر دی۔ لہٰذا ان کے ترتیب دیے گئے منصوبوں کی مثال دنیا میں نہیں، لیکن ان منصوبوں کے لیے درکار تمام وسائل کی فراوانی کے باوجود ان کی ناکامی ونامرادی کی حد وحساب بھی نہیں۔ ان کا ترتیب دیا ہوا ''تسخیر عالم کا منصوبہ'' ان کے فنائے کلّی اور اجتماعی بربادی کے ہولناک انجام میں تبدیل ہو جائے گا...... لیکن...... اس سے پہلے دنیا ایک بڑی آزمائش سے گزرے گی اور اس آزمائش میں سرخرو ہونے کی ایک ہی ضمانت ہے کہ پیغمبر اسلام، ہادیٔ دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت سے چمٹ جایا جائے تاکہ جب مہدی آخر الزماں (حضرت مہدی رضی اللہ عنہ) کا ظہور ہو تو ذاتی زندگی میں ''طہارت وتقویٰ'' اور اجتماعی زندگی میں ''دعوت وجہاد'' کو اپنی پہچان بنانے والے خوش نصیب لوگ فتنوں بھری اس دنیا کو امن وامان کے گہوارے میں تبدیل کرنے کے لیے قربانیاں دے سکیں اور ان قربانیوں کا نتیجہ دنیا میں بھی دیکھ سکیں۔

دجالی ریاست کے نامہربان ہمنوا

عیش پرستی میں مبتلا مال دار حکمران وشیوخ:

دجال کا پایۂ تخت ''اسرائیل''، مسلم ممالک کے قلب میں کیسے وجود میں آ گیا جبکہ اردگرد ہزاروں لاکھوں غیرتمند مسلمان رہتے تھے؟ یہ تاریخ کے طالب علم کے لیے دلچسپ سوال ہے۔ آج ہم اسی سوال پر کچھ دیر کے لیے بحث کریں گے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمان عوام کی حمیت وغیرت مسلّم رہی ہے، البتہ اقتدار ایسی چیز ہے جو حکمرانوں کو مفاد پرست، موقع پرست اور اصول ونظریہ کے بجائے لالچ یا خوف (گاجر یا چھڑی) کا تابع کر دیتی ہے۔ ہم ذیل میں فلسطین ارضِ مقدس کے اردگرد رہنے والے نام نہاد مسلم حکمرانوں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنی چشم پوشی اور ضمیر فروشی...... زیادہ صحیح لفظوں میں..... اسلام اور اہلِ اسلام سے غداری کرتے ہوئے یہود کی ہمنوائی کی اور القدس پر شکنجۂ یہود کے مضبوط کرنے کا سبب بن کر دنیا وآخرت میں رسوائی کمائی۔ ہمارے ہاں بھی ایسے پرویزی حکمران موجود ہیں جو اسرائیل کو تسلیم کرنے کا ڈھول گلے میں ڈال کر وقتاً فوقتاً اسے پیٹتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے پوری امت کو محفوظ فرمائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اور سب سے اوپر اردن کے شاہی خاندان اور اس کے بعد فلسطین کے مجاہدِ اعظم جناب یاسر عرفات اور ان کے بعد مصری صدر انور سادات کا نام آتا ہے۔ یعنی ایک (یاسر عرفات) تو خود القدس میں تھا، دوسرا القدس کی مشرقی سرحد (اردن) پر اور تیسرا اس کے مغربی سرحد (مصر) پر حکمران تھا۔ انہوں نے ارضِ مقدس اور اس کے دائیں بائیں واقع خطے میں دجالی مفادات کی حسب توفیق نگہبانی کی۔ ذیل میں ان تینوں کے کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔ اول الذکر خاندان کے قدرے تفصیل سے اور آخری دو افراد کے اختصار کے ساتھ۔

(1) اردن کا شاہی خاندان

اردن کے موجودہ شاہی خاندان نے تاریخ کے اہم ترین موڑ پر مسلمانوں سے غداری کی۔ اس کا آغاز خلافت عثمانیہ کے سقوط سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے اس خاندان کے پہلے غدار، شریفِ مکہ (گورنرِ مکہ) اور اس کے بیٹوں کو دیکھنا ہوگا۔ بعد میں ہم اس خاندان کے ہر فرد کو انفرادی حیثیت میں دیکھیں گے۔

شریفِ مکہ

دسویں صدی کے بعد سے شریفِ مکہ کی حیثیت مکہ مکرمہ کے والی کے علاوہ ایک روحانی پیشوا کی سی ہوتی تھی اور ایک روایتی معاہدے کے تحت اس کا تعلق ہمیشہ بنی ہاشم سے ہوتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے جو شخصیت حجاز کے گورنر کے طور پر نامزد تھی یعنی اس کا تعلق بنی ہاشم کے قبیلے سے تھا۔ اس کو خلافت عثمانیہ نے حجاز مقدس کی نگرانی سونپی۔ کافی عرصے سے یہ ایک روایت تھی کہ امیر مکہ کی تقرری متعدد امیدواروں میں سے چناؤ کے بعد کی جاتی تھی۔ 1908ء میں یہ ذمہ داری حسین بن علی کو سونپی گئی، لیکن اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست عثمانی سلاطین کے کافی حد تک خلاف پایا جب اس نے اس بات کی کوششیں شروع کیں کہ اس کے خاندان کو نسل در نسل امارت دی جائے۔ گورنری کے عہدے کو اپنے خاندان میں مستقل کروانے کی خواہش کے عوض یہ شخص اپنا ایمان اور مسلمانوں کی ارضِ مقدس بیچنے پر بھی تیار ہوگیا اور خلیفۃ المسلمین سے غداری کرتے ہوئے انگریزوں کا ایجنٹ بننا قبول کیا۔ اس نے نہ صرف حجاز کو خلافتِ عثمانیہ سے چھیننے میں معاون خادم کا کردار ادا کیا بلکہ القدس کو یہود کے قبضے میں جانے اور ہندوستان کی انگریز سے آزادی میں بھی رکاوٹ بنا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی ''تحریکِ تحفظِ خلافت'' اور ''تحریکِ ریشمی رومال'' کی ناکامی اور مالٹا میں ان کی اسیری میں اسی شخص نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اس طرح اس شخص کے جرائم حجاز سے القدس تک یعنی حرمین سے حرم قدسی تک اور ہندوستان سے افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اپنے اقتدار کی خاطر اس نے عرب و عجم کے مسلمانوں کے سر سے سایۂ خلافت چھیننے، ان کی تحریکِ آزادی کو کچلنے اور ارضِ اسلام کے قبضۂ یہود میں جانے دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہاں اس شخص کی

داستانِ جور و جفا بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ آج بھی ملتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ اسی قسم کے پرویزی حکمران ہیں جو کھاتے ہمارا لیکن گاتے کسی اور کا ہیں۔ حکمرانوں کی یہ جراثیم زدہ نسل القدس کے گرد بھی ہے اور القدس کے نگہبان افغانستان و پاکستان کے گرد بھی۔ ان کی پہچان ان لوگوں کے لیے بہت ضروری ہے جو خراسان (افغانستان، شمال مغربی پاکستان) سے آنے والے کالے جھنڈوں تلے آخری وقت کے عظیم ترین جہاد میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شرکت کے خواہشمند ہیں۔

اس کا پورا نام حسین بن علی تھا۔ یہ 1854ء میں استنبول میں پیدا ہوا۔ یہ حجاز میں خلافت عثمانیہ کا مقرر کردہ آخری امیر تھا اور اس نے یہ خطاب (Title) 1908ء سے 1917ء تک اپنے پاس رکھا۔ شروع میں یہ خلافت عثمانیہ کے ماتحت اور ترکی کا اتحادی تھا اور ترکی کے جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ جنگ میں ان کے ساتھ تھا، لیکن انگریزوں کی جانب سے یہ افواہ موصول ہونی شروع ہوئی کہ جنگ کے اختتام پر اسے معزول کر کے اس کی جگہ کوئی اور امیر مکہ بن جائے گا تو اس نے جاہ پرستی میں مبتلا ہو کر بغاوت کا آغاز کر دیا اور عرب بغاوت کی باقاعدہ سربراہی کی۔

خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت میں اس خاندان کا کردار

شریفِ مکہ نے بغاوت کا اعلان تو کر دیا لیکن بغاوت کی اصل جنگ اس نے اپنے بیٹوں کے ذریعے لڑی۔ بغاوت کے صلے میں شریفِ مکہ سے مصر کے انگریز کمشنر نے شام کے ساحلی علاقے اور عدن کے علاوہ بحرِ احمر کا سارا ساحلی علاقہ تحفے کے طور پر دینے کا وعدہ کیا۔ یہ وعدہ ''حسین میک موہن معاہدہ'' (HUSSEIN. MCMAHON CORRESPONDENCE) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جون 1916ء کا مہینہ شروع ہوتے ہی عرب بغاوت کا آغاز ہوا جو خلافت عثمانیہ کے اختتام تک جاری رہا۔ اس بغاوت کا مقصد صرف شریفِ مکہ کا یہ دماغی عارضہ اور ہوس تھی کہ الیپو (ALEPPO) جو کہ شام کا شمالی ضلع تھا، سے لے کر یمن تک کی عرب سرزمین اس کی بادشاہت میں آجائے۔ اس کا یہ خواب تو کبھی پورا نہ ہوا، البتہ وہ مسلمانوں کے لیے ایسے مسائل پیدا کر گیا جن کا زخم صدیوں تک بہتا رہے گا اور اس کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنائے رکھے گا۔

شریفِ مکہ کا بیٹا باپ سے کم نہ تھا۔ اس کے بیٹے فیصل اول نے بدنام زمانہ انگریز جاسوس T.E LAWRENCE جس کو ''لارنس آف عربیہ'' بھی کہا جاتا ہے، کی مدد سے بغاوت کے لیے درکار جنگی و عسکری تیاریاں جاری رکھیں۔ فیصل، شریفِ مکہ کا تیسرا بیٹا تھا جو طائف میں 1883ء میں پیدا ہوا تھا۔ 1913ء میں اس کو خلافت عثمانیہ کی طرف سے جدہ شہر کا ''والی'' بنایا گیا تھا۔ فیصل نے انگریزوں کے ساتھ باقاعدہ مل کر خلافت عثمانیہ سے جنگیں لڑیں اور بغاوت کو منظم کیا، علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری میں اس کی غداری کا تذکرہ کیا ہے۔

اگرچہ یہ شخص اپنا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جوڑتا تھا، لیکن اس کے اندر اصل جذبہ عرب قومیت اور ذاتی مفاد کا تھا نہ کہ اسلام اور اس کی سربلندی کا۔ اور بات یہ ہے کہ اسلام میں عمل صالح کے بغیر نسب کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔

مکہ کی جنگ

بغاوت کا باقاعدہ آغاز مکہ سے ہوا۔ جون 1916ء کے آغاز میں عثمانی فوج اپنے سپہ سالار غالب پاشا (جو کہ حجاز کا گورنر تھا) کے ساتھ طائف چلی گئی، جبکہ مکہ شہر میں صرف اور صرف 1400 کے قریب عثمانی مجاہد رہ گئے تھے۔ 10 جون کی ایک گرم رات جب زیادہ تر فوجی اپنی بیرکوں میں سو رہے تھے، شریفِ مکہ نے اپنے ہاشمیہ محل کی کھڑکی سے فائر کیا۔ یہ بغاوت کے آغاز کا اشارہ (Signal) تھا۔ اس کے ساتھ 5000 اور غدار بھی تھے۔ انہوں نے حرم کی حدود کے قریب موجود JIRWALL BARRACICS پر حملہ کر دیا۔

تین قلعوں اور جدہ کی سڑکوں پر موجود قلعے

اس اچانک حملے کی وجہ سے اس وقت کے ترک کمانڈنگ آفیسر کو بغاوت کا پتا ہی نہ چل سکا۔ شریفِ مکہ اور عثمانی فوج کے جھنڈے ایک ہی رنگ کے تھے اور ترک کمانڈر کو اس کا فرق نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ جب اس نے شریفِ مکہ کو فون کیا تو اسے بتایا گیا کہ ہتھیار ڈال دو لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔

شریف کی افواج نے بعد میں پیش قدمی کر کے صفا کی پہاڑی کے قریب اور مسجد الحرام کے برابر جبلِ ابوقبیس پر قائم ''ترکی قلعے'' پر قبضہ کر لیا۔ آج کل اس قلعہ کی جگہ انتہائی بلند و بالا عمارت تعمیر کی

جا رہی ہے جبکہ بیت اللہ کے گرد فلک بوس عمارتوں کی تعمیر قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔
بغاوت کے تیسرے دن "حمیدہ" (HAMIDA) جو کہ عثمانی حکومت کا دفتر تھا، پر بھی قبضہ کر کے نائب گورنر (DEPUTY GOVERNOR) کو گرفتار کر لیا گیا۔ اب دوبارہ باقی افواج کو ہتھیار ڈالنے کو کہا گیا تو لیکن انہوں نے اس وقت بھی انکار کر دیا۔

اس پر انگریز کمانڈر "SIR REGINAL WINGATE" نے دو گولہ بردار بریگیڈ جدہ شہر کے راستے بھیجی جس میں وہ مصری آفیسر بھی شامل تھے جن کو اس مقصد کے لیے خاص طور پر تربیت دی گئی تھی۔ ان غداروں نے ترک قلعوں کی دیواریں توڑ دیں اور ان کے محافظوں کو شہید کر دیا۔ آخر کار 4 جولائی 1916ء کو مکہ کو عثمانی فوج سے خالی کروالیا گیا جبکہ جدہ کی سڑک پر واقع JIRWALL BARRACKS آگ لگنے کی وجہ سے زمین بوس ہو گیا اور وہاں ترک فوج کی سخت مزاحمت کو ختم کر دیا گیا۔ اس سلسلے کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ہندوستانی فوجیوں نے بھی انگریز کی اطاعت کرتے ہوئے شریفِ مکہ کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ سے بغاوت میں حصہ لیا۔ مثلاً خوشاب کے ایک گاؤں میں خنجر خان رہتا تھا، جس کے بارے میں لوگوں سے معلوم ہوا کہ اس نے بھی اس وقت خانہ کعبہ پر گولی چلائی تھی۔ وہ اس وقت انگریزوں کی Mercinnary (کرائے کی فوج) میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ سکھ اور ہندو آفیسر بھی تھے، لیکن انہوں نے گولی چلانے کی بجائے میدان چھوڑنے کو ترجیح دی جبکہ اس "غیرت مند" کے ساتھ اور بھی مسلمان فوجیوں نے شریفِ مکہ کی مدد کی اور حرم پر گولہ باری میں باضابطہ حصہ لیا۔ جس کی تنخواہ اس کو سولہ روپے ماہوار ملتی تھی۔

محاصرۂ مدینہ

عرب بغاوت کا سب سے زیادہ المناک اور دلسوز واقعہ مدینہ منورہ کی جنگ تھی۔ مدینہ منورہ کے ایک طرف تو پہاڑ ہے جبکہ اس پر بقیہ تین طرف سے شریف حسین کے تین بیٹوں کی سرکردگی میں حملہ کیا گیا۔

- مشرق کی جانب سے عبداللہ بن حسین کی فوج تھی۔
- جنوب کی جانب سے علی بن حسین کی فوج تھی۔

– جبکہ شمال کی جانب سے فیصل بن حسین کی افواج تھیں۔

ان کے ساتھ انگریز اور فرانسیسی آفیسروں کے دستے بھی تھے جو تکنیکی مشاورت کے لیے موجود تھے۔ ان میں لارنس آف عربیہ نامی بدنام زمانہ جاسوس بھی شامل تھا۔

محاصرۂ مدینہ 1916ء میں شروع ہوا جبکہ 1919ء کے اوائل تک جاری رہا۔ اس کی ایک وجہ تو عثمانی مجاہدین کی زبردست مزاحمت تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ انگریز نے شریفِ مکہ کو مدینہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا، کیونکہ مسلمانوں خصوصاً ہندوستان میں انگریز کے خلاف تحریک خلافت شروع ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ اس طرح سے شریفِ مکہ کے بارے میں منفی تصویر کشی سے بھی اجتناب کیا گیا۔ اس کے بجائے فرنگی دجال نے حجاز ریلوے لائن (Trans- Hejaz Railway Line) کے ذریعے کارروائیاں کیں اور اس کو بار بار اُڑایا گیا۔ جب ترک افواج اس کی مرمت کے لیے آتیں تو ان پر حملہ کیا جاتا۔ اس لائن کے دفاع اور تعمیر میں بہت بڑی تعداد میں ترک فوجی شہید یا گرفتار ہوئے۔

مدینہ شہر کا دفاع مشہور عثمانی سپہ سالار فخری پاشا (Fakhri Pasha) کے زیر نگرانی تھا۔ یہ ایسا غیرت مند شخص تھا کہ اس نے جنگ عظیم اول کے اختتام پر بھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ آخر میں جب عثمانی خلیفہ نے بہت اصرار کیا تو بڑی مشکلوں سے اس نے ہتھیار ڈالے۔

اس کی داستان انتہائی ایمان افروز ہے۔ جب 30 اکتوبر 1918ء میں ترکی اور انگریز افواج کے درمیان ''مدروس کا معاہدہ'' طے پا گیا تو اسے ہتھیار ڈالنے کا کہا گیا، لیکن اس نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شخص انتہائی دلیر اور صاحبِ ایمان تھا۔ مدینہ منورہ کے باسی اس کی بہادری اور حسنِ انتظام کی بنا پر اسے بہت پسند کرتے تھے۔

ایک ترک مصنف لکھتا ہے:

''ایک مرتبہ 1918ء کے موسمِ بہار میں جمعہ کے دن فخری پاشا مسجد نبوی میں نماز کی امامت سے پہلے خطبہ دینے کے لیے منبر کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا تو آدھے ہی راستے میں رک گیا اور اپنا چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی طرف کرتے ہوئے بلند آواز میں کہنے لگا:

''اے اللہ کے رسول! میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

اس کے بعد اس نے نمازیوں اور مجاہدین سے ولولہ انگیز خطاب کیا:

''مسلمانو! میں تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر جہاد کی اپیل کرتا ہوں جو اس وقت میرے گواہ بھی ہیں۔ میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ دشمن کی طاقت کی پروانہ کرتے ہوئے ان کا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے شہر کا آخری گولی تک دفاع کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہمارے ساتھ ہو۔

ترک افواج کے بہادر افسرو! اے چھوٹے محمدیو! آگے بڑھو اور میرے ساتھ مل کر اللہ اور اس کے رسول کے سامنے وعدہ کرو کہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت اپنی زندگیاں لٹا کر کریں گے۔''

اس کے بعد فخری پاشا نے کہا کہ اسے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ابھی ہتھیار نہ ڈالے۔

اگست کے مہینے 1918ء میں جب اسے شریفِ مکہ کی طرف سے ٹیلی فون پر ہتھیار ڈالنے کو کہا گیا تو اس نے جو جواب دیا وہ عثمانی افواج کے کمانڈروں کی جراءتِ ایمانی اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کا آئینہ دار ہے۔ اس نے لکھا:

''فخری پاشا کی طرف سے جو عثمانی افواج کا سپہ سالار اور سب سے مقدس شہر مدینہ کا محافظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ہے۔ اس اللہ کے نام سے جو ہر جگہ موجود ہے۔ کیا میں اس کے سامنے ہتھیار ڈالوں جس نے اسلام کی طاقت کو توڑا، مسلمانوں کے درمیان خونریزی کی اور امیر المومنین کی خلافت پر خطرے کا سوالیہ نشان ڈالا اور خود کو انگریز کے ماتحت کیا۔

جمعرات کی رات 14 ذی الحجہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تھکا ہوا پیدل چل رہا تھا، اس خیال میں کہ کس طرح مدینہ کا دفاع کیا جائے؟ اچانک میں نے ایک جگہ پر اپنے آپ کو نامعلوم افراد کے درمیان پایا جو کہ کام کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے میں ایک بزرگ شخصیت کو دیکھا...... وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا اور مجھ سے تحفظ کا احساس دلانے والے انداز میں کہا: ''میرے ساتھ چلو۔'' میں

ان کے ساتھ تین چار قدموں تک چلا اور پھر بیدار ہو گیا۔ میں فوراً مسجد نبوی گیا اور (ان کے روضے کے قریب) اپنے رب کے حضور سجدے میں گر پڑا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہوں جو میرے سپہ سالارِ اعلیٰ ہیں۔ میں مدینہ کی عمارتوں، سڑکوں اور اس کی حدود کے دفاع میں دل و جان سے مصروف ہوں۔ اب مجھے ان بے کار پیش کشوں سے تنگ نہ کرو۔''

فخری پاشا نے خلافت عثمانیہ کے وزیر جنگ کے باضابطہ حکم کو جس میں ہتھیار ڈالنے کہا گیا تھا، بھی نظر انداز کر دیا۔ اس پر عثمانی حکومت بڑی پریشان ہوئی اور سلطان محمد (ششم) نے اس کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ فخری پاشا نے اس پر بھی ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور جنگ ختم ہونے کے 70 دن بعد تک بھی سلطان کا جھنڈا اٹھائے رکھا۔ اس پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا لیکن وہ اپنے عزم اور عہد پر قائم تھا۔

بالآخر عثمانی خلیفہ کی منت سماجت کے بعد اس نے 9 جنوری 1999ء کو BIR DARWISH کے مقام پر 456 آفیسروں اور 9,364 جوانوں کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے ہتھیار سپرد کر دیے۔ اس کے بعد ہی 2 فروری 1919ء کو شریف حسین کے ایمان فروش لڑکے عبداللہ اور علی شہر میں داخل ہو سکے۔

فخری پاشا کو گرفتار کر لیا گیا اور اس نے مالٹا میں 1921ء تک اسیری کے ایام گزارے۔ عثمانی خلفاء کے نزدیک اس کی صلاحیتوں پر اعتماد اور اس کے جذبۂ جہاد کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ 1921ء میں جب اسے رہائی ملی تو اس نے ترک افواج کے ساتھ مل کر یونان کے خلاف جہاد کیا اور اناطولیا میں فرانسیسی اور یونانی افواج کے خلاف دادِ شجاعت دی۔ جنگ آزادی کے بعد اس نے کابل میں بحیثیت ترک سفیر فرائض انجام دیے اور بعد میں 1936ء میں اسے اعزاز دے کر ریٹائر کر دیا گیا۔ اس مردِ مجاہد کا انتقال 1948ء میں ہوا۔

باغی سے بغاوت

باغی ہی سب سے پہلے بغاوت کا شکار ہوتا ہے۔ آیئے! اب ہم ان غداروں کا انجام دیکھتے ہیں، جنہوں نے حرمین شریفین کو خلافتِ عثمانیہ کے سائے سے الگ کرنے کی سازش کی۔ عرب

بغاوت کے بعد جو سب سے خطرناک اور توہین آمیز چیز سامنے آئی وہ تھی ''اعلان بالفور''۔ عہد شکن اور یہود نواز انگریزوں کی طرف سے 1916ء میں شریف حسین کے غدار خاندان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اسے ساری سرزمین عرب دی جائے گی، سوائے چند علاقوں کے، تو دوسری طرف یہودیوں کو فلسطین میں ''قومی گھر'' دینے کا وعدہ 2 نومبر 1917ء میں کیا گیا، حالانکہ 1916ء کے شروع میں غدار مکہ سے معاہدہ کیا جا چکا تھا۔

ستم ظریفی اور غدر در غدر ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے کچھ ہی عرصے بعد "SYKES PICOT" نامی معاہدہ منظر عام پر آیا۔ یہ معاہدہ فرانس اور برطانیہ کے درمیان پہلی جنگ عظیم مئی 1916ء کے دوران طے پایا تھا۔ اس میں روسی حکومت کا اقرار بھی شامل تھا۔ معاہدے کے تحت اگر یہ جنگ اتحادیوں نے جیتی تو شام اور لبنان فرانس جبکہ باقی عرب علاقے برطانیہ اور اناطولیہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جائیں گے۔ یہ معاہدہ انگریز نمائندے MARK SYKES اور فرانس کے درمیان کیا گیا تھا۔

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد فرانس اور برطانیہ نے روس کا حصہ ختم کر دیا اور اناطولیہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ بعد میں روسی حکومت نے اسے 26 نومبر 1917ء کو اعلان بالفور کے صرف تین ہفتے بعد منظر عام پر لایا۔ اس کی وجہ سے اتحادیوں کو بہت زیادہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1916ء مئی اور جون میں ہی شریف حسین سے وعدہ کیا گیا، جبکہ اسی مہینے فرانس سے معاہدہ ہوا اور پھر 2 نومبر 1917ء کو ارض فلسطین یہود کو بھی دینے کے وعدے کیے گئے۔ ایک معاہدے کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے اس سے متضاد دوسرا معاہدہ۔ یہ ہے انگریز کا دوغلا پن۔ اس کے نتیجے میں عرب اور صہیونیوں میں بہت زیادہ تشویش پیدا ہوئی۔ شریف حسین کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

فیصل وائزمین معاہدہ

فیصل بن حسین نے بڑھ چڑھ کر شام اور فلسطین میں یہود نواز انگریز سے وفاداری دکھائی اور ارضِ مقدس کے دشمنوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ بعد میں دمشق اور شام کی فتح کے بعد اس نے اپنے آپ کو عرب ممالک کا نمائندہ بنا لیا۔ اور 1919ء میں پیرس ا''من کانفرنس'' میں عرب وفد کی

نمائندگی کی جس میں اس نے انگریزوں کو ''آزاد عرب امارات'' کا وعدہ یاد دلایا۔ لیکن نتیجہ الٹا نکلا۔
"SYKES PICOT" کے بعد صہیونیوں کو عربوں سے یہودی نقل مکانی کا اقرار نامہ چاہیے تھا تا کہ اعلان بالفور پر عمل درآمد ہو سکے۔ اس سلسلے میں عربوں کے بارے میں صہیونی رہنما ڈاکٹر وائز مین کہتا تھا: ''عرب مکار، لالچی، بدتمیز اور جاہل ہیں۔'' اور انگریز کے سامنے اپنے خطوط میں واویلا کیا: ''انگریز نے عرب اور یہود میں بنیادی فرق کو مدنظر نہیں رکھا۔''

جبکہ انگریز نے فیصل کو یہ پٹی پڑھائی کہ یہود کو اپنا اتحادی بناؤ، بجائے اس کے کہ ''طاقتور، عالمی اور نہ دبنے والے یہودی'' کو اپنا مخالف بناؤ۔ یہود نواز انگریز کے جھانسے میں آ جانے کے بعد فیصل بن حسین نے صہیونی رہنماؤں سے معاہدہ کر لیا۔ اسے ''فیصل وائز مین معاہدہ'' کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت فیصل نے تاریخی غلطی کرتے ہوئے بڑے پیمانے پر یہودی نقل مکانی کی اجازت دے دی، جبکہ اس نے بدلے میں یہودیوں سے ''وسیع عرب قوم کی ترقی'' کے سلسلے میں یہودی معاونت مانگی۔ کیسی عجیب بات تھی؟ ایک طرف وہ سرزمین القدس میں یہودی آبادکاری کی راہ ہموار کر رہا تھا اور دوسری طرف عرب قوم کی ترقی کی خواہش رکھتا تھا۔

دانشمندانہ معاہدے کی احمقانہ شقیں

اس معاہدے کی چند شقیں یہ تھیں:

1- مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات بہتر بنائے جائیں گے اور بڑے پیمانے پر یہودی نقل مکانی میں مدد کی جائے گی، جبکہ مسلم عبادت کے علاقے مسلمانوں کے زیر نگرانی ہوں گے۔ عرب کسانوں اور دیگر باشندوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

2- صہیونی تحریک عرب ریاستوں کے معدنی وسائل اور ان کی معیشت کے قیام کے لیے مدد کرے گی۔ (سبحان اللہ! ابلیسی سیاست تو دیکھیے کہ عرب مسلمانوں کی سرزمین قبضہ کر کے الٹا احسان چڑھایا جا رہا ہے!!)

3- حجاز کا بادشاہ (KINGDOM OF HEJAZ) اعلان بالفور کی توثیق کرے گا تا کہ فلسطین میں یہودی ''قومی گھر'' بنایا جا سکے۔

4- تمام جھگڑے ثالثی کے لیے انگریز حکومت کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

فیصل نے معاہدے کے آخر میں اپنے ہاتھوں سے لکھا:

''اگر عربوں کو آزادی مل جاتی ہے، میں اوپر دی گئی تمام شرائط کو تسلیم کرتا ہوں، لیکن اگر ان میں ذرہ برابر بھی تبدیلی کی گئی تو میں ان میں سے ایک حرف کا بھی پابند نہیں ہوں گا اور میری اس سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ عربوں کے لیے کون سی آزادی چاہتا تھا؟ کس سے آزادی چاہتا تھا؟ جب یہود کو ایک مرتبہ نقل مکانی اور فلسطین میں بسنے کی اجازت دے دی گئی تو اس کے بعد عربوں کی آزادی کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟ نیز یہ کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے پاؤں جم جانے کے بعد اس کی طرف سے پابندی تسلیم نہ کرنے سے یہودیوں کا کیا بگڑ سکتا تھا؟

اب اگر غور کیا جائے تو اس معاہدے سے انگریز نے بھی اپنا مقصد پورا کیا، یہودیوں نے بھی اس کی غداری کے بل بوتے اپنا مقصد پورا کیا، لیکن اس بدنصیب نے دجال اور اس کی ریاست کے لیے سب کچھ پیش کر دیا اور اسے کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ آج انگریز بھی ہے، یہودی بھی ہیں، لیکن فیصل کا نام لینے والا کوئی نہیں۔

انگریز نے اپنا مقصد عرب ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پورا کیا، یہود نے اپنا مقصد فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کرکے حاصل کیا، جبکہ اس عقل مند کے اس معاہدے کی وجہ سے یہود کی نقل مکانی کو جواز ملا اور اعلان بالفور کی تنفیذ کا راستہ صاف ہوا۔ بدلے میں اسے دنیا و آخرت کی رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

غداروں کا انجام

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں سے اتنی بڑی غداری کرنے والے شخص اور خاندان کا انجام کیا ہوا؟

فیصل بن حسین

سب سے پہلے فیصل بن حسین کا حشر دیکھتے ہیں۔ فیصل نے مدینہ کے محاصرے میں اہم

کردار ادا کیا تھا جبکہ لارنس آف عربیہ (T.F LAWRENCE) کے ساتھ مل کر سقوط شام اور سقوط دمشق میں بھی اس نے کلیدی کردار ادا کیا۔ جب شام کو عرب حکومت کا حصہ بنایا گیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی اور یہ خوش و خرم ہو کر مملکت حجاز کا نمائندہ بن کر پیرس کی امن کانفرنس میں شرکت کے لیے گیا۔ وہاں اس نے بڑے فخر و اطمینان کے ساتھ صہیونی رہنماؤں کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اب دیکھتے ہیں اس کے ساتھ تماشا کیا ہوا؟

7 مارچ 1920ء کو شام کی قومی کانگریس نے اسے اپنا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا، جبکہ اگلے ہی مہینے "SAN ROMEO" کی کانفرنس میں "SYKES PICOT" معاہدے کے تحت عرب سرزمین کا بٹوارہ کر دیا گیا۔ شام اور لبنان فرانس کے پاس چلے گئے جبکہ عراق، اردن، کویت اور فلسطین برطانیہ کے حصے میں آ گئے۔

جب شام فرانس کے پاس گیا تو وہ فیصل کو کیوں تاج پہناتا؟ وہی فرانسیسی افواج جن کی سربراہی کرتے ہوئے فیصل نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی تھی، آج اس کے خلاف کھڑی تھیں اور 24 جولائی 1920ء کو میسولین کی جنگ میں فرانسیسی افواج کے خلاف اس کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مشکل کے اس وقت میں اس کے اپنے سگے بھائی عبداللہ بن حسین نے بھی اس کو چھوڑ دیا، کیونکہ اس کو بھی ونسٹن چرچل نے جتلا دیا تھا کہ فرانس کے خلاف جنگ مہنگی پڑے گی اور برطانیہ اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ چائے کی دعوت میں عبداللہ کو ایسی پٹی پڑھائی گئی کہ وہ اپنے بھائی کو بھی چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو گیا۔ مایوسی کے اس دور میں فیصل کو فرانسیسی حکومت نے شام سے ملک بدر کر دیا اور اگست 1920ء میں وہ برطانیہ چلا گیا۔ افسوس ناک یہ ہے کہ اس وقت بھی اسے نہ غیرت آئی اور نہ دشمن کو پہچاننے کی توفیق نصیب ہو سکی۔ اتنا زبردست دھوکہ کھانے کے بعد بھی وہ دغاباز دوست کے در پہ جا بیٹھا۔ انگریز کو بھی اپنے وفادار احمق کو دیکھ کر ترس آ گیا اور 1921ء کے اواخر میں اسے ایک رائے شماری کے ذریعے عراق کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ ادھر فلسطین کو اردن سے الگ کر دیا گیا اور یہاں عبداللہ بن حسین کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اس طرح انگریز کی طرف سے عرب سرزمین کے بٹوارے کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔ مسلم

طاقت تقسیم ہوگئی اور دجال کی نمائندہ یہودی ریاست مستحکم ہوتی چلی گئی۔

یہ تو چھوٹے میاں کا انجام تھا، اب ذرا بڑے میاں شریف حسین کا معاملہ دیکھتے ہیں۔ 1917ء ہی میں اس نے اپنے آپ کو ''شاہِ حجاز'' کہلانا شروع کر دیا تھا۔ بعد میں اپنے آپ کو ''ملکُ بلادِ العرب'' (سرزمین عرب کا بادشاہ) کا خطاب بھی دیا جس کی وجہ سے آل سعود کے ساتھ اس کے اختلافات بڑھنا شروع ہو گئے۔

اس کا سب سے پہلا خواب اس وقت پاش پاش ہو گیا جب ''عظیم عرب امارت'' کے تصور کو SAN ROMEO کانفرنس میں ملیا میٹ کر دیا گیا۔ عرب مسلمان جو پہلے خلافت کے سائے تلے معزز اور منظم تھے، اب انگریز کی بندوق کی نال پر مینڈیٹ (MANDATE) کے سسٹم کے تحت فرانس اور برطانیہ کے نیچے دب کر رہ گئے۔

اس کے باوجود بھی اس کی ہوس و لالچ میں کمی نہیں آئی اور خلافت عثمانیہ اور خلافت کے ادارے (Institution) کے ختم ہونے کے صرف دو دن کے بعد (ترکی کی قومی اسمبلی نے 1 مارچ 1924ء کو اس کے خاتمے کی قرارداد کی توثیق کی تھی) 3 مارچ 1924ء کو شریفِ مکہ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، لیکن انگریزوں نے اس کی نام نہاد خلافت کو بھی برداشت نہ کیا اور اس کے مقابلے میں آل سعود کو لے آئے۔ کچھ ہی عرصے بعد یہ بیت اللہ شریف کی خدمت سے محروم کر دیا گیا اور آل سعود کے پاس بیت اللہ اور مدینہ منورہ نیز حجاز کا زیادہ تر علاقہ آ گیا۔ اگرچہ انگریز نے اس بدنصیب کو ''حسین میک موہن معاہدہ'' (HUSSEIN-MCMAHON COREES PONDENCE) میں مدد کی یقین دہانی کروائی تھی لیکن مطلب نکلنے کے بعد اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ اس نے جس طرح خلافت عثمانیہ کو دھوکا دیا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انگریز نے اس سے فریب کیا۔ بالآخر اس ''شاہ حجاز'' و ''ملک بلاد العرب'' نے خلیفہ کے علاوہ تمام خطابات اپنے بیٹے علی بن حسین کو دے دیے اور خود قبرص کے راستے فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ اس نے زندگی کے آخری ایام کسمپرسی کے عالم میں اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس اس کے ٹکڑوں پر گزارے جسے اسرائیل کا پڑوس محفوظ کرنے کے لیے اردن کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ اس کا دماغی فتور

دیکھیے کہ اس نے خلیفہ کا خطاب اپنے پاس اپنی موت 4 جون 1931ء تک رکھا جبکہ یہ خود بیٹے کے پاس پناہ گزین ہو چکا تھا۔

حجاز پر آل سعود کے تسلط کے بعد علی بن حسین نے دوبارہ حجاز مقدس کو لینے کی کوشش کی، لیکن اس کو بھی نامراد ہو کر بھاگنا پڑا۔ بالآخر خلافت عثمانیہ سے حجاز چھنوانے والے اس خاندان کو حجاز کی زمین نصیب نہ ہوئی۔ انہیں اردن بھاگنا پڑا اور حجاز میں آل سعود کو لا بٹھایا گیا۔

عبداللہ بن حسین

عبداللہ بن حسین 1882ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کو عرب بغاوت اور انگریز سرکار کی تابعداری پر اردن کی مملکت سے نوازا گیا اور 25 مئی 1923ء کو اس نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ کس سے آزادی؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ کیا اس خلافت عثمانیہ سے جو پورے عالم عرب، پورے عالم اسلام کی محافظ و سرپرست تھی۔

عبداللہ بن حسین وہ بدنام حکمران تھا جس کا مغرب کے ساتھ رویہ شروع سے دوستانہ تھا اور وہ ایک ماڈرن شخص سمجھا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خود عبداللہ کا وژن بھی ایک عظیم مملکت کا تھا جس کی حدود اردن، شام، لبنان اور فلسطین ہو۔ یہ سارا علاقہ مملکت ہاشمیہ کا حصہ ہو اور اس کا دارالخلافہ دمشق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے عرب رہنما بھی اس پر اعتبار نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ دشمن کے نرغے میں رہتے ہوئے بھی اس سے دوستی رکھے ہوئے تھا۔ اس کے بدلے میں یہ بھی دیگر عربوں پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔

1946-1947ء کے دوران جب فلسطین یہودیوں کو دیا جا رہا تھا، عبداللہ کی کوئی نیت نہیں تھی کہ فلسطین کی تقسیم کو روکا جائے یا اس کے خلاف رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔ ایک مؤرخ EUGENE L ROGAN نے لکھا ہے کہ عبداللہ دراصل تقسیم فلسطین کی حمایت کرتا تھا تاکہ انگریز کے زیر نگرانی بچا کھچا حصہ اردن کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ اس کے مطابق عبداللہ اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ اس نے یہودی وفود سے بھی ملاقاتیں کیں (اسرائیل کی مستقبل کی وزیر اعظم گولڈا میئر ان وفود میں شامل تھی) تاکہ الگ سے ایک سمجھوتہ طے کیا جا سکے۔

کچھ مؤرخ یہ کہتے ہیں کہ ملاقاتیں اس وقت تک کے لیے امن وامان کے قیام کو ممکن بنانے کے لیے کی گئی تھیں جب تک اقوام متحدہ خود اس علاقے کے سیکورٹی کے فرائض نہ سنبھال لے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس شخص نے فلسطینی مسلمانوں سے غداری اور یہود کی چاپلوسی میں کس حد تک گرنا پسند کرلیا تھا۔

عبداللہ کے کرتوت دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ اگر ''عرب لیگ'' رکاوٹ بن کر اسے پریشان نہ کرتی تو وہ اسرائیل کے ساتھ واقعی سمجھوتہ کرلیتا۔ 1948ء کے اوائل تک عرب ممالک نے اس پر زور ڈالا کہ وہ ان کے ساتھ ''کل عرب عسکری مدافعت فلسطین'' میں حصہ لے اور اسرائیل کے خلاف جنگ لڑے۔ اس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی گرتی ہوئی ساکھ (جو مغربی اور یہودی سربراہوں سے بے پناہ دوستی کی وجہ سے عربوں میں خراب ہوتی چلی جارہی تھی) بچانے کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

اس نے سوچا کہ اس جنگ میں اگر وہ اپنے آپ کو عرب افواج کا سپہ سالار کہلوانے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اس کا وقار بحال ہوسکتا ہے، لیکن اس نے اس چکر میں سب سے خطرناک چال چلی۔ ایک اچھی بھلی ''مسلم یہودی جنگ'' کو اس نے عرب قومیت کی تحریک کی شکل میں پیش کرکے اسے ''عرب اسرائیل جنگ'' میں تبدیل کردیا۔ بعد میں اس کی سپہ سالاری کی خواہش عرب لیگ نے مسترد کردی۔

لیکن یہاں بھی اس نے ''وفادار ایجنٹ'' ہونے کا ثبوت دیا۔ دوران جنگ اس کی افواج نے صرف ان علاقوں تک پیش قدمی کی جو فلسطینی مسلمانوں کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا اور جو علاقہ یہودیوں کو دیا گیا تھا، اس پر اس نے ایک گولی بھی نہ چلائی۔ اس جنگ کے آخر میں صرف مصر کی فوجیں آگے بڑھتی جارہی تھیں جبکہ باقی تمام عرب افواج بشمول اردنی افواج کے پیچھے ہٹتی چلی گئیں۔ خاص طور سے اردن نے آگے بڑھنے کی کوئی خاص کوشش کی ہی نہیں، جبکہ مصری افواج بھی بھاری جانی نقصان کی قیمت پر آگے بڑھ رہی تھیں۔

اس سب کچھ کے باوجود عبداللہ کا انجام بھی کسی غدار کے عبرت ناک انجام سے کم نہ تھا۔

اس سب کچھ کے باوجود عبداللہ کا انجام بھی کسی غدار کے عبرت ناک انجام سے کم نہ تھا۔ جب لبنان کے وزیراعظم RIAD BEH AL-SOLH کو 16 جولائی 1951ء کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا تو عمان میں یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ لبنان اور اردن اسرائیل سے معاہدہ کررہے ہیں۔ اس پر جب عبداللہ 20 جولائی 1951ء کو مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز کے لیے پہنچا تو ایک فلسطینی مسلمان مصطفیٰ شوقی جس کا تعلق حسینی قبیلے سے تھا، نے اسے گولیوں سے بھون ڈالا۔

عبداللہ اس وقت چٹان والے گنبد (قبة الصخرة) میں نماز جمعہ پڑھ رہا تھا کہ اس کے سینے اور کھوپڑی میں تین گولیاں داغی گئیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس کا پوتا حسین بن طلال بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے قاتل کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو اس کے سینے پر بھی گولی داغی گئی۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے ایک تمغہ (MEDAL) پہنا تھا جس کی وجہ سے گولی اس تمغے سے لگ کر نیچے گر گئی اور یہ بال بال بچ گیا۔

مصطفیٰ شوقی اور اس کے ساتھی موسیٰ عبداللہ نے اسے قتل کرنے کے بعد مصر میں جا کر پناہ لے لی جبکہ کل دس افراد پر یہ مقدمہ چلایا گیا، القدس کے گورنر نے اس مقدمے کی سماعت کی۔ ان دس میں سے دو تو فرار ہو گئے جبکہ چار کو سزا ہوئی اور انہیں شہید کردیا گیا۔

حسین بن طلال

حسین بن طلال، عبداللہ بن حسین کا پوتا تھا۔ اگرچہ عبداللہ بن حسین پر قاتلانہ حملے میں زخمی ہونے کے بعد طلال بن عبداللہ تندرست ہو گیا تھا، لیکن یہ بادشاہ اس لیے نہیں بن سکتا تھا کہ اس کی دماغی حالت اور توازن درست نہیں تھا، لہٰذا 1952ء ہی میں اسے معزول کردیا گیا تاکہ اس کا بیٹا حسین بن طلال اگلا بادشاہ بن سکے۔ بعد میں یہ ''شاہ حسین'' کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ 14 نومبر 1935ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم اسکندریہ کے ''وکٹوریہ کالج'' سے حاصل کی۔ بعد میں یہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پہلے ہاورڈ اور بعد میں ''رائل ملٹری اکیڈمی سینڈہرسٹ'' (ROYAL MILITARY ACADMEY, SANDHURST) چلا گیا جہاں تیسری دنیا کے حکمرانوں کو عالمی طاقتوں کا وفادار رہتے ہوئے اپنی عوام پر حکومت

کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ 16 سال کی عمر میں بادشاہ بن گیا تھا، لیکن اس کی تاج پوشی ایک سال بعد 2 مئی 1953ء میں کی گئی۔ یہ 2 مئی 1953ء سے لے کر 7 فروری 1999ء تک (تقریباً 46 سال) اردن کا حکمران رہا تھا۔ اس نصف صدی کے دوران اس نے اردن سے ملنے والی اسرائیلی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ پوری دلجمعی سے انجام دیا۔ 1967ء کی جنگ میں اس نے صرف ایک وجہ سے حصہ لیا تھا، وہ "اعلیٰ مقصد" یہ تھا کہ مقامی فلسطینی آبادی کی مدد حاصل کی جائے اور اس کے ذریعے اپنی بادشاہت کو استحکام بخشا جائے۔ اس جنگ میں عرب حکمرانوں نے اس کو پیش قدمی پر خاصا مجبور کیا، لیکن اس کی فوج کسی صورت بھی آگے بڑھنے پر تیار نہیں تھی اور بڑی آسانی اور شرمناک طریقے سے پیچھے ہٹتی رہی، یہاں تک کہ دریائے اردن کا پورا مغربی کنارہ اسرائیل نے ہڑپ کرلیا اور اردن کی آبادی آدھی ہوگئی۔

سیاہ ستمبر 1970ء (Black September):

یہ وہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے اس کا کردار کھل کر سامنے آگیا۔ اس واقعے نے نہ صرف عرب مسلمانوں کے ہدف و مقصد کو ملیامیٹ کر دیا، بلکہ خود اسلامی ممالک و افواج میں پھوٹ ڈال دی۔ 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے جب عرب قومیت کے علمبرداروں کو شرمناک شکست دی تو شاہ حسین نے بھرپور موقع پرستی اور ابن الوقتی دکھائی۔ کل تک جب یہ فلسطینیوں کا تعاون حاصل کرنا چاہتا تھا تو ان کا بھرپور ساتھ دیتا تھا، جبکہ اس جنگ کے بعد اسرائیل کے سامنے جی حضوری شروع کردی۔

اس وقت مصر اور شام کے حکمران ایک حد تک فلسطینیوں کی مدد کرتے رہتے تھے اور فلسطینی فدائین اسرائیل پر اردن کی سرحد سے حملے کرتے رہتے تھے، لیکن شاہ حسین نے اپنے آقا اور آقا زادامریکا اور اسرائیل کو خوش کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ فلسطینی مجاہدین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں بلکہ اردن کی افواج کو حکم دیا کہ اسرائیلی افواج پر کوئی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ خاص طور سے اس علاقے کے کمانڈر جنرل مشہود حدیثہ کو یہ حکم دیا گیا تھا، لیکن پھر بھی بعض فوجیوں نے اس

حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اسرائیلی فوجیوں پر گولے برسا دیے، جس کی وجہ سے 28 یہودی فوجی موقع پر ہی ہلاک جبکہ 80 شدید زخمی ہو گئے، جبکہ 4 ٹینک بھی تباہ کر دیے گئے۔ اگرچہ اصل لڑائی اردن کے ان کچھ فوجیوں نے لڑی تھی لیکن اس واقعے سے پی ایل او کے مورال میں بہت اضافہ ہوا۔ یاسر عرفات نے فتح کا اعلان کیا اور سارا کریڈٹ لے لیا۔ آخر کار شاہ حسین نے پی ایل او کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے ایک 7 نکاتی معاہدہ کیا جس کے تحت اس تنظیم کی سرگرمیاں محدود کر دی گئیں۔

ستمبر 1970ء کے آغاز میں پی ایل او نے تنگ آ کر ہوائی جہاز اغوا کیا پھر بعض فلسطینی کیمپوں آزاد علاقہ قرار دے، دیا جبکہ شاہ حسین پر کئی قاتلانہ حملے کیے گئے لیکن وہ سب کے سب ناکام ہو گئے۔ اس پر شاہ حسین نے 16 ستمبر 1970ء کو مارشل لا کا اعلان کر دیا۔ اردن کی افواج نے عمان میں پی ایل او کے دفاتر پر حملے شروع کر دیے نیز اربد، سویلح اور زرقا نامی فلسطینی کیمپوں پر حملہ کر دیا گیا۔ اس جنگ میں اردن کی مدد کے لیے برطانیہ نے بڑی مقدار میں اسلحہ روانہ کیا، جبکہ شام نے پی ایل او کی مدد کرنے کے لیے 250 ٹینک اردن بھیج دیے۔

اس جنگ میں سخت تباہی ہوئی اور دونوں طرف سے بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئیں۔ پی ایل او کی شامی شاخ کو سرحد پر موجود اردن کے 40ویں بریگیڈ نے تباہ کر دیا، جبکہ پی ایل او اور اس کے حامی شامی ٹینکوں کی طرف سے اردن کے 60 سے زائد ٹینک تباہ کر دیے گئے۔ ہلاکتوں کی تعداد دونوں طرف سے 7000 سے 8000 کے درمیان تھی۔ آخر کار جب قیام امن ہوا تو اس شرط پر کہ پی ایل او کو نکال کر لبنان بھیجا جائے گا، جبکہ عرب ممالک اردن میں مداخلت بند کر دیں گے۔ اگرچہ اسرائیل کو 21 مارچ 1968ء کو ناکامی ہوئی تھی لیکن اس جنگ کے بعد اس نے ایک گولی استعمال کیے بغیر اپنے سارے مقاصد حاصل کر لیے، کیونکہ عربوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی گئی تھی۔

1973ء کی عظیم ترین غداری:

1973ء کی رمضان جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی ملی تھی، لیکن ایک تو شاہ حسین کی یہود نوازی اور غداری کی وجہ سے جنگ کی کایا ہی پلٹ گئی، دوسرے خود لڑنے والے عرب

ممالک کے سربراہوں کا اپنا اپنا ایجنڈا تھا جو بعد میں سب کی ناکامی کا سبب بنا۔

جنگ کی تیاری انتہائی پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ سربراہوں نے یہ فیصلہ جنگ سے محض دو ہفتے قبل کیا تھا، جبکہ جرنیلوں کو ایک دن پہلے اور فوجیوں کو محض چار گھنٹے پہلے حملے کی اطلاع دی گئی تھی۔ جنگ سے دو ہفتے قبل شاہ حسین کی ملاقات اسکندریہ میں حافظ الاسد اور انور سادات سے ہوئی۔ اس میں اس کے سامنے جنگ کے لیے کی گئی تیاریاں بیان کی گئیں تھیں اور خود اسے بھی چوکس رہنے کو کہا گیا تھا۔

25 ستمبر کو یہ غدار خفیہ طریقے سے اسرائیل روانہ ہوا اور تل ابیب جا کر اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر کو آنے والی جنگ کے بارے میں خبردار کر دیا۔ خاص طور سے شام کی طرف سے جس پر خود گولڈا میئر نے بھی یقین نہیں کیا اور اس سے یہ پوچھا: ''کیا شامی مصریوں کے بغیر ہی جنگ میں جارہے ہیں؟'' حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ وارننگ اسرائیل کے کانوں میں پڑی لیکن اس کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا گیا۔ موساد نے یہ سمجھا کہ اس مخبر بادشاہ نے وہی کچھ بتایا ہے جو ہمیں پہلے سے معلوم تھا۔

اس جنگ کی موساد کو گیارہ مرتبہ وارننگ ملی لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہماری اطلاع کے مطابق عربوں کے پاس جنگ کا کوئی منصوبہ نہیں، حتیٰ کہ شاہ حسین کی وارننگ بھی بے اثر ثابت ہوئی۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس قدر مطمئن اور بے فکر اسرائیل پر اگر بے خبری میں حملہ ہو جاتا اور یہ غدار اسے اطلاع نہ دیتا تو اسرائیل کا کیا حشر ہوتا؟ لیکن بالآخر اسرائیل نے جنگ سے ٹھیک 2 گھنٹے قبل اپنی ریزرو آرمی کو چوکس کر دیا جبکہ اس کے صرف دو گھنٹے بعد حملہ شروع ہو گیا۔

شروع میں تو جنگ مسلمانوں کے حق میں رہی اور انہوں نے کافی بڑا حصہ واپس لے لیا، لیکن بعد میں جب امریکی امداد کی بھرمار ہوئی تو شاہ حسین پر زور دیا گیا کہ طے شدہ منصوبے کے مطابق اردن کی طرف سے حملے کا آغاز کیا جائے۔

اس نے براہِ راست حملہ کرنے کی بجائے اپنی فوج شام کی سرحد پر بھیج دی جس نے بڑھتی ہوئی اسرائیلی فوج کو روک دیا، لیکن اس کی خبر بھی اپنے آقا کو امریکا کے ذریعے دے دی اور اسرائیل سے درخواست کی کہ اسرائیل اس کی فوجوں پر حملہ نہ کرے۔ اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان نے ایسی کوئی درخواست ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اردن کو کوئی ضمانت دی جائے۔ بس اتنا

کہہ دیا کہ اسرائیل ایک اور محاذ جنگ نہیں کھولنا چاہتا۔

اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ:

یاسر عرفات کی غداری اور معاہدۂ اوسلو کے بعد سے شاہ حسین نے اسرائیل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور امن مذاکرات شروع کیے۔ اس وقت کے امریکی صدر کلنٹن نے یہ وعدہ کیا کہ اگر اسرائیل سے معاہدہ ہو جاتا ہے تو اردن کے تمام قرضے معاف کر دیے جائیں گے۔ مصری صدر حسنی مبارک کے اشارے پر اس غدار نے اسرائیل سے باقاعدہ مذاکرات کیے اور امن معاہدہ کیا۔ اس کے بدلے اسے ARANA کا علاقہ اور دریائے اردن کے پانی کے حصے کی منصفانہ تقسیم کا جھانسہ دیا گیا۔ بعد میں اسرائیل کے ساتھ تجارتی معاہدہ بھی کر لیا گیا اور یوں اردن کی طرف سے اسرائیل کی سرحد مکمل طور پر محفوظ ہو گئی اور اسرائیلی افواج فلسطینی مسلمانوں کو کچلنے کے لیے آزاد ہو گئیں۔

اسحٰق رابن کے ساتھ بھائی چارہ:

اس کم نصیب کے بدنام زمانہ اسرائیلی رہنما اسحٰق رابن کے ساتھ انتہائی قریبی اور ذاتی تعلقات تھے۔ اسحٰق رابن کو دفنانے پر اس نے یہ تقریر کی:

''میری بہن لیہہ رابن! میرے دوستو! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا لمحہ بھی میری زندگی میں آئے گا کہ میں اپنے ایک بھائی، ایک ساتھی، ایک دوست، ایک فوجی جس سے میں اپنے خلاف دوبار ملا، جس کی میں عزت کرتا تھا اور وہ میری عزت کرتا تھا، کے نقصان پر روؤں گا۔ ایک ایسا آدمی جو جانتا تھا کہ ہمیں فاصلوں اور رکاوٹوں کو عبور کرنا ہوگا اور بات چیت کرنی ہوگی تاکہ ہم ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور اس بات کی کوشش کر سکیں کہ آنے والے کل میں ہماری پالیسی جاری رکھی جا سکے۔ ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بھائی اور دوست بن گئے۔''

اسحٰق رابن جیسے سفاک قاتل اور مسلم کش صہیونی لیڈر کو بھائی کہنے والا یہ شخص اپنی ساکھ بحال کرنے کے لیے یہ بھی کہتا پھرتا تھا: ''ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہیں اور ہمارا قبیلہ عرب میں سب سے قدیم ہے۔'' جبکہ اسلام میں طے شدہ قانون ہے کہ سیاہ اعمال والوں کو اعلیٰ نسب کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اب اس کے انجام کی طرف آیئے! اس کی موت 7 فروری 1999ء کو جگر کے سرطان کی وجہ سے ہوئی۔ موت سے قبل دنیا سے جاتے جاتے بھی اس نے ایک اور یہودنواز حرکت کی۔ اس نے اپنی موت سے قبل ہی امریکا میں دوران علاج اپنے بھائی کو ولی عہد کے منصب سے معزول کر کے اپنی انگریز بیوی (جو اس پر مسلط رہنے کے لیے منصوبے کے تحت اس کے پاس بھیجی گئی تھی) کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے عبداللہ کو ولی عہد بنالیا۔ واضح رہے کہ اس کا بھائی شہزادہ حمزہ پاکستانی خاتون شائستہ اکرام اللہ کا داماد ہے۔ لیکن اس کے خیالات بھی بہت زیادہ لبرل ہیں۔

یہ تھی نسل در نسل غداروں کی روائیداد...... القدس سے غداری کرنے والے دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے ہی، آخرت میں بھی عبرتناک انجام ان کا منتظر ہے۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط، سرزمین عرب کی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم، بے گناہ فلسطینی مسلمانوں کا خون اور ارض مقدس پر یہودی تسلط کے استحکام میں حصہ لینے کی نحوست ان سے زائل نہ ہوگی اور دجالی قوتوں کے یہ ہمنوا اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔

(2) یاسر عرفات

یادش بخیر، مجاہدِ اعظم جناب یاسر عرفات صاحب کو بھی ان مہربانوں کی ان فہرست میں ممتاز جگہ دی جاسکتی ہے، جنہوں نے القدس کے محافظ کا اعزاز سینہ پر سجانے کے باوجود بالواسطہ طور پر دجالی ریاست کے استحکام میں کردار ادا کیا۔ موصوف کے گھر میں بھی چونکہ خاتونِ اول یہودی النسل تھیں لہٰذا سمجھا جاسکتا ہے کہ یہود سے ان کی دشمنی اور القدس کے غاصبوں کے خلاف ان کا جہاد کس قدر ''حقیقی'' ہوگا؟ موصوف نہ صرف امریکی حکمرانوں کی سرپرستی میں دجالی ریاست کے سربراہوں کے ساتھ خیرسگالی کے معاہدے، مذاکرات اور مصافحے و معانقے کرتے رہے بلکہ شریعت پر استقامت کو چھوڑ کر لبرل ازم اور جہاد فی سبیل اللہ کے بجائے انتخابی ڈھکوسلہ بازیوں پر یقین رکھتے تھے۔ دریائے اردن کے مغربی کنارے میں ان کی تنظیم، حماس کے مجاہدین اور اردن کے فلسطینی مہاجرین کے لیے مستقل

مسائل پیدا کرتی رہی۔ اگرچہ عالمی میڈیا پر اثر انداز قوتوں نے ان کا امیج ''مردِ مجاہد'' کا بنا رکھا تھا، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ فلسطینی جہاد کو ان کی مفاد پرست سیاست نے انتہائی نقصان پہنچایا اور یہ نہ صرف اپنی تنظیم میں شرعی اصولوں کو رواج دینے کے بجائے غیر ضروری حد تک آزاد خیالی کو ترویج دیتے تھے، بلکہ عالمی سطح پر بھی حماس کے امیج کو داغدار کرنے، فلسطینی مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور اسرائیل کے لیے نرم گوشہ رکھنے کے حوالے سے بدنامی کی حد تک مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ القدس کو ایسے مہربان ہمنواؤں کی مہربانیوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں ارضِ مقدس کے تحفظ اور حقیقی محافظین کی پہچان اور ان کی حمایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(3) انور سادات

انور سادات کا شمار بھی القدس کے نادان دوستوں اور دجالی ریاست کے نامہربان ہمنواؤں میں ہوتا ہے۔ دنیا کے اور بہت سے یہودنوازوں کی طرح ان کے گھر میں بھی ''خاتونِ اول'' قدامت پرست یہودی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ''جہاں سادات'' نامی یہ خاتون باقاعدہ منصوبے کے تحت ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھیں اور آخر تک ان سے وہ اقدامات کرواتی رہیں جس سے القدس کے فداکاروں کے دل زخمی اور دجالی ریاست کے سرپرستوں کے مقاصد کی تکمیل ہوتی تھی۔ القدس کے دو طرف اردن اور مصر دو اہم اسلامی ملک ہیں۔ ان میں مظلوم فلسطینی مہاجرین بھی پناہ لیتے ہیں اور ان کی سرحدوں سے اسرائیلی قبضہ گیری کی حدود میں آنے والے علاقوں میں داخل ہو کر اسرائیلی فوجیوں کا ناک میں دم کیا جاسکتا ہے، اس لیے دجالی نظام کی ہمنوا عالمی طاغوتی طاقتوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان دونوں ممالک کے حکمران ان کے زیرِ دست اور تابع فرمان رہیں۔ نہ وہ اپنے ملکوں میں شریعت کا نفاذ ہونے دیں اور نہ اپنے عوام کے جذبات کا رخ القدس کے مظلوموں کی مدد کی طرف پھرنے دیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں جو بھی حکمران آتا ہے اس کے گھر میں عموماً یہودی خاتون ملکہ محترمہ کی شکل میں براجمان ہوتی ہے اور اس کے اقتدار کو مستحکم اور طویل تر بنانے

کے لیے بدی کی عالمی قوتیں ہر قسم کا تعاون اور حمایت کرتی ہیں۔ انور سادات کی زندگی کا سب سے خطرناک فیصلہ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ تھا جس میں وہ چائے کی میز پر القدس کا مبارک ترین خطہ اسرائیل کی گود میں ڈال کر خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ اس کے عوض انہیں طاغوتی طاقتوں کی طرف سے اعزاز وانعام سے نوازا گیا، لیکن خود مصر کے محبّ دین و وطن عوام ان کے اقدامات کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اس کا اندازہ ان کے قتل کے واقعے سے ہوسکتا ہے، جب انہیں ایک پریڈ کے دوران گولیوں سے چھلنی کر کے القدس سے خیانت کا انتقام لیا گیا۔ فلسطین کو قرآن کریم میں ''ارضِ مبارک'' کہا گیا ہے، اس سے جو وفا کرتا ہے وہ اللہ، رسول، ملائکہ اور مخلص مسلمانوں کے نزدیک سعادت مند ٹھہرتا ہے اور جو اس سے جفا کرے وہ دنیا میں بھی تکوینی طور پر دھتکار دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی برا انجام اس کا منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمانی ریاست کے استحکام اور دجالی ریاست کے خلاف جہاد کی توفیق نصیب فرمائے اور دنیا و آخرت میں برے انجام سے بچائے۔ آمین

مراجع وماآخذ

اس مضمون کی تیاری کے لیے ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

1. SELA AVRAHAM: "ABDULLAH BIN HUSSEIN", THE CONTINUM POLITICAL ENCYCLOPEDIA OF THE MIDDLE EAST, NEW YEAR CONTINUM.

2. "JORDEN AND 1948: THE PERSISTENCE OF OFFICIAL HISTORY.

3. AVE SHLAIM: "THE WAR OF PALESTINE: REWRITNG THE HISTORY OF PALESTINE", CAMBRIDGE UNIVERSITY RESS (2001).

4. LANDES JOUSHA: "SYRIA AND PALESTINE WAR: FIGHTHING KING ABDULLAH"S GREATER SYRIA PLAN".

5. ROGAN AND SHLAIM: "THE WAR OF PALESTINE".

6. TRIPP CHHRLES: "IRAQ AND 1948 WAR: MIRROR OF IRAQ'S DISORDER".

دجالی ریاست کے مہربان ہمنوا

اردن ومصر کے حکمران اور القدس کے نادان راہنما:

جو شخص بھی مادیت پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے غیبی وعدوں پر اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے......اور جس شخص کا ایمان اللہ اور اس کے وعدوں پر یعنی آخرت کے حساب وکتاب اور جزاوسزا پر کمزور ہو جاتا ہے وہ فتنۂ دجال کا شکار ہو جاتا ہے......اور جو شخص فتنۂ دجال کا شکار ہونے کے بعد ان تدابیر پر عمل نہ کرے جو حدیث شریف میں بتائی گئی ہیں (ان کا خلاصہ دجال I اور II کے آخر میں دیا گیا ہے) تو ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ دجالی قوتوں کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس عارضی اور فانی دنیا کی ادھوری اور کبھی نہ پوری ہونے والی لذتوں میں اتنا گم ہو جاتا ہے کہ اسے حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے نزدیک یہ دنیا ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ ایمان، عقیدہ اور نظریہ، دنیا پر دین غالب کرنے کا شوق، انسانیت کو نفس اور شیطان کی غلامی سے چھڑانے کے لیے قربانی دینے کا بے لوث جذبہ..... یہ سب چیزیں اس کے نزدیک بے معنی ہو جاتی ہیں۔ وہ منہ اور شرم گاہ کی لذتیں پوری کرنے میں اتنا مگن ہو جاتا ہے کہ اس دنیا سے اسے شدید محبت ہو جاتی ہے۔ دنیا کی فانی لذتوں کو چھوڑنا اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے لیے جان اور مال لٹانا اس کے لیے مشکل ہوتا جاتا ہے۔ وہ موت کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی تیار کی ہوئی نعمتوں کو پانے کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے دنیا ہاتھ سے جاتے رہنے کا سبب سمجھتا ہے۔ یہ وہ خطرناک بیماری ہے جسے حدیث شریف میں "وَھَن" کا نام دیا گیا ہے۔ اس مرض میں گرفتار شخص دنیا کی محبت اور موت سے ڈر کی وجہ سے نہ اس دنیا میں معزز مسلمان بن کر رہ سکتا ہے اور آخرت میں تو اس کا کچھ حصہ ویسے ہی باقی نہیں رہتا۔ اس مرض کی بیان کی گئی علامات درحقیقت "دجالی ریاست" کے باشندوں کی صفات ہیں۔ فتنۂ دجال درحقیقت "مادیت پرستی" کا فتنہ ہے یعنی خدا

پرستی اور انسانیت کے لیے خلوص و ایثار کے بجائے مفاد پرستی، لذت پرستی، عیش پرستی اور آرام پسندی۔ جفاکشی کی سادہ زندگی چھوڑ کر جو لوگ آرام طلبی کی مصنوعی زندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ ''دجالی ریاست'' کے استحکام کے لیے اس کے ہمنواؤں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک کے بیچوں بیچ ''دجالی ریاست'' اپنی ابتدائی شکل میں قائم ہوگئی ہے اور اسے گردوپیش سے کوئی خطرہ ہی نہیں ہے۔ آیئے! اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے عرب بھائی القدس سے اور اس کے نگہبان فلسطینی مسلمانوں سے اتنے بے پروا اور فتنۂ دجال کے اتنی بُری طرح شکار کیسے ہو گئے؟

عیش و عشرت کا فتنہ:

آج سے کم وبیش چالیس سال پرانی بات ہے کہ ''عرب اسرائیل جنگ'' ہوئی جو ابتدا میں (کسی حد تک) اسلام کے نام پر لڑی گئی تھی۔ اس کے آغاز میں تو مسلمانوں نے بڑی پیش قدمی کی لیکن بعد میں اپنوں کی غداری نے جنگ کا نتیجہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ غداری اور مخبری اگرچہ جنگ سے پہلے ہی ہو چکی تھی لیکن اسرائیل بدمست ہو کر سمجھ بیٹھا تھا کہ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ خیر! بعد میں بہت حد تک غداری اور بڑی تعداد میں امریکی مدد نے یہودیت کے غبارے میں اتنی ہوا بھر دی کہ وہ بدترین شکست سے بچ گیا۔ امریکا کی طرف سے اتنے بڑے پیمانے پر اسرائیل کو اسلحہ بھیجا گیا کہ عرب مسلمانوں کو سمجھ نہ آتا تھا کہ وہ امریکا کی جفا پر حیرت کریں یا اس وقت کو روئیں جب انہوں نے اس پر اعتبار کیا تھا۔

جنگ رکنے کے بعد عرب مسلمانوں نے امریکا کی اس بے رخی پر امریکا کو تیل سپلائی کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس وقت آل سعود کے واحد غیور حکمران شاہ فیصل نے ایک مشہور تقریر کی تھی:

''ہم تیل کے کنوؤں کو آگ لگا دیں گے اور اونٹنی کے دودھ اور کھجور والی روایتی زندگی کی طرف واپس لوٹ جائیں گے۔''

اس سے آگے بڑھ کر عراق کے غیور حکمرانوں نے اس سے بھی اہم کام کیا۔ وہ یہ تھا کہ شمال میں برٹش پٹرولیم اور جنوب میں امریکن آئل کمپنی کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور اس طرح یہود و نصاریٰ کو اس خطیر آمدنی سے محروم کر دیا جو ان کو مسلمانوں کی دولت سے ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ

اس وقت کے عراقی حکمران کی تقریر جو کہ کافی حدتک اسلام اور عرب غیرت (نہ کہ قومیت) پرمبنی تھی، اس قدر پُر اثر تھی کہ صدام حسین نے ان حکمرانوں کا تختہ الٹنے کے باوجود بھی اس تقریر کو تمام اہم چوراہوں اور اسلامی ثقافت کے کچھ مراکز پر سنگ مرمر میں تراش کر نصب کروایا۔ عرب بھائی اس وقت جفاکش بھی تھے، غیرتمند بھی اور کافی حدتک اسلامی جذبے سے مالا مال بھی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب اس قوم میں غیرت تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں فکر رکھتی تھی۔ یہ بات امریکا اور اس کے ناجائز بیٹے کو بہت بری لگی اور اس نے اس کا توڑ کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عربوں میں قوم پرستی اور عیش پرستی کو فروغ دیا۔ انہوں نے عرب بھائیوں میں اسلامی اخوت کے بجائے عرب قومیت کا تصور پیدا کیا اور ان کی جفاکشی والی زندگی چھڑوا کر ان کا معیارِ زندگی اتنا بڑھا دیا کہ آئندہ وہ ایسے بیانات سے باز رہ سکیں اور اس طرح کی ہمت دوبارہ نہ کرسکیں کہ اپنے ہی تیل کے کنوؤں پر بارود رکھ کر انہیں تباہ کرنے کی دھمکی دے سکیں۔

آج اگر ہم دیکھیں تو وہ اپنی چال میں جس حدتک کامیاب ہوچکے ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ عرب بھائیوں میں عیش وعشرت کی عادت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر اور بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی ایک بات کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ وہ یہ کہ عرب ممالک میں عرب قومیت کے دعویٰ کے باوجود اپنے ہی عرب بھائیوں (یعنی فلسطینی مسلمانوں) سے اس قدر بے رخی کیوں برتی جارہی ہے؟ اس بات کا کوئی جواب ہے ہمارے پاس؟ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ ان سے وہ چیز چھین لے جس پر انہیں بڑا ناز ہے۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ ہمارے عرب بھائی کس طرح سے یہود کے بچھائے ہوئے عیش و عشرت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

عرب رہنماؤں اور مالدار شیوخ کا حال:

اگر عرب بادشاہوں کی دولت سے قطع نظر کرلیا جائے تو بھی دنیا کے پچاس امیر ترین عرب شیوخ کی دولت اور اثاثہ جات 236.24 ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس میں

بادشاہوں کی دولت شامل نہیں۔ لیکن یہ ساری دولت اسلام اور مسلمانوں پر خرچ ہونے کے بجائے آرام طلبی، عیش پسندی اور تفریح پر لگ رہی ہے۔ عرب بھائیوں کے دو سب سے بڑے عیاشی کے مراکز میں دبئی اور لبنان شامل ہیں جبکہ مراکش بھی ان کے عیاشی کے مقامات میں سے ایک ہے۔

ہوائی جہازوں کی خریداری:

سعودی شہزادہ پرنس ولید بن طلال وہ پہلا شخص ہے جس نے Super Jumbo A-380 کی خریداری کی ہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے انفرادی حیثیت میں یہ جہاز خریدا ہے۔ خریدنے کے بعد اس نے اس میں طرح طرح کی آرائش و زیبائش کے لیے باضابطہ طور پر ایک Interior Designer سے رابطہ کیا تاکہ وہ اس ''ہوائی محل'' میں تزئین و آرائش اور عیش و آرام کا اضافی سامان مہیا کر سکے۔

مشرقِ وسطیٰ میں بڑھتے ہوئے ہوائی سفر اور ہوائی جہازوں کی انفرادی طور پر خریداری کو مدنظر رکھتے ہوئے مغربی کمپنیوں نے دبئی میں ایک نمائش کا اہتمام کیا، جس میں ہوابازی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس بات پر خصوصی توجہ دی گئی کہ کس طرح جہاز کے اندرونی حصوں کی خصوصی زیبائش کی جائے۔

بحری جہازوں کی خریداری:

اس وقت عرب امارات کے شیخ اور روس کے ارب پتی ابراہیم دوف کے درمیان اس بات کا مقابلہ چل رہا ہے کہ کس کا بحری جہاز دنیا کی سب سے مہنگی بحری سواری (Yatch) ہوگی؟ یاد رہے کہ یہ Yatch غالباً اٹلی میں تیار ہو رہی ہے اور اس میں عیش و عشرت کا مہنگا ترین سامان مہیا کیا جائے گا۔ اس طرح کی ایک Yatch کی قیمت عام طور سے 20-30 کروڑ ڈالر کے لگ بھگ ہوتی ہے اور اس میں کیا گیا مزید کام 2 سے 10 کروڑ ڈالر لے لیتا ہے۔

قطر کا شیخ جو کہ غالباً عربوں میں سب سے زیادہ فضول خرچ ہے، اس نے 30 کروڑ ڈالر کی کثیر رقم سے لندن کے وسط میں انتہائی مہنگا فلیٹ لیا ہے جو کہ عیش و عشرت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کمپلیکس کے ہر فلیٹ میں جانے کے لیے ایک الگ لفٹ مختص کی گئی ہے۔

شیوخ کو ایک طرف چھوڑ دیں، آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ لندن کی اکثر و بیشتر

تجارتی اور مالیاتی علاقوں کی زمینیں عرب حضرات نے خرید لی ہیں۔ جبکہ عرب حضرات کو اس ملک (برطانیہ) میں عداوت آمیز نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور یہ وہاں آزادی اور Privacy کے ساتھ گھوم بھی نہیں سکتے۔ ان مہنگے علاقوں میں Oxford Edgware اور Piccardly اور Bond اسٹریٹس (Streets) شامل ہیں۔

بلند و بالا عمارات:

عرب حضرات بہت بڑے پیمانے پر اپنا پیسہ مٹی اور گارے پر لگا رہے ہیں۔ اس کا اندازہ درج ذیل سر بفلک عمارتوں کی تعمیر سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ برج دبئی: اونچائی 800-1050 میٹر۔ اس وقت دنیا کی سب سے اونچی عمارت ہے۔

☆ البرج: 1,200 میٹر۔ النخیل والے دبئی ہی میں اسے بنا رہے ہیں اور یہ 2011ء میں مکمل ہو جائے گی۔

☆ برج الکبیر: 1,500 میٹر۔ اس پر غور کیا جا رہا ہے اور یہ کویت میں بنایا جائے گا۔

☆ المرجان ٹاور: 1,500 میٹر۔ یہ بھی زیر غور ہے اور اس پر کام شروع نہیں ہوا۔ یہ بحرین میں بنایا جائے گا۔

اس طرح پورے مشرقِ وسطی میں بڑے پیمانے پر اونچی اونچی عمارتیں بنائی جا رہی ہیں، گویا کہ..... اللہ معاف کرے..... قوم عاد کی روایت زندہ ہو رہی ہے۔ برج دبئی کی پوری اونچائی چھپائی جا رہی ہے تاکہ اس سے اونچی عمارت نہ بنائی جا سکے۔ اس میں دنیا کا سب سے بڑا شاپنگ مال ہوگا، جبکہ ایسے اپارٹمنٹ بھی ہوں گے جن کی Interior Designeing اٹلی کے مشہور Fashion Icon نے کی ہے، جس کا نام Gorgio Armani ہے۔

اس پروجیکٹ کا ٹھیکہ Emmar نے لیا ہے، جس نے تعمیرات کے شعبے میں دنیا بھر میں 100 ارب ڈالر سے بھی زیادہ کی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ برج دبئی خود 20 ارب ڈالر کا پروجیکٹ ہے، جس میں 1500 ایکڑ سے زیادہ اراضی استعمال کی گئی ہے، جبکہ اس پر خرچ کی جانے والی رقم کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے زیادہ مہنگا فی مربع کلومیٹر علاقہ ہے۔

النخیل کا پروجیکٹ ''The World'':

النخیل کا ''The World پروجیکٹ'' دراصل ایک مصنوعی جزیرہ ہے جس کو Al-Nakheel نے بنایا ہے۔ یہ بہت سارے جزیرے ہیں جو کہ بالکل دنیا کے نقشے کا نمونہ ہیں۔ اس میں چین کے شہر Shanghae کا حصہ ایک ارب پتی چینی نے 28 ملین ڈالر کی لاگت سے خریدا ہے، جس پر وہ بالکل Shanghae شہر کے نقشے کا ہوٹل اور Resort بنائے گا۔ اس متمول چینی کا نام Bin Hu ہے، جو کہ ایک کمپنی Zhong International Company کا مالک اور President ہے۔ اس جزیرے کا رقبہ تو معلوم نہیں لیکن جو علاقہ اس نے خریدا ہے اس کا رقبہ 58,000 مربع گز ہے۔ یہ اکیلا ہی اس دوڑ میں شامل نہیں، دو اور اماراتی باشندوں نے بھی Fantasy Island کے نام سے ایک جزیرہ خریدا ہے، جس پر وہ لوگ 2.2 ارب ڈالر خرچ کر کے عیاشی کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا نام احمد بن عبداللہ اور عبداللہ بن محمد الشانی ہے۔ انہوں نے یہ جزیرہ 16.3 کروڑ ڈالر میں خریدا ہے۔ آخری خبریں آنے تک دبئی کی غیر شرعی معیشت کے زوال کی بنا پر یہ پروجیکٹ بری طرح سے ناکامی کا شکار تھا۔

دوسرے ممالک میں عرب شیوخ کی فضول خرچیاں:

آغاز اپنے ہی ملک سے کر لیتے ہیں۔ رحیم یار خان میں ان کے شاہانہ محلات اور شکارگاہیں ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک ایرپورٹ بھی قائم کیا ہے۔ یہاں وہ شکار کے لیے آتے ہیں اور تلور کی ایک نایاب ترین نسل (Bustard) کا شکار کرتے ہیں۔ پاکستانی حکومت نے اپنے ان مہمانوں کو 200 مربع میل کا علاقہ شکار کے لیے دیا ہوا ہے۔

ایک مشہور صحافی نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ امریکا میں عربوں کے لیے پابندیوں اور مشکلات کی وجہ سے اب عرب شیوخ نے عام طور سے مشہور امریکی شہر ''لاس ویگاس'' کی جواگاہوں کے بجائے مشرقِ بعید کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے۔ مشرقِ بعید میں یہ سنگاپور، مکاؤ (چین کے زیرِ تسلط چھوٹا سا ساحلی ملک) بنکاک، تھائی لینڈ، ملیشیا اور دیگر جگہوں میں جا کر اپنی

قیمتی دولت لٹا دیتے ہیں۔
یہ صحافی لکھتا ہے کہ اب ''لاس ویگاس'' کے کچھ ہوٹلوں میں جوئے اور ناچ گانے کے بجائے مسلمانوں کے خلاف پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں اور ایک میں اس نے خود شرکت کی بھی تھی، جس میں اس نے مسلمانوں کے خلاف بنائے گئے تھنک ٹینک اور توہین رسالت کے مرتکبین کے خلاف واحد آواز اٹھائی تھی اور مسلمانوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس طرح لبنان اور مراکش میں خوشگوار آب وہوا اور ساحلی فضا ٹھنڈی فضا کی وجہ سے عیاشی کے مراکز ہیں۔ پچھلے دو سالوں میں لبنان کے حالات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے ایک ریکارڈ تعداد اسکاٹ لینڈ چلی گئی تھی۔

Andrew Harthey Traver Agents جو کہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل Balmorall میں سیلز اینڈ مارکیٹنگ کے شعبے سے منسلک ہے، بتاتا ہے:

''اسکاٹ لینڈ عرب مارکیٹ کے لیے ایک خاص چیز ہے۔ عرب اس کی خوبصورتی سے نیز اسکاٹس کی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس نے مزید کہا کہ عرب یہاں ایک مہینے سے زیادہ رہے اور تمام دیکھنے والی چیزیں دیکھیں۔''

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے عرب بھائی آج کل عیاشی کے لیے یا تو یورپ کا رخ کر رہے ہیں یا پھر مشرق بعید کا۔ 9/11 کے بعد امریکا نے عربوں پر پابندی لگائی تھی تو زیادہ تر نے مکاؤ میں جوئے کے اڈوں کا رخ کیا جو کہ چین کے زیر انتظام ہے، لیکن اس کی کہانی ہانگ کانگ جیسی ہے تاہم فرق صرف اتنا سا ہے کہ مکاؤ پرتگال کو سو سال کے لیے تحفہ دیا گیا تھا، لیکن یہاں تقریباً وہی نظام چل رہا ہے، جو کہ پرتگال میں آج سے بیس سال پہلے تھا، بالکل ہانگ کانگ کی طرح۔

ایک اور ناخوشگوار مثال شاہ فہد کی ہے، جن کے بارے میں ایک امریکی تاریخ دان لکھتا ہے:
''یہ شخص اپنے آپ کو کیسے خادم حرمین شریفین کہتا ہے، جبکہ ''لاس ویگاس'' میں (کیری پیکر کے بعد) سب سے بڑی BET (شرط) ہار گیا تھا اور پیسے نہ ہونے کی وجہ سے اسے Detain کرلیا

گیا تھا۔ پھر جب پیسوں سے بھرا ہوائی جہاز بھیجا گیا تب جا کر حکومت امریکا نے اسے رہا کیا تھا۔''

لگژری کاروں کی خریداری:

عرب ممالک میں لگژری گاڑیوں کی مانگ اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مالی سال 2006ء-2005ء میں تمام مہنگی اور پرکشش گاڑیوں کی طلب میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔ 2006ء-2005ء میں اوسطاً 16 فیصد سے 20 فیصد تک اضافہ دیکھنے میں آیا، جبکہ بحرین کی حکومت نے دو کمپنیوں کو لائسنس جاری کیے ہیں کہ وہ ان کے ملک میں گاڑیوں کی فیکٹری لگا سکیں۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بحرین کی حکومت چاہتی ہے کہ مشرق وسطی کی ساری گاڑیاں یہاں تیار ہوں اور پورے خطے میں فروخت ہوں۔

عرب بھائیوں کو اللہ کے راستے میں پیسے خرچ کرنے کے بجائے فضول شوق پالنے کی ایسی عادت ہے کہ ایک دستاویزی فلم میں ایک شیخ نے اپنی 200 گاڑیاں دکھائیں اور یہ بھی بتایا کہ اگر گاڑی پرانی ہو جائے تو ہم اسے بیچنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ہم اسے اپنے ملازموں کو تو دے دیتے ہیں، لیکن بیچتے نہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اسی میں عربوں کی اس فطری سخاوت کا اظہار ہوتا ہے جو ان کے آباءواجداد میں تھی، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ یہ اس عمدہ خصلت کا غلط استعمال ہے۔

لیبیا میں خریداروں کا پاگل پن:

لیبیا گو کہ بہت زیادہ مالدار ملک نہیں، لیکن یہاں بھی مادیت پرستی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس سے بقیہ ممالک کا حال خود معلوم ہو جائے گا۔

لیبیا میں پابندیوں کے خاتمے کے بعد بڑے پیمانے پر چمکدار کاریں اور موٹر سائیکلیں بہت زیادہ عام ہوتی جا رہی ہیں۔ طرابلس (Tripoli) جو کہ اب ایک درجن سے زائد اعلیٰ درجہ کے مہنگے ہوٹلوں کا گڑھ ہے، اس میں کئی نئے شاپنگ مال کھل گئے ہیں۔ Gregaresh Street میں بوتیک کھل گئے ہیں۔ 80$ کی جینز کی پینٹ اور 1300$ کی Excersise Machine اور 250$ کے پرفیوم بیچنے والی دکانیں کھل گئی ہیں۔

ان دکانوں پر خرچ ہونے والا زیادہ تر پیسہ سیاسی طور پر امریکا کے اثر و رسوخ میں رہنے

والے سیاست دانوں کے پاس سے آتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس ملک میں امیر تو اچھی زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ باقی زیادہ تر بس جی رہے ہیں۔ یاد رہے کہ لیبیا 30$ ارب ڈالر تیل کی آمدنی سے کماتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ مختلف ترقیاتی کاموں پر 19 ارب ڈالر صرف کرتا ہے، جس کی وجہ سے کئی امریکی اور یورپی کمپنیاں یہ ٹھیکے لینے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جو انہیں مل بھی جاتے ہیں اور پھر وہ لوٹ مار کا بازار گرم کرتی ہیں۔

مشرقِ وسطی کی مقامی لگژری مارکیٹ:

توحید عبداللہ جو "دبئی گولڈ اینڈ جیولری گروپ" اور Damas (LLC) کا مینیجنگ ڈائریکٹر ہے، اس نے "مارکیٹنگ فار لگژری پروڈکٹس" (MARKETING FOR LUXURY PRODUCTS) کے موضوع پر منعقدہ ایک کانفرس میں یہ نکات پیش کیے تھے:

- "2010ء تک لگژری گولڈ کی علاقائی مارکیٹ (یعنی عرب ممالک کی مارکیٹ) 100 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی جس میں دبئی کا حصہ 8 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہوگا۔"
- "عرب خواتین اور نوجوانوں کی موجودہ نسل 20 سال کی عمر سے ہی لگژری گولڈ کے سنجیدہ خریدار ہوتے ہیں۔ مغرب کے مقابلے میں جہاں یہ 40 سال کی اوسط تک ہے۔ اس طرح ہمارے مشہور برانڈ کو 20 سال مزید مل جاتے ہیں۔"
- "بین الاقوامی لگژری مارکیٹ کا موجودہ حجم تقریباً 400 ارب ڈالر ہے، جس میں سے 10 فیصد مشرقِ وسطی میں ہے۔ بڑھتی ہوئی آمدنی کی شرح اور دبئی کی ابھرتی ہوئی لگژری مارکیٹ کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مستقبل میں اور تیزی سے پھیلے گی۔"
- "بین الاقوامی سطح پر 32 فیصد لگژری مارکیٹ کی آمدنی زیورات اور گھڑیوں سے حاصل ہوتی ہے، جو کہ ایک اہم جز ہے۔ لگژری مارکیٹ کے مالی سال 2006ء کی پہلی ششماہی میں سوئزرلینڈ کی سوئزرلینڈ ساختہ گھڑیوں کی مانگ میں پچھلے سال کے مقابلے میں 12.2 فیصد اضافہ دیکھا گیا اور رقم تھی 17.5 کروڑ ڈالر۔"

- ''ہم امید کرتے ہیں کہ لگژری گھڑیوں کی فروخت 2006ء کے آخر تک 50 کروڑ ڈالر سے تجاوز کر جائے گی، جبکہ اس مارکیٹ کا حجم 2010ء تک 4 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گا۔''

- ''آج کا گاہک نوجوان ہے، زیادہ پڑھا لکھا ہے اور زیادہ چیزیں مانگتا ہے اور برانڈ کے علاوہ مکمل لگژری ایکسپیرینس چاہتا ہے جس میں World Class Shoping کی سہولت اور بہترین Customer Service شامل ہیں۔''

معاذ برکات جو کہ World Class Council کے مشرقِ وسطیٰ، ترکی اور پاکستان کا ایم ڈی ہے، کہتا ہے:

''مارکیٹ میں گہرے ریسرچ کے بعد ہم ایک بار پھر سونے کی جیولری کی مانگ میں دوبارہ اضافہ دیکھ رہے ہیں۔ اضافے کا یہ رجحان آیندہ برسوں میں مزید نمو پائے گا۔''

دبئی کی آبادی کا تناسب
(DEMOGRAPHICS OF DUBAI)

آیئے! اب دبئی کی آبادی کا تناسب دیکھتے ہیں۔

دبئی میں نسلی اعتبار سے درج ذیل لوگ آباد ہیں:

مقامی (اصل عرب)	17 فیصد
ہندوستانی	51 فیصد
پاکستانی	16 فیصد
بنگالی	9 فیصد
فلی پینو (فلپینی)	3 فیصد

دبئی کی کل آبادی 1,0422,000 کے لگ بھگ ہے، جس میں سے مرد تقریباً 1,073,000 اور 349,000 عورتیں ہیں۔

مردوں میں 250,000 کے قریب مزدور ہیں جو کہ تعمیرات کے شعبے سے وابستہ ہیں۔

سالانہ چالیس لاکھ سیاح دبئی آتے ہیں اور دبئی کی معیشت میں ایک ارب ڈالر ڈال کر جاتے

ہیں۔ ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دبئی کی معیشت دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرتی ہوئی معیشت تھی، جس کی شرح 15 فیصد سے بھی زیادہ تھی، لیکن گرانی کی شرح بھی 12 سے 5 فیصد کے درمیان تھی۔ حکومت اسے 5 فیصد تک محدود رکھنا چاہتی ہے۔

اگر ایمان و آخرت کے زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو دبئی ایک عبرت کدہ ہے، جس میں ہمارے عرب بھائی مادیت پرستی کا انجام دیکھ سکتے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح کی ترقی کرنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں کہ ان کے اپنے مقامی افراد اقلیت بن کر رہ گئے ہیں اور ان کا اپنا خون کس حد تک صاف رہ گیا ہے؟

پلاسٹک سرجری اور کاسمیٹکس:

دبئی میں پلاسٹک سرجری اور آپریشن کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، جس کی اصل وجہ اس کی بے تحاشا مانگ ہے۔ اگرچہ پلاسٹک سرجری سے بعض معقول کام بھی لیے جاسکتے ہیں، جیسے بڑھاپے کی وجہ سے لٹک جانے والی کھال کمی کرنا، جلی ہوئی کھال کو تبدیل کرنا اور زخم کے نشانوں کو مٹانا شامل ہیں، اس کے علاوہ موٹاپے کے شکار افراد کے لیے چربی کم کرنے کی سہولت بھی موجود ہے، لیکن ایک نامعقول بات یہ ہے کہ اس میں بھی خرافات موجود ہیں۔ سب سے اہم خرافات درج ذیل ہیں:

– پشت کی بناوٹ تبدیل کرنا۔

– عورتوں میں سینے کے اعضا کی بناوٹ میں تبدیلی۔

اور دیگر خرافات میں بھی کمی نہیں جو کہ دبئی میں عام ہیں اور دوسرے عرب ممالک میں بھی عام ہورہی ہیں۔ موجودہ سال میں ان خرافات میں دبئی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور اس کی قیمتیں بھی 15 سے 20 فیصد تک بڑھی ہیں۔

ترقی.....لیکن اخلاقی اقدار کی قیمت پر

اگرچہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ بات قابلِ رشک ہے کہ دبئی کی ترقی ایک مثال ہے، اس کی ظاہری رونقیں ہر وقت جگمگاتی رہتی ہیں، لیکن تصویر کا دوسرا رخ انتہائی بھیانک ہے، جس سے ہمارے عرب بھائیوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔

دبئ اگرچہ سیاحوں کا ایک عالمی مرکز ہے لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے یہاں کی عورتوں کے بارے میں ایک خوفناک نقشہ کھینچا ہے۔ تنظیم کے مطابق دبئ جنسی تجارت کا بڑا مرکز بن چکا ہے۔ یہاں قحبہ خانوں کی بہتات ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق اس حوالے سے مشرق وسطی میں دبئ کے بعد صرف اسرائیل کا نمبر آتا ہے۔

طوائفوں کی اکثریت (ماسوائے ان کے جو سارا وقت یہی کام کرتی ہیں) دن کو سوتی ہیں، دوپہر سے رات دس بجے تک مختلف ریسٹورنٹس میں بیروں کی خدمات انجام دیتی ہیں جبکہ شام سے رات کے درمیان اپنا روایتی کام کرتی ہیں۔

طوائفوں میں درج ذیل قومیت کی عورتیں شامل ہیں:

روسی: یہ چونکہ خوبصورت، صحت مند اور گوری ہوتی ہیں، اس لیے عرب حضرات ان کو پسند کرتے ہیں۔ ان میں سوویت یونین سے آزاد ہونے والی ریاستوں کی عورتیں شامل ہیں۔

چینی، فلپینو: ان کو زیادہ تر وہ غیر ملکی سیاح پسند کرتے ہیں جن کا تعلق امریکا و یورپ سے ہوتا ہے۔

ایتھوپین، افریقی: یہ عام طور سے مزدوروں کا نشانہ بنتی ہیں۔

ہندوستانی، پاکستانی: انتہائی شرم کا مقام ہے کہ ان میں جنوبی ایشیا اور پاکستان کی عورتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ شرم کا مقام یہ ہے کہ ایک زمانے میں ''خلیج ٹائمز'' میں اشتہار آتا تھا: "Famous Lahori Mujra" (مشہور لاہوری مجرا)

طوائفوں کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہ بات قابل غور ہے کہ یہاں زنا کاری کا بازار اس حد تک گرم ہے کہ اکثر اماراتی باشندے یہ بات سن کر نظریں جھکا لیتے ہیں کہ دوسرے ممالک سے آنے والے افراد اکثر و بیشتر اسی مقصد کے لیے یہاں آتے ہیں۔

ایک اور انسانی المیہ یہ ہے کہ عرب حضرات حیدر آباد (ہندوستان) میں عورتوں سے شادی کرنے کے بعد انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ حیدر آبادی بھی غربت کی وجہ سے اپنی بیٹی بیاہ کر ہمیشہ کے لیے پچھتاوے میں پھنس جاتے ہیں۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ شادی کروانے والے بیچ کے لوگ بھی اپنا کمیشن حق مہر کی طرح مانگ لیتے ہیں اور بمشکل ان غریب والدین

کو 5000 روپیہ مل پاتا ہے۔

اس سے بھی افسوسناک صورتحال سعودی عرب کی ہے۔ یہاں پر کام کرنے والی عورتیں جنہیں نوکرانی یا میڈ (Maid) کہتے ہیں، بڑی تعداد میں انڈونیشیا، ملیشیا، فلپائن، سری لنکا اور دیگر ملکوں سے لائی جاتی ہیں۔ ان میں سے فلپینی اور دیگر عیسائی عورتیں چھٹی کے دنوں میں (جمعہ، جمعرات) یہ غلیظ کام کرتی ہیں جبکہ ناجائز اولادوں کو یہ پارکوں یا یتیم خانوں میں چھوڑ دیتی ہیں۔ ایک این جی او کے مطابق جدہ اور اس کے گردونواح سے ایک سال میں 3000 سے زائد ایسے بچوں کو اٹھایا گیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ غیر ملکی خادماؤں کا یہ رجحان کہیں اہلِ حرمین کو اس گندگی میں ملوث کرنے کی منصوبہ بند کوشش تو نہیں۔

اس کے علاوہ معاملات یہاں تک ہی محدود نہیں ہیں خود ہمارے ملک میں بھی یہی حال ہے۔ آرٹ کی آڑ میں مجرے ہوتے ہیں۔ بے حیائی اور فحش کاموں کا پرچار کیا جاتا ہے۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ خود پاکستان میں بھی روسی اور چینی طوائفیں آتی ہیں اور کراچی کے پوش علاقوں اور اسلام آباد میں یہ کوئی غیر معروف بات نہیں۔ اور اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست پاکستان کے بعض سیاست دان اور بیوروکریٹ اس بین الاقوامی گھناؤنے کاروبار کو فروغ دے رہے ہیں۔

اس طرح کے واقعات اکثر عرب شیوخ اور اب تو حکمرانوں میں بھی بہت زیادہ عام ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ ہی سب کو ہدایت دے اور اپنی دولت کو عیاشی کی بجائے اسلام کی خدمت کے لیے خرچ کرنے کی توفیق دے۔ اس قسم کے دو واقعات ملاحظہ کریں:

— برادر ملک قطر کا امیر ان معاملات میں سب کو پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ ایک دفعہ شراب کے نشے میں دھت کسی نائٹ کلب میں مگن تھا (اپنے ملک میں)۔ اس دوران اس کا دل ایک لڑکی پر آ گیا جو کہ ناچ رہی تھی۔ اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ اس لڑکی سے بات چیت کر کے نکاح کا معاملہ کرادو۔ وزیر موصوف نے پہلے تو امیر کو غور سے دیکھا، بعد میں صرف اتنا کہہ سکا: ''جناب! یہ آپ کی بیٹی ہے۔''

یہ وہی غیرت مند شخص ہے جس نے کچھ عرصہ پہلے اپنے باپ کا تختہ اس وقت الٹ دیا تھا جب وہ علاج کے سلسلے میں لندن یا سوئٹزرلینڈ گیا ہوا تھا۔

۔بحرین کے شیخ عیسیٰ خلیفہ کی بہن جس کا نام مریم خلیفہ تھا، ایک غیر ملکی انگریز کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ وہ غالباً امریکی تھا اور یہ سن 2000ء کے آس پاس کی بات ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح کے نجانے کتنے واقعات ایسے ہیں جن کا کسی کو علم نہیں ہو پاتا۔

عربوں میں خاص طور سے دبئی میں عورت کی جس بھیانک تصویر کی منظر کشی کی گئی ہے، اس کا سب سے بھیانک پہلو بھی سن لیجیے۔ انسانی حقوق کی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ چینی عورتوں سے جب معلومات لی گئیں تو انہوں نے بتایا کہ ان کے زیادہ تر گاہک وہ امریکی فوجی ہوتے ہیں جو کہ عراق سے کچھ دن کی چھٹیوں پر دبئی آجاتے ہیں۔ اس طرح سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امارات، عراق جنگ میں کتنا ''اہم'' کردار ادا کر رہا ہے۔

اس بات کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ امارات میں ''جبل علی'' نامی بندرگاہ ہے جو دنیا میں سب سے بڑی مصنوعی (انسان کی بنائی ہوئی) بندرگاہ ہے۔ قطر کے امریکی اڈے کے بعد یہ بندرگاہ بھی امریکی جنگی طیارہ بردار جہازوں کے لیے سہولتیں فراہم کرنے کے مرکز کا کام کرتی ہے اور اس طرح امارات میں غیر ملکی فوجی مسلسل آتے رہتے ہیں۔

آج تک مسلمان حکمرانوں کا المیہ یہ رہا ہے کہ ان کی سب سے بڑی کمزوری عورتیں ہی رہی ہیں، لیکن وہ اس حد تک گر جائیں گے کہ غیر مسلم حملہ آوروں کو عورتیں فراہم بھی کریں گے، اس ذلت کا تصور بھی پہلے زمانے کے مسلمانوں نے نہ کیا ہوگا۔

اردن کا بادشاہ (عبداللہ) جس کا تعلق تاریخی غداروں سے ہے، اس کا باپ وہی شخص تھا جس نے خفیہ طور سے 1973ء کی جنگ سے ایک ہفتہ پہلے تل ابیب جا کر موساد اور اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر کو حملے سے خبردار کیا تھا، اس کا اپنا خون بھی خلط ملط ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس کا دادا شریفِ مکہ تھا، لیکن اس کے باپ نے پہلی شادی ایک عرب اور دوسری ایک انگریز یہودیہ سے کی تھی اور مرنے سے پہلے اسرائیل کو مزید خوش کرنے کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کہ انگریز یہودی عورت سے تھا، بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس طرح غدار خاندان کے خون میں انگریز کا خون خلط ملط ہو گیا۔ اس کے پہلے بیٹے کی بیوی بیگم شائستہ اکرام اللہ تھی۔ اس نے بڑے بیٹے سے شادی کی

تھی۔ یہ بیٹا ایک عرب خاندان سے تھا۔

اس کے مقابلے میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں۔ پرنس چارلس برطانیہ کا اگلا بادشاہ ہوگا۔ اس نے پہلی شادی ڈیانا سے کی تھی۔ اس سے دو بیٹے ہوئے۔ بعد میں دونوں میں طلاق ہوگئی۔ ڈیانا بعد میں یکے بعد دیگرے دو مسلمانوں کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ پہلا ایک پاکستانی ڈاکٹر تھا جو جھنگ کا رہنے والا تھا۔ اس نے شہزادی سے شادی کی پیش کش محض اس وجہ سے ٹھکرادی کہ اس کے والدین رضامند نہیں تھے۔ اس کے اس فرمانبردارانہ رویے سے ڈیانا بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔

دوسرا مسلمان داؤد الفادی تھا جو مصر سے تعلق رکھتا تھا۔ داؤد جیسا بھی تھا لیکن وہ ایک مسلمان تو تھا۔ اور یہ بات M15 اور M16 (برطانوی خفیہ اداروں) اور شاہی خاندان کو کھٹکتی تھی۔ اگرچہ ڈیانا خود شاہی خاندان سے نہ تھی، لیکن ایک برطانوی شہزادے کی ماں اگر مسلمان ہوجائے یا پھر ایک مسلمان سے شادی کرلے، وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ چنانچہ شاہی خاندان اور خفیہ اداروں کے گٹھ جوڑ سے دونوں کو ہلاک کردیا گیا۔

یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ ڈیانا کی موت کے بعد خود برطانیہ میں اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کی موت ایک حادثہ نہیں تھا، بلکہ ایک منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ ایک اور بات بھی ہمیں معلوم ہونی چاہیے کہ ڈیانا برطانیہ کی موجودہ دور کی سب سے مقبول ترین شہزادی تھی۔ روشن خیال اور وسیع الظرف یورپ نے اسے قتل کرڈالا اور تاریک خیال، تنگ ظرف مسلمانوں نے انگریز عورت کے بطن سے جنم لینے والے نیم گورے مخلوط النسل یہودی کو بادشاہت کا تخت ورثے میں پیش کردیا۔

خیر! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ دبئی میں عورتوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہورہا ہے، اس کا ڈھنڈورا تو چیخ چیخ کر یہ نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیمیں پیٹتی رہتی ہیں، لیکن ان تنظیموں کا سب سے زیادہ تاریک پہلو ہمیں طالبان کے حوالے نظر آتا ہے۔

ان تنظیموں کو یہ تو نظر آرہا تھا کہ افغانستان میں طالبان حکومت نے بے پردہ عورتوں کے آزادانہ گھومنے پھرنے پر پابندی لگادی تھی، لیکن انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ اس وقت وہاں جنگ اور غربت کی وجہ سے بے حیائی کتنی عام ہوگئی تھی۔ اوباش سرمایہ داروں نے کس طرح عورت کو کھلونا بنا

کر رکھ دیا تھا۔ ان نام نہاد تنظیموں کو یہ نظر نہیں آتا کہ طالبان نے یہ پابندی لگانے کے ساتھ ہی غریب خواتین کے لیے وظیفے اور راشن کا گھر میں انتظام کر دیا تھا۔

ان کو یہ نظر آتا تھا کہ فحاشی کے اڈوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا گیا تھا، لیکن یہ نظر نہیں آتا کہ عورتوں کو تحفظ فراہم کرنے اور گھر بیٹھے کفالت کرنے کے لیے طالبان نے قسما قسم مشکلات کے باوجود کیا کچھ نہیں کیا تھا۔

عرب مسلمانوں کے لیے باعث عبرت:

دبئی کی ترقی میں عرب بھائیوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح معاشی استحکام اور ترقی کے نام پر دبئی نے اپنا اسلامی تشخص کھو دیا۔ آج کا دبئی اور قطر اس حد تک آ گئے ہیں کہ ان کا کہنا ہے:

''اگر اسرائیلی سرمایہ کار یہاں آنا چاہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔''

ملاحظہ فرمایئے! ترقی اور سرمایہ کاری کے نام پر کس طرح عرب بھائیوں کو اُن کے دین اور نظریۂ حیات (جو ایمان و جہاد کا دوسرا نام ہے) سے دور کیا جا رہا ہے اور کس طرح سے وہ ایسی قوم بنتے جا رہے ہیں جس کو اسلام اور ملت اسلامیہ کی فکر ہی نہیں رہی۔ ہمارے عرب بھائی ان خرافات میں الجھے جا رہے ہیں جبکہ مغربی ممالک خصوصاً امریکا کے سابق صدر بش یہ فرما رہے ہیں:

''ہم نئے عالمی نظام کے لیے کام کر رہے ہیں۔''

دبئی کی ترقی عرب مسلمانوں کے لیے اس لحاظ سے کھلی عبرت ہے کہ اگر عرب اپنے مذہبی شعار اور مثالی ثقافت کی قربانی کی قیمت پر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس کی قیمت کیا ہوگی؟ اس بات کا ایک نمونہ دبئی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہودی بینکوں میں عرب حضرات کی سرمایہ کاری:

یہودی بینکاروں نے اسرائیل کی جو مدد کی اور عربوں کو شکست دینے کے لیے جس طرح بے دریغ سرمایہ لٹایا، وہ سب کے سامنے ہے، لیکن عرب حضرات اسلام اور مسلمانوں کی فکر سے محروم ہو جانے کے سبب اپنی دولت انہی دُشمنانِ دین و ملت کے پاس رکھواتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ

ہے کہ عرب ممالک جو تیل بیچ رہے ہیں اور اس سے جو آمدنی ان کو ملتی ہے، اس سے وہ کچھ تو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، لیکن باقی امریکی و یورپی بینکوں کے پاس چلی جاتی ہے، جبکہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ جن یہودی بینکوں میں یہ قرض رکھواتے ہیں، ان سے یہ واپس نکال بھی نہیں سکتے۔ ہاں اگر کسی اور یہودی ادارے میں سرمایہ لگانا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ ایسا آسانی سے ممکن ہوتا ہے۔

اس طرح کے اکاؤنٹس میں کتنا پیسہ ہے؟ اس کا اندازہ ان تین ممالک کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے:

عرب امارات: 300 ارب ڈالر۔ قطر: 120 ارب ڈالر۔ کویت: 60-40 ارب ڈالر۔

بجائے اس کے کہ ہمارے عرب بھائی یہ پیسہ تعلیم و تحقیق، غریب مسلمانوں کی مدد، دینی اداروں کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کریں، وہ اس پیسے کو عیاشیوں اور فضول خرچیوں پر خرچ کرتے یا پھر انہی یہود و نصاریٰ کے ہاں رکھوا دیتے ہیں جو خود ان کے بھی دشمن ہیں۔ لندن اور کئی دوسرے یورپی شہروں میں عرب مسلمانوں نے پوری گلیاں کی گلیاں خرید لی ہیں۔ لندن میں Edgewarwe Oxford Street اور Piccardly (تقریباً) تمام کی تمام عربوں نے خرید لی ہیں، تاکہ جب تیل ختم ہو تو بھی ان کی آمدنی کا سلسلہ جاری رہے۔

اسکاٹ لینڈ کی سٹی کونسل نے اس بات کی توثیق کر دی ہے کہ ''پرنسز اسٹریٹ'' (جس میں مالدار عرب مسلمان دلچسپی رکھتے ہیں) کو بیچ کر اسے ایک فرد کے زیر انتظام (Single Ownership) کر دیا جائے، تاکہ اس کمرشل علاقے کی سڑک کے اطراف میں موجود عمارتوں کی بین الاقوامی سطح کی تعمیر نو ہو سکے۔

EDIN BURG کے سٹی کونسل کے ترقیاتی کاموں کے لیڈر Tom Buchanan کا کہنا ہے: ''ہم سے بعض لوگوں نے رجوع کیا ہے، جن کے پاس بیرونی فنڈز تک رسائی ہے جو کہ Princes Street کو خریدنا چاہتے ہیں اور ان کے پاس بے تحاشا پیسہ ہے۔ اگرچہ یہ منصوبہ طویل ہے اور مختلف مالکوں کو تلاش کرنے اور مذاکرات کرنے میں 10 سال کا عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔''

اس سڑک کی مالیت تقریباً 1.35 ارب پاؤنڈ ہے ($2.66 Billion) اس کے علاوہ RBS یعنی رائل بینک آف سکاٹ لینڈ (Royal Bank of Scotland) قطر میں بڑے

پیمانے پر سرمایہ کاری کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، جبکہ کویت بھی اس سلسلے میں اپنا پیسہ یورپ اور امریکا میں لگانے کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ یہ اس سب جانبدارانہ رویے کے باوجود ہے جو امریکا نے عربوں کے ساتھ اختیار کیا۔ مثلاً:

2005ء میں امریکا میں جب طوفان (کترینا) آیا تو اس کے بعد بندرگاہوں کا نظم ونسق امریکا نے Charity Fund کے لیے ٹھیکہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس ٹھیکے کی سب سے بڑی بولی عرب کمپنی ''دبئی پورٹ ورلڈ'' نے دی، لیکن بعد میں اس کمپنی پر اتنا دباؤ ڈالا گیا کہ آخرکار یہ دست بردار ہوگئی۔ وجہ صرف اتنی سی تھی کہ بندرگاہ جیسی حساس تنصیبات پر عرب کمپنی کو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح امریکا میں ایک ہوائی جہاز بنانے والی کمپنی کے حصص ''دبئی ایرو اسپیس'' (DAE) نے خریدے تو اس پر بھی بہت شور اٹھا۔ بعد میں جب تک DAE نے یہ اعلان نہیں کردیا کہ اسے فی الحال حصص بیچنے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ ایک مناسب وقت میں اسے اچھے داموں فروخت کردے گی، تب ہی جاکر شوروغل ٹھنڈا پڑا۔

اس سب کچھ کے باوجود عرب حضرات امریکا اور یورپی ممالک میں سرمایہ کاری کرنے سے باز نہیں آرہے ہیں۔ اسلامی بینکوں اور مسلم ممالک میں سرمایہ کاری کے بجائے مغربی ممالک میں عرب بھائیوں کی سرمایہ کاری درج ذیل ہے:

- UBS (سوئٹزرلینڈ کا بینک) 5 فیصد حصص کی خریداری زیرِ غور ہے (امارات)
- BARCLAY's BANK: 3 فیصد حصص کی خریداری امارات کے زیرِ غور ہے۔ (کویت اور قطر بھی امیدواروں میں شامل ہیں)
- جرمنی کے DUETSCHE BANK کے 2.19 فیصد حصص امارات کی حکومت کے پاس موجود ہیں۔
- CITI GROUP (CITI BANK): 4.9 حصص جس کی مالیت 7.5 ارب ڈالر ہے ابوظہبی کی حکومت کے پاس ہیں۔

قطر کی حکومت اس کے ROYAL BANK OF SCOTLAND (RBS) کے حصص کی خریداری میں دلچسپی لے رہی ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عرب مسلمان ان بینکوں کو اس وقت پیسہ فراہم کررہے ہیں جب یہ سارے بینک خسارے میں جارہے ہیں اور انہیں پیسے کی شدید ضرورت ہے۔ اس وقت اسلامی ممالک اور اسلامی اداروں میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے اور یہ ثابت کرنے کی بجائے کہ اسلامی معاشی نظام ہی وہ واحد دوا ہے، جس سے موجودہ مہنگائی، بے روزگاری کا علاج کیا جاسکتا ہے، ہمارے عرب بھائی ان سسکتے ہوئے یہودی سودی بینکوں کو سہارا دے رہے ہیں اور انہیں نزع کی حالت میں آکسیجن مہیا کررہے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی مثال CITI GROUP کی ہے جس کا خسارہ 6.8 ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے، اس کو عرب سرمایہ دار حضرات کی طرف سے 7.5 ارب ڈالر کی امدادی سانس دی جارہی ہے۔ عرب اس حوالے سے کہتے ہیں: ''برے وقتوں میں تو یہ راضی ہوجائیں گے، لیکن اچھے وقتوں میں اس طرح کے سودے نہیں ہوپائیں گے۔''

اس فضول نظریے کے خلاف سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ اچھے وقتوں میں انہیں برداشت کریں گے؟ کیا پتا وہ ان عربوں کو اپنا بوریا بستر سمیٹنے کی اجازت بھی نہ دیں؟

اس وقت تقریباً تمام عالمی بینک خسارے میں ہیں۔ بنیادی طور پر اس کی وجہ امریکا میں گھروں میں قرض کی سود کی شرح میں کمی ہے، جسے ''Sub Prime Mortgage'' کہتے ہیں۔ مغربی ممالک کو جب مالی مشکلات پیش آئیں تو عرب سرمائے نے ان کو ہمیشہ سہارا دیا۔ ایسے کٹھن وقت میں ان بینکوں کے خسارے کو کم کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا کتنی بڑی نادانی ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ دے۔

یہ المیہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ 9/11 کے بعد جہاز بنانے والی کمپنیاں خسارے میں جارہی تھیں تو اس وقت امارات سعودیہ قطر، بحرین، عمان، پاکستان اور بڑی تعداد میں مسلمان ملکوں نے 300 سے زائد بوئنگ جہاز خریدے، جس کی وجہ سے اس صنعت کو سہارا مل گیا۔ یہ کسی نے نہیں سوچا کہ

اس سہارے سے تقویت پانے والی دجالی نظام کی ہمنوا طاقتیں بے سہارا مسلمانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہیں اور مزید کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟ اجتماعی مفادات سے بے توجہی ہمیں یہ دن دکھا رہی ہے۔

فلسطینی مسلمانوں کی مظلومانہ حالت زار کے باوجود انہیں ظالم اور سنگدل صہیونیوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا اور اپنی بے تحاشا دولت سے صہیونیت کی مدد کرنے والے یہودی بینکاروں کو سہارا پہنچانا ہمارے دور کا وہ المیہ ہے، جس کی بنا پر دجال کے ہرکارے اور دجالی ریاست مضبوط ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ رجوع الی اللہ، انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی دعوت کو عام کیا جائے۔ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کی بنا پر رحمان کے بندے، دجال کے لشکریوں کے سامنے جم کر کھڑے ہو سکتے اور اپنے سچے معبود کی بندگی اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

مآخذ ومصادر

گزشتہ مضمون میں دیے گئے اعداد وشمار درج ذیل کتابوں سے لیے گئے ہیں:

(1) ARTEH L. AVNERI: "The Claim of Dispocssion: Jewish land settelments and the labs 1878-48", Transaction Publishers (1984)

(2) ISSA KHAF: "Politics of Palastine: Arab Factionalism and Social Disintegration 1939-48", Suny University Press (1991)

(3) KENNETH W. STEEN: "The land Question in Palestine 1917-39" University of North Carolina (1984)

(4) ABRAHAM RABINOVICH: "THE YOAN KIPPUR WAR: THE GPIC ENCOUNTER THAT TRANSFORMED THE MIDDLE EAST"

(5) CNN REPORT "HUSSEIN IS DEAD"

David Ben Guion: "From Class to Nation: Riflections on the Vocation and Mission of the labour movement" (HEBREW An Ord-1976

اسرائیل کی کہانی

ایک مشرقی تحقیق کار اور ایک مغربی لکھاری کی زبانی

اگلے صفحات میں دنیائے مشرق و مغرب سے ایک ایک تحقیق کار کی تحریروں کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔ پہلی تحریر تاریخ کے تناظر میں ''اسرائیلی ریاست کے مطالعہ'' پر مشتمل ہے۔ اس میں اسرائیل کی زمانۂ قدیم سے تاعصرِ جدید تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ مضمون ڈاکٹر ابرار محی الدین صاحب، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور کا تحریر کردہ ہے۔ آں جناب نے اسے اس عاجز کو اخبار میں بغرض اشاعت ارسال کیا تھا۔ اخبار میں تو شائع نہ ہوسکا، یہاں اس کی تلخیص پیشِ خدمت ہے۔ اصل مضمون ''اسرائیل سے اسرائیل تک'' کے نام سے لکھا گیا ہے اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے تحت شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے ''فکرونظر'' جلد46، شمارہ 3، محرم-ربیع الاوّل 1430ھ، جنوری-مارچ 2009ء میں شائع ہوا ہے۔ مصنف اس کا خلاصہ افادۂ عام کے لیے مضمون نگار اور مذکورہ جریدے کے شکریہ کے ساتھ پیش کررہا ہے۔ مقالے میں دی گئی انگریزی عبارات کا ترجمہ ساتھ ہی دے دیا گیا ہے۔ دوسری تحریر ایک کینیڈین صحافی ''رابرٹ او ڈرسکول'' کے خفیہ اسرائیلی دورے کے آنکھوں دیکھے حال پر مشتمل ہے جس میں قدم قدم پر قارئین کو تجسس وسنسنی خیزی کے ساتھ عالمانہ اور دیانت دارانہ عملی تحقیق کا امتزاج دیکھنے کو ملے گا۔ بیچ میں ''مربع قوسین'' میں دی گئی عبارات احقر کا تشریحی اضافہ ہیں۔ مؤلف کتاب کے اس حصے کو ''اسرائیل کی کہانی'' کا نام دے کر مذکورہ بالا دونوں تحقیق کاروں کے نام کرتے ہوئے ان کے لیے دعاگو ہے۔

دجالی ریاست: مشرقی محققین کی نظر میں

موجودہ دور مادی ارتقا کے عروج کا دور ہے۔ اس مادی ارتقا نے دنیا کو سمیٹ کر ایک بستی بنا دیا ہے۔ مختلف علاقوں کے لوگ اتنے قریب آ گئے ہیں کہ قبل ازیں اس قربت کا تصور بھی ناممکن تھا۔ یہ گلوبلائزیشن بجائے اس کے کہ بنی نوع انسان کے مسائل حل کرتی، لوگ ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوتے، ایک دوسرے کے مسائل حل کرتے، دنیا سے جہالت اور غربت کا خاتمہ ہوتا اور لوگ ماضی کے مقابلے میں زیادہ امن وسکون سے رہتے، اس کے برعکس اس کا اثر یہ ہوا کہ انسان انسان کے ہاتھوں دہشت گردی کا شکار ہو رہا ہے۔ یہ دہشت گردی کہیں سیاسی ہے، کہیں قوم پرستانہ ہے، کہیں معاشی ہے اور کہیں تہذیبی۔ اس دہشت گردی کے ساتھ ساتھ اس ''گلوبلائزیشن'' نے ریاستی دہشت گردی کو بھی جنم دیا، جس نے کمزور ممالک کے وجود کے لیے خطرات پیدا کر دیے۔ گلوبلائزیشن نے ایک عالمی معاشی استحصالی نظام کو جنم دیا جس کی پیدا کردہ مصنوعی مہنگائی دنیا کے غریب کو مزید غریب بنا رہی ہے اور دولت کو عالمی سطح پر چند سو خاندانوں کی تجوریوں میں تیزی سے منتقل کر رہی ہے۔ جس اخلاقی بے راہ روی نے یورپ اور امریکا کے معاشروں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس ''سمٹاؤ'' (گلوبلائزیشن) کی وجہ سے وہ اب مسلم معاشروں پر میڈیا کے ذریعے مسلط کی جاری ہے۔ اس گلوبلائزیشن کے مسلط کردہ استحصال کے چنگل میں پوری دنیا جکڑی جا چکی ہے۔ اس جکڑن کا مرکز کہاں ہے؟ اوّل تو یہ بحث چھڑتی نہیں۔ اگر کہیں چھڑتی ہے تو مسائل کی نشاندہی کے لیے رازی وغزالی، رومی واقبال کے ایسے ''ورثا'' تلاش کر کے شریک بحث کیے جاتے ہیں، جن کو نہ اپنے ماضی کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی مستقبل میں تعمیر ملت کی تڑپ ان میں پائی جاتی ہے۔ یہ علمی قلاش بے چارے مسائل کا حل تو کیا بتائیں گے، مسائل کی نشاندہی بھی نہیں کر پاتے۔ ایسے مفکرین کی زیارت چینلز کے تنخواہ یافتہ بتنگڑ بازوں یا اخبارات کے Paid

لکھاریوں کی شکل میں کی جاسکتی ہے۔

انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ معاشرتی انارکی اخلاقی ضابطوں کی خلاف ورزی اور مختلف ازمز کی تخلیق ماضی میں یہودی قوم کے سیاہ کارناموں میں سے ایک ہے۔ اس قوم کی پوری تاریخ اللہ کی کھلم کھلا نافرمانی، نسلی تعلّی، ہوس زر، قتل و غارت گری اور ظلم سے عبارت ہے۔ ان بدکرداریوں کی بدولت یہ قوم ماضی میں ہر نبی کی بددعاؤں اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ کے عذاب کی مستحق بنی ہے۔ اسی بدکرداری کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا کی دو بڑی الہامی کتب قرآن اور بائبل اس قوم کی مذمت پر متفق ہیں۔ اپنے زمانہ رسوائی (Diaspora) میں یہ ہر قوم کے ہاں نفرت کی نظر سے دیکھی جاتی رہی، حتیٰ کہ آج اسرائیل کے مربی و محسن امریکا میں جب 1789ء میں امریکی دستور بنا تو اس وقت کے امریکی صدر بنجامین نے یہودیت کو امریکا کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا تھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آج کی دنیا کے ہر فساد میں دراصل یہودی شیطانی ذہن کام کر رہا ہے۔ زارِ روس کے خلاف بغاوت اور عیسائیوں کے قتل میں یہی ہاتھ تھا۔ بینک آف انگلینڈ کی شکل میں برطانوی معاشیات کے مالک یہی ہیں۔ امریکی میڈیا پر مکمل کنٹرول ان کا ہے۔ دنیا میں سونے کی تجارت ان کے قبضے میں ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کے قیام کے بعد سے عالمی حالات اتنی تیزی سے خراب ہونا شروع ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے ایسا فساد انسانی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کی بنیادی وجوہات اس قوم کے ماضی میں پوشیدہ ہیں، جن کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس قوم کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی نسلی تعلّی کا تصور ہے، جس کے مطابق یہ قوم دنیا کی سب سے اہم اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین قوم ہے۔ ان کا یہ ذہنی تصور بائبل یوں بیان کرتی ہے کہ خدا نے قومِ یہود سے مخاطب ہو کر کہا:

"I have chosen him in order that he may command his sons and his descendents to obey me and to do what is right and just."

"میں نے انہیں منتخب کیا ہے تا کہ وہ اپنے بیٹوں کی قیادت کر سکیں اور ان کے امتی میری اطاعت کریں اور وہی کریں جو صحیح اور متعین ہو۔"

اسرائیلیوں کی اس نسلی برتری کو ان کی مشہور قانون کی کتاب ''Talmud'' یوں بیان کرتی ہے:

"Heaven and earth were only created through the merit of Israel."

''جنت اور دنیا کو صرف اسرائیل کے معیار کے لیے پیدا کیا گیا۔''

"Whoever helps Israel is as though he helped the Holy One blessed be He. Whoever hates Israel is like me who hates Him."

''قوم اسرائیل کی مدد کرنا خدا کی مدد کرنا ہے اور اس سے نفرت کرنا خدا سے نفرت کرنا ہے۔''

تالمود کے اس جملے کے تحت امریکا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ عراق اور افغانستان میں وہ جو کچھ کر رہا ہے دراصل خدا کی مدد کر رہا ہے۔ آخرت کی نجات صرف اسرائیلوں کے لیے مخصوص ہے، غیر اسرائیلی اُخروی نجات نہیں پائیں گے۔

"No Gentiles will have a share in the world to come."

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی یہودی کو جہنم میں نہ جانے دیں گے۔

"In the Hereafter Abraham will sit at the entrance of Gehinnom and will not allow any circumcised Israelite to descend into it."

''اور آحرت میں ابراہیم جہنم کے دروازے پر دھرنا دے دیں گے اور کسی اسرائیلی کو جہنم میں پھینکنے کی اجازت نہ دیں گے۔''

جو قوم فکری طور پر اس حد تک تنگ نظر ہو، اس قوم سے کیونکر توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ کسی عالمگیر مساوات کا پیغام دنیا کو دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تاریخ میں عالمگیریت اور مساوات کا تصور ناپید ہے۔ اس قوم کی تاریخ کا زریں دور حضرت داؤد علیہ السلام (1000ء قبل مسیح) سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بنے۔ آپ کے دور میں تہذیب وتمدن عروج پر تھا۔ روپے پیسے کی فراوانی تھی۔ اس دور میں عالمی حکمرانی صرف اور صرف آپ کے حصے میں تھی۔ گویا اس وقت ''نیو ورلڈ آرڈر'' آپ کا چلتا تھا۔

آپ نے بے شمار تعمیری کام کیے۔ ان میں ایک اہم کام ''ہیکل سلیمانی'' کی تعمیر بھی تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس کی تعمیر کرا رہے تھے، اللہ کے حضور اس میں برکت کے لیے دعا گو ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا، لیکن یہ بات بھی اسی وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بیان کردی کہ اگر تیری قوم میرے اصولوں پر قائم نہیں رہے گی اور غیروں کی پوجا کرے گی تو اس کو میں دنیا کے لیے سامانِ عبرت بنادوں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت میں سیاسی اور مذہبی اختلافات حد سے بڑھ گئے۔ ان اختلافات میں ایک گروپ کا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھریلو ملازم ''یربعام'' تھا، جبکہ دوسرے گروپ کا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا ''رجعام'' تھا۔ اختلاف حد سے بڑھے تو سلطنت (796 قبل مسیح) دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ شمالی سلطنت جس کا نام اسرائیل تھا اور جس کا پایہ تخت سامریہ تھا، یہ سلطنت بنی اسرائیل کے دس قبائل پر مشتمل تھی۔ جس کا پہلا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہی غلام ''یربعام'' تھا، جبکہ باقی دو قبیلوں ''یہوداہ'' (حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قبیلہ) اور ''بنیامین'' کے قبیلے نے مل کر ''جوڈیا'' کی سلطنت جنوب میں قائم کی، جس کا پایۂ تخت یروشلم تھا اور جس کا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا ''رجعام'' بنا۔ یہ تقسیم 11 ویں صدی قبل مسیح عمل میں آئی۔ ہیکل سلیمانی جوڈیا کی سلطنت کے حصے میں آیا تھا، اس لیے اسرائیل والوں نے ''بیتھل'' (Bethal) نامی قصبہ میں ایک اور ہیکل تعمیر کرلیا (بیتھل کا معنی: عبرانی زبان میں خدا کا گھر ہے) ''بیتھل'' میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوند قیام کیا تھا اور یہاں اللہ کے حکم سے ایک معبد بھی بنایا تھا اور اس میں برکت کے لیے اللہ کے حضور دعا بھی کی تھی۔

آج اسرائیل ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل کا نہیں سوچتا، بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل کی تعمیر کی خاطر عالمی امن کو داؤ پر لگانے پر تُلا بیٹھا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل کی بات کرے تو پھر بنواسحٰق اور بنواسماعیل میں دوریاں کم ہوتی ہیں، کیونکہ مکہ میں کعبہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر

کردہ ہے۔ ان کی نسلی تعلّی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسرے ان کا اپنا اندرونی تعصب بھی آڑے آتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ''بیتھل'' کا ہیکل دس گمشدہ قبائل (سلطنت اسرائیل) کا ہیکل تھا، جبکہ ہیکل سلیمانی باقی دو قبیلوں ''بنو یہودہ'' اور ''بنو یامین'' (سلطنت جوڈیا) کے تصرف میں تھا اور موجودہ اسرائیل ان دو قبائل کا ہے۔ اس بنا پر وہ اپنے ہیکل کی بات کرتے ہیں، اسرائیل کے ہیکل کی بات نہیں کرتے۔ دونوں سلطنتیں دولت کی فراوانی اور عیش و آرام کے باوجود باہم برسرِ پیکار رہتیں، پرتکلف دسترخوان، ناؤ و نوش اور موسیقی کی دلدادگی تہذیب کا شعار بن چکا تھا اور طبقہ شرفا میں شمولیت کے لیے ان ''آدابِ محفل'' (Etiquettes) کی پابندی ضروری تھی۔

قوموں کا زوال معاشرے پر مذکورہ اخلاقی ضابطوں کی گرفت کمزور پڑنے سے شروع ہوتا ہے۔ جب قومیں ان اخلاقی ضابطوں کی پابندی کرنا چھوڑ دیں تو تن آسانی، عیش و آرام، شراب و شباب، طبقاتی استحصال اور عدل کی عدم فراہمی معاشرے میں گھر کر لیتی ہے۔ اس طرح قوم اپنے زوال کی طرف لڑھکنا شروع ہو جاتی ہے۔

اخلاقی زوال اپنے ساتھ طبقاتی استحصال اور حصولِ انصاف میں دشواری بھی ساتھ لاتا ہے۔ اس بنا پر ہوسِ زر نے غریب طبقے پر معاش اور انصاف کے دروازے بند کر دیے تھے: ''تم مسکینوں کو پامال کرتے ہو اور ظلم کر کے گیہوں چھین لیتے ہو۔ اپنے لیے تراشے ہوئے پتھروں کے مکانوں میں تم نہ بسو گے۔ تم صادقوں کو ستاتے، رشوت لیتے اور پھاٹک (شہروں) میں مسکینوں کی حق تلفی کرتے ہو۔''

شراب عام ہو گئی تھی: ''وہ مے خواری سے پُر ہو کر بدکاری میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کے حاکم رسوائی دوست ہیں۔'' بائبل میں ''یوشع'' کا پورا جز، یہ بات قطعی طور پر واضح کرتا ہے کہ ''لبرازم'' (Enlightenment یا Libraslism) نے شراب اور زنا عام کر دیا تھا۔ جہاں یہ خوفناک اخلاقی بُرائیاں عام ہوں وہاں ان بُرائیوں کے مقدمات کس کس شکل میں ہوں گے، بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس قوم کی اخلاقی بدکاریوں کے بیان کے لیے انگریزی بائبل ''پروٹسٹنٹ'' (Protestant) میں ایک جملہ یوں ہے:

"You yourselve go off with temple Prostitutes and together with them offer pagen sacrifice."

اس جملے کی تشریح فٹ نوٹ پر یوں کی گئی ہے:

"Temple prostituts, these women were found in Canaanite temples where fertility gods where worshipped. It was believed that intercourse with prostituts assured fertile fields and herds."

کیتھولک بائبل کی عبارت اس سے کچھ مختلف ہے، لیکن اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حرام کاری معبدوں میں بھی ہوتی تھی۔ اس حرام کاری سے یہ تصور وابستہ تھا کہ خدا خوش ہو کر ان کو معاشی طور پر خوشحال کرتا ہے۔

جس معاشرے کی قدریں اس حد تک زوال کا شکار ہو جائیں کہ سیاسی اور مذہبی لوگ بھی بدکردار ہو جائیں اور شریف آدمی معاشرے میں اپنے آپ کو اجنبی سمجھنے لگے تو پھر عذابِ الٰہی ان معاشروں کا مقدر بن جاتا ہے، چونکہ یوشع نبی نے انہیں یہ بتا دیا تھا: ''سامریہ اپنے جرم کی سزا پائے گا کیونکہ اس نے اپنے خدا سے بغاوت کی ہے۔ وہ تلوار سے گرائے جائیں گے۔ ان کے بچے پارہ پارہ ہوں گے اور باربردار عورتوں کے پیٹ چاک کیے جائیں گے۔''

اب آیئے! دوسری یہودی ریاست یہودیا (جوڈیا) کا حال بائبل کے حوالے سے سنتے ہیں۔ جوڈیا کا پہلا حکمران حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا ''رجعام'' تھا۔ مرکزی ہیکل سلیمانی (معبد) ان کے پاس تھا۔ ان میں مشہور انبیاء یسعیاہ، حزقی ایل اور جرمیاہ ہوئے ہیں۔ ان انبیاء کی تمام تر مساعی سعیدہ کے باوجود اپنے اسلاف کی تمام تر بُرائیاں ان میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بیان کیا ہے کہ بڑے بیٹے کی قربانی کا تصور ان میں معروف تھا۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ اسرائیلی سلطنت میں اس کا تصور نہ تھا، لیکن جوڈیا کی سلطنت میں اس رسمِ بد کی ابتدا جوڈیا کے فرمانروا ارہارنے کی۔ اس رسمِ بد

پر سب سے زیادہ احتجاج نبیٔ وقت یرمیاہ نے کیا۔ اس طرح ''یہوداہ'' (خدا) کے مجسموں کی پوجا کی جاتی تھی۔ شرک اور بت پرستی اس حد تک قوم میں گھر کر گئی کہ آگے چل کر ان کے ہاں سورج دیوتا کی مورت کی پوجا بھی شروع ہوگئی جس پر حزقی ایل نبی نے سخت سرزنش کی:

''تمہارے اونچے مقاموں کو غارت کیا جائے گا اور تمہاری قربان گاہیں اُجڑیں گی اور سورج دیوتا کی مورتیں توڑ ڈالی جائیں گی۔''

زنا کاری ان میں شروع دن سے جڑ پکڑ چکی تھی، جس کا ذکر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے دور کے حالات میں بھی کیا ہے۔ یہ بُرائی بھی جوڈیا میں زوروں پر تھی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے منسوب یہ قول بائبل کا حصہ ہے: ''میں نے جب ان کو سیر کیا تو انہوں نے قحبہ خانوں میں بدکاری کی اور ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔'' اس ملک میں لوطی بھی تھے جو وہ سب مکروہ کام کرتے تھے جن کی بنا پر اسرائیلی مستوجب سزا ٹھہرے تھے۔''

یہ بدکاری ان میں اس حد تک بڑھ گئی کہ محرم رشتوں کا تصور بھی ان کے ہاں ختم ہوگیا: ''تیرے اندر وہ ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں، تیرے اندر وہ ہیں جو اپنے باپ کی حرم شکنی کرتے ہیں۔ ناپاکی کی حالت میں مباشرت کرتے ہیں۔ کسی نے دوسرے کی بیوی سے بدکاری کی۔ کسی نے اپنی بہو سے کی۔ کسی نے اپنی بہن کو رسوا کیا۔ تیرے اندر ہوس زر کی وجہ سے خون ریزی کی گئی۔ تو نے سود لیا اور ظلم کرکے اپنے پڑوسی کو لوٹا۔'' بائبل کے اس بیان کو پڑھنے کے بعد آج امریکا میں اُٹھنے والی اس تحریک کا جائزہ بھی لیں جس کا بنیادی مقصد رشتوں میں محرمات کے تصور کو ختم کرنا ہے۔ 1960ء کی دہائی میں 79 ایسی فلمیں دکھائی گئیں جو محرمات سے نکاح پر مبنی تھیں۔ امریکی رسالہ ٹائم نے ان رجحانات پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ایک مضمون لکھا جس کا ایک جملہ یوں تھا:

"Incest taboo is dying of its own irrelevance."

اس موضوع پر فلمیں دکھانے کا مطلب اس قبیح فعل پر شرمانے کی بجائے فخر کرنا ہے۔ یہ بات امریکی معاشرے میں نئی نہیں ہے۔ جوڈیا کی سلطنت میں عوام اتنے ''روشن خیال'' (Enligtenment) تھے کہ وہ اس قسم کی بدکرداری پر شرماتے نہ تھے: ''کیا وہ اپنے مکروہ

کاموں پر شرمندہ ہوئے؟ وہ ہرگز شرمندہ نہ ہوئے بلکہ وہ لجائے تک نہیں۔ اس لیے وہ گرنے والوں کے ساتھ گریں گے۔''

ان کی اخلاقی بدکرداریوں کا ایک جزو راتوں کو شباب و کباب کی محفلیں سجانا ہوتا تھا، جس کو آج کی مغربی تہذیب کا لازمی جز خیال کیا جاتا ہے: ''ان پر افسوس جو صبح سویرے اٹھتے ہیں تاکہ نشہ بازی کے درپے ہوں اور جو رات کو جاگتے ہیں جب تک شراب ان کو بھڑکا نہ دے ان کے جشن کی محفلوں میں بربط، ستار، دف اور شراب ہے۔ وہ خدا کے کام کا نہیں سوچتے۔'' وہ ہر طرف سے اپنا نفع ہی ڈھونڈتے ہیں۔ ہر ایک کہتا ہے: ''تم آؤ میں شراب لاؤں گا اور ہم خوب نشہ میں چور ہوں گے اور کل بھی آج ہی کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی بہتر ہوگا۔'' بائبل کے ہر دو حوالہ جات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی پارٹیاں کاروباری بنیادوں پر ہوتی تھیں۔ جیسا کہ آج کا مہذب فائیو اسٹار کلچر ہے۔

اس اخلاقی معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کا کام وہاں کے مذہبی طبقے کی ذمہ داری تھی، لیکن اسرائیلی ریاست کی طرح یہاں بھی مذہبی طبقہ بذاتِ خود معاشرے پر ایک اخلاقی داغ تھا۔ اس دور کے مذہبی لوگوں کے کردار کو بائبل مختلف مقامات پر اور مختلف حوالوں سے بیان کرتی ہے۔ ان میں سے چند مقامات ملاحظہ ہوں:

''سب چھوٹے سے بڑے تک لالچی اور نبی سے کاہن تک دغا باز ہیں۔''

''میں نے سامریہ کے نبیوں میں حماقت دیکھی ہے۔ انہوں نے بعل کے نام سے نبوت کی ہے۔ میں نے یروشلم کے نبیوں میں ایک ہولناک بات دیکھی ہے۔ وہ زناکار، جھوٹ کے پیرو اور بدکاروں کے حامی ہیں۔ کوئی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ وہ سب میرے لیے سدوم اور عمورہ کی مانند ہیں۔''

''اس کے کاہنوں نے میری شریعت کو توڑا ہے۔ انہوں نے نجس اور طاہر میں فرق نہیں کیا ہے۔ انہوں نے مقدس اور عام میں فرق نہیں کیا۔ اس کے امرا شکار کو پھاڑنے والے بھیڑیوں کی طرح ہیں، جو ناجائز نفع کی خاطر خون ریزی کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور ان کے نبی ان کے لیے کچی کہگل ہیں۔ باطل خواب دیکھتے اور جھوٹی فالگیری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوند یوں فرماتا ہے، حالانکہ خدا نے نہیں کہا۔''

حزقی ایل علیہ السلام نے ان الفاظ اور قرآن کریم نے "لولا ینھٰھم الرّبّانیّون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السُّحت" کے الفاظ سے بیان کیا ہے جو اس قوم کے مذہبی طبقے کے منہج حیات اور اشغال کرتا ہے۔ ہمارے اکثر علماء نے "السحت" کا معنی حرام کیا ہے جبکہ سحت کا معنی ایسی معاشی ہے جو باہمی انسانی مودت کے تعلقات کے منافی ہو (جیسے دکاندار کا کسی چیز کو بازار کے ریٹ سے زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنا یا ہمارے ہاں وکیلوں اور ڈاکٹروں کی بھاری فیسیں) (دیکھیے: "لغات القرآن" للاستاذ نعمانی و "مفردات القرآن" للاصفہانی)

اس قوم نے انبیاء سے محاذ آرائی کا سلسلہ رومیوں کے دور میں بھی جاری رکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس قوم میں مبعوث ہوئے تو اپنی سابقہ "قابل فخر" روایات قائم رکھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی انہوں نے محاذ آرائی جاری رکھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے عقیدے کے مطابق مصلوب کیے گئے۔ ان کو مصلوب کیوں کیا گیا؟ اس کی وجوہات یہودی و عیسائی لٹریچر میں بالتفصیل موجود ہیں، جس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارہ قبائل میں سے یہودہ کے قبیلے سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کے دو پہلو ان کے لیے قطعی طور پر ناقابل قبول تھے۔ سب سے پہلا منفی پہلو یہی تھا کہ وہ یہودیوں کی مذہب و سیاست کی تقسیم کے مطابق سیاسی خاندان (یہودہ) میں پیدا ہو کر مذہبی تعلیم دینے لگے۔ ان کے قائم کردہ اصول کے مطابق مذہبی تعلیم صرف ہولادی کا حق تھا۔

دوسرا یہود کے لیے ناقابل قبول پہلو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تعلیمات تھیں جو ان کے معاشی مفادات اور ان کی روشن خیالی کی مذمت کرتی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو۔ خون نہ کرنا، زنا نہ کرنا، جھوٹی قسمیں نہ کھانا، انتقام کی بجائے عفو و درگزر سے کام لینا۔ نذر و نیاز میں پیسہ ضائع کرنے کی بجائے اپنے بھائی کی شکایت دور کرنا، صدقہ خیرات چھپ کر کرنا، جھوٹے نبیوں سے خبردار رہنا جو تمہارے پاس بھیڑوں کی شکل میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔"

بائبل ہی بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تعلیمات ان کے لیے حیران کن تھیں: "جب

یسوع نے بات ختم کی تو ایسا ہوا کہ بھیڑ اس کی تعلیم سے حیران ہوئی کیونکہ وہ ان کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح ان کو تعلیم دیتا تھا۔" یہ عبارتیں وضاحت کر رہی ہے کہ زمانے کے مروجہ مذہبی طبقے کی تعلیمات کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات منفرد قسم کی (الہامی) تھیں۔

نوٹ: بائبل میں جا بجا "جھوٹے نبی" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اس بارے میں ذہن میں رہے: "یہود کی اصطلاح میں نبوت، اسلامی نبوت سے بالکل الگ مفہوم رکھتی ہے۔ ان کے ہاں یہ ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اس کی نسبت مع اللہ قوی ہو۔" وہ نبی یا نبوت کے قائل صرف ان کے لغوی معنی میں تھے۔ نبی ان کے ہاں پیش گوئی کرنے والا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ صاحب کشف بھی ہو، جیسے مشرک قوموں میں کاہن۔ ان کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاح میں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔"

ان تعلیمات کو ہوس زر کے مارے، دولت مند مذہبی ٹھیکیدار کیونکر قبول کرتے، ان کی ہوس زر کا عالم یہ تھا کہ مذہبی اجارہ داروں سے ملی بھگت کر کے یہ لوگ خود ہیکل سلیمانی میں خرید و فروخت کے بازار لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر "یسوع نے خدا کے ہیکل میں داخل ہو کر ان سب کو نکال دیا، جو ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں اور ان سے کہا کہ میرا گھر دعا کا گھر کہلائے گا، تم اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بناتے ہو۔" ہوس زر کی یہ انتہا تھی اور مذہبی طبقے کی بدکرداری کے عروج کا یہ عالم تھا کہ بداخلاقی اور بدکرداری کی تعلیم دینا دولت کمانے کا بڑا ذریعہ بن چکا تھا۔ "بہت سے لوگ سرکش، بیہودہ اور دغاباز ہیں۔ خاص کر مختونوں میں سے ان کا منہ بند کرنا چاہیے۔ یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کر دیتے ہیں۔" پال کا یہ خط ططس کے نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس قوم کی اخلاقی بدحالی کی تصویر پیش کرتا ہے۔

بدکرداری و بداخلاقی کو ذریعہ آمدنی بنانے والی قوم آج اگر فلم انڈسٹری (خاص طور پر امریکا کی ہالی وڈ) اور الیکٹرانک میڈیا پر قابض ہو کر "فوکس لائف" (Fox Life) نام سے چینل چلا کر وہ سب دکھائے جو نہیں دکھایا جانا چاہیے۔ انٹرنیٹ پر فحش فلمیں دکھا کر رہا سہا اخلاقیات کا

جنازہ نکالا جائے تو یہ ان کے ماضی کا تسلسل ہے۔ ان کے ہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات میں ان مذہبی بدکرداروں کی سب سے زیادہ مذمت کی ہے جو الفاظ کی حد تک تو تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لیتا تھا لیکن عملی طور پر بدکردار تھا۔ ان مذہبی بیانات کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

(1)...... ''فقیہ اور فریسی موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس وہ جو کچھ تمہیں بتائیں وہ سب کرو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں۔

(2)...... وہ اپنے تعویذ بڑے بناتے اور اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے ہیں اور ضیافتوں میں صدر نشین اور عبادت گاہوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربّی کہلانا پسند کرتے ہیں۔

(3)...... اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! تم بیواؤں کے گھروں کو دباتے ہو اور دکھاوے کے لیے نمازوں دیتے ہو، تمہیں زیادہ سزا ہوگی۔ مذکورہ عبارات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ غریب طبقہ کے معاشی استحصال میں یہ لوگ برابر کے شریک تھے۔

(4)...... ان کے معاشرے میں پیری مریدی ایک کاروبار بن چکی تھی جس کا بنیادی مقصد مذہب کے نام پر بدعملی پھیلانا تھا۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا سفر کرتے ہو اور جب مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا ایندھن بناتے ہو۔ خط کشیدہ عبارت صاف ظاہر کرتی ہے کہ مذہب کے نام پر بے عملی پھیلائی جارہی تھی۔

(5)...... قبریں بنانا اور ان کو آراستہ کرنا بھی ان کی مذہبی تعلیمات کا حصہ تھا۔ چنانچہ بائبل ہی کا بیان ہے: ''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو۔'' اس شیطانی نظام کے مرکزی کردار یہ مذہبی لوگ پرلے درجے کے بدکردار ہوتے تھے۔ ''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! کہ تم سفیدی بھری قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور نجاست سے بھری ہیں۔ اس طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں

ریاکار اور بے دین ہو۔"

(6)...... یہاں کی سوسائٹی میں موجودہ دور کے اوقاف سے ملتا جلتا ایک محکمہ تھا جو مذہبی
سے ٹیکس وصول کرتا تھا۔ یہ ٹیکس ایک مذہبی ٹیکس بھی تھا جو آمدنی کا 10 فیصد ہوتا تھا۔ اس کی
ادائیگی کے بعد احکامِ شرعیہ کی پابندی ضروری خیال نہ کی جاتی تھی۔ "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو!
تم پر افسوس! کہ پودینہ، سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی [عشر: 10 فیصد] دیتے ہو پر تم نے شریعت کی
زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔" (یہ تمام مذکورہ بیانات "متی" کے
باب 23 سے لیے گئے ہیں۔)

ان دو وجوہات کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مذہبی طبقے کی مخاذ آرائی فطری
بات تھی۔ چنانچہ یہ طبقہ آپ کو ختم کرانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس جرم میں پھانسی دی گئی؟ یہودی اور عیسائی لٹریچر میں اس بارے
میں بیانات مختلف ہیں۔ بائبل کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جرم یہ تھا
کہ آپ نے ہیکل کو گرانے کی بات کی تھی جبکہ یہودیوں کی سب سے معتبر کتاب "تالمود"
(Talmud) (یہودیوں کی یہ کتاب کئی اجزاء پر مشتمل ہے اور ہر جزو کے آگے اجزا ہیں اور کل
163 اجزا پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ایک صفحہ عبرانی زبان میں اور
دوسرا انگریزی میں ہے۔ یہ کتاب ان کے نزدیک بائبل سے زیادہ معتبر ہے۔) کے مطابق یسوع
خاندانی لحاظ سے گرا ہوا آدمی، جادوگر تھا (جادو) سکھاتا تھا۔ یہودی قوانین کے مطابق جادوگری
کی سزا پھانسی ہے، انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے اس کو پھانسی لگایا گیا ہے۔

تالمود کا یہ بیان سراسر جھوٹ ہے۔ پھانسی کی اصل وجہ یہ دو باتیں یعنی ہیکل کو گرانے کا دعویٰ اور
مذہبی طبقے کی اصلاح تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرے کے مذہبی طبقے کی اصلاح سب سے زیادہ
مشکل کام ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ماضی میں انبیاء کے ساتھ جو سلوک
کرتے رہے ہیں، مجھ سے بھی یہی سلوک کریں گے۔ انبیاء کی خداداد فقیہانہ اور حکیمانہ بصیرت حالات
کو سب سے زیادہ سمجھنے والی ہوتی ہے۔ بائبل بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو چکا تھا کہ

ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس لیے اپنے مصلوب ہونے سے پہلے یہ بتا دیا تھا کہ مسلسل مذہبی نافرمانیوں، قتلِ انبیاء اور اخلاقی گراوٹوں کے باعث یروشلم میں ہیکل ختم ہونے والا ہے۔ "حتیٰ کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔" (۹۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشگوئی یوں پوری ہوئی کہ آپ کے بعد رومیوں نے ان پر اپنے مذہبی قوانین جبراً نافذ کیے اور حکم دیا گیا کہ دیگر رعایا کی طرح یہودی بھی شہنشاہ کی عبادت کیا کریں۔ جس پر ۶۶ عیسوی میں یہودیوں نے آزادی کی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک علاقے میں رومی اقتدار کے لیے خطرہ بنی تو رومی حکمران ٹائٹس نے ۷۰ عیسوی میں حملہ کر کے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہیکل کو بنیادوں سے ختم کر دیا۔

اس صورتِ حال نے یہودیوں کو فلسطین سے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ لوگ روس اور یورپ کی طرف ہجرت کر گئے۔ کچھ لوگ اسپین (مسلم سلطنت) کی طرف نکل گئے اور کچھ عرب علاقوں میں جا بسے جن میں سے تین قبیلوں بنوقینقاع، بنونضیر اور قریظہ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بنونضیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ اس بنا پر مدینہ سے نکال دیے گئے۔ فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت پر بلا کر کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی شہید ہو گئے جن کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کیا گیا۔

دورِ صحابہ، اموی دور اور عباسی دور میں یہ لوگ مسلم علاقوں میں نہایت امن اور سکون سے رہے۔ یہ احسان فراموش قوم اپنی اس بے خانمائی (Diaspora) کے دور میں مسلم علاقوں میں حکومت کے ایوانوں سے لے کر کاروباری دنیا میں مکمل دخیل تھی۔ اسلامی ریاست میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام چھ صدیوں سے زیادہ عرصہ امن اور ہم آہنگی سے رہے۔ باقی یورپ کی طرح انہیں ظلم وستم کا نشانہ نہیں بننا پڑا، لیکن جب مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا تو عیسائیوں نے ان لوگوں کو جبراً عیسائی بنایا یا پھر قتل کیا گیا۔ عیسائیت قبول کرنے والے یہ یہودی "کنویسوس" (Canvesos) کہلائے لیکن عام عیسائی انہیں نفرت سے "مارانوس" (Marranos) خنزیر کہتے تھے۔

عثمانی ترکوں کے دور میں بھی مسلمانوں کی مہمان نوازی کا لطف لینے والی اس قوم نے مسلمانوں کو یہ صلہ دیا کہ عثمانی خلیفہ سلطان محمد رابع 1687ء سے [illegible] میں یہودیوں نے شبتائی زیوی کی قیادت میں ریاست کے خلاف بغاوت کی۔ جب اسے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ مسلمان ہوگیا لیکن اندرونی طور پر یہ یہودی ہی رہا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے پیروکاروں میں سے دوسو یہودی خاندانوں نے بظاہر اسلام قبول کیا لیکن اندرونی طور پر یہ یہودی ہی رہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھتے لیکن خفیہ طور پر اپنے معبدوں (Synogoge) میں عبادت بھی کرتے۔ یہ گروہ ''دونمہ'' (Donmeh) کہلاتے (مصطفیٰ کمال اتاترک اور اس کے ساتھی اسی تحریک کے رکن تھے۔ اسی فرقہ میں ایک اور گروہ پیدا ہوا جس کا سربراہ جیکب فرینک 1791ء تھا۔ اس نے جنسی آزادی کا نعرہ لگایا۔ آج کے دور کے بہت سے جدید رجحانات، سیکولرازم، تشکیک پسندی، دہریت، عقلیت پسندی، منفیت پسندی، تکثیریت اور عقیدے کو نجی معاملہ سمجھانے کے پیش رو یہی یہودی ہیں۔

اپنی اس بے خانمائی (Diaspora) جسے قرآن نے "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" کہا ہے، کے دور میں یہ قوم ایک طرف مسلم علاقوں میں بڑے مزے سے رہ رہی تھی جبکہ یورپ میں اس کے ساتھ انسانیت سوز سلوک ہو رہا تھا۔

تاریخی بدکرداریوں کی حامل یہ قوم ماضی کی طرح آج بھی ہر جگہ، ہر علاقے اور ہر قوم کے ہاں نفرت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، جس کا اقرار یہودی قوم کے نجات دہندہ ''تھیوڈور ہرٹزل'' (Theodore Hertzel) کو بھی تھا۔ ہرٹزل اس بات کا شاکی رہا ہے کہ آخر پوری دنیا میں ہم سے نفرت کیوں کی جاتی ہے؟ ہرٹزل کو یقیناً اس کا جواب بھی معلوم تھا اور وہ تھا ان کی یہ تاریخی بدکرداریاں اور احسان فراموشیاں جو آج کتبِ تاریخ و مذاہب میں پوری طرح محفوظ ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے (بنی اسرائیل) درمیان مبعوث ہونے والے ہر نبی کی زبان سے لعنت کے مستحق بنتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر آج تک دنیا کی پوری قیادت ماسوائے سابقہ امریکی صدر بش کے ان کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

ہم نے بنی اسرائیل کا یہ سارا کردار ان کے مذہبی لٹریچر کی روشنی اور حوالہ جات سے بیان کیا ہے۔ اگر اس کی پوری تفصیل کو سمویا جائے تو ان کا قومی مزاج دو خصائص پر مبنی دکھائی دیتا ہے: ''ایک نسلی تعلّی، دوسرے ہوسِ زر''۔ ماضی کی تاریخ ہو یا حال کا ذکر، یہ قوم جس علاقے اور جس ملک میں گئی اپنے نسلی برتری کے زعم کی بنا پر اقلیت میں ہونے کے باوجود وہاں کی تہذیب کو قبول کرنے کے بجائے انہوں نے وہاں اپنا کلچر تھوپنے کی کوشش کی۔

ہوسِ زر کی خاطر ان کے اخلاقی ضابطے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور اب امریکا میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ دولت کی خاطر وہاں ہر بُرائی پھیلا رہے ہیں۔ 1920ء میں ہنری فورڈ اوّل نے امریکا میں یہودی تعلّی سے خبردار کرنے کے لیے ''ہماری بین الاقوامی یہودیت'' (Our International Jews) لکھی۔ اس میں وہ ان کے مزاج کی اس خاصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The claim made for the jews that they are sober race may be true but that has not obscured two facts concerning them that they usually constitute the liquar dealers of countries where they live in numbers and that in the United States they were only the race exempted from the operation of the prohibition law."

آج اس ملک کی ہوس زر کا یہ عالم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ جس ملک کو امریکا مدد مہیا کرتا ہے وہ اسرائیل ہے۔ چنانچہ ''رون ڈیوڈ'' مشہور امریکی مصنف لکھتا ہے: ''امریکا ہر سال اسرائیل کو 3 ارب ڈالر فنڈ مہیا کرتا ہے۔ یہ امداد فی اسرائیلی 1000 اور فی اسرائیلی سپاہی 9000 ڈالر بنتی ہے۔ اس رقم میں اسرائیل کو مہیا کیا جانے والا اسلحہ شامل نہیں ہے۔'' اس طرح یہ قوم آج امریکی عوام پر بوجھ بنی ہوئی ہے۔ ہوسِ زر ہی کی وجہ سے اسرائیل عورتوں کی خرید وفروخت کا ایک بڑا مرکز ہے۔ لاہور سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ ''ندائے

مت'' نے لندن سے شائع ہونے والے مشہور عربی جریدے ''المجلہ'' کے حوالے سے ایک مضمون میں بیان کیا ہے: ''یہاں (اسرائیل) میں پوری دنیا بالخصوص روس سے لڑکیاں لائی جاتی ہیں جن کی قیمت ایک ہزار سے چار ہزار ڈالر تک ہوتی ہے۔ یہاں عورتیں کرائے پر بھی میسر ہوتی ہیں۔ 150، 300 اور 5 ہزار اسرائیلی کرنسی ''شیکل'' (Shequel) میں آدھے گھنٹے کے لیے کرائے پر عورت مل جاتی ہے جبکہ منشیات، ایڈز اور منی لانڈرنگ کا بھی یہ ملک ایک بڑا مرکز ہے۔'' جوہری نے اس ملک کے معاشرے کا یہ رنگ بتا دیا ہے۔ یوں یہ ملک اپنے ان تین خصائص کی بنا پر دنیا کی اخلاقیات کی تباہی کا سامان پیدا کر رہا ہے۔ اس ملک کی قتل و غارت گری کی پالیسی بھی کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔ اسرائیل کی اس قتل و غارت گری کا اعتراف خود اسرائیلی اہلِ علم کو بھی ہے۔ پروفیسر ''شاحق'' (Shahik) تل ابیب یونیورسٹی کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''جیوش ہسٹری اینڈ جیوش اسٹیٹ'' (Jewish History and Jewish State) میں عربوں پر اسرائیلی مظالم کی داستانیں تفصیل سے لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں پر سخت پابندی ہے کہ وہ غیر یہودیوں کو زمین مزارعت پر بھی نہیں دے سکتے۔ وہاں تعصب کا یہ عالم ہے:

"A jew could not even drink a glass of water in the home of a non-jew."

فلسطینیوں کے قتلِ عام کے بارے میں معروف اسرائیلی مؤرخ ''ایلان پاپ'' (Ilan Pape) جو 2007ء تک حیفا یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہیں، کی کتاب ''The Ethnic cleansing of Palist'' میں درج ہے: ''دسمبر 1947ء سے 1949ء تک فلسطینیوں کا مسلسل 31 بار قتلِ عام ہوا۔ یہودیوں نے فلسطینیوں کی 418 بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔'' ماہنامہ مذکورہ مؤرخ کے حوالے سے مزید لکھتا ہے کہ موصوف نے جنوری 2008ء میں ''مانچسٹر میٹرو پولیٹن'' یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''جس طرح فلسطینیوں کا نسلی صفایا ہوا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد

اسرائیل نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتل عام کر کے نصف سے زیادہ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ہے جو اب دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔ یہ دہشت گردی کی تاریخ کا وہ تسلسل ہے جو انبیاء کے قتل سے شروع ہو کر فلسطینیوں کے قتل تک آ پہنچا ہے۔ اپنے انبیاء کی قاتل قوم غیر یہودی نسل کے لوگوں کی طرف انسان دوستی کا ہاتھ کیسے بڑھا سکتی ہے؟ یہ سوچنا بھی حماقت ہے۔''

اخلاقی گراوٹ کے لحاظ سے بھی اسرائیل دنیا کے ممالک میں صفِ اوّل پر ہے۔ آج انسانیت جس بداخلاقی و بدکرداری کی طرف جارہی ہے اس میں بھی مکمل اسرائیل کا ہاتھ ہے۔ یہودی نیٹ ورک ''فوکس لائف'' (Fox Life) چینل کے شرمناک پروگرام اور انٹرنیٹ پر حیا سوز فلمیں یہودی بداخلاقی کی زندہ تصویر ہیں۔ تل ابیب ہم جنس پرستی کا دنیا میں ایک بڑا مرکز ہے۔ یہاں کا ''Gay Pride Centre'' مشہور ہے جہاں ہر سال ایک لاکھ ''Gay'' جلوس نکالتے ہیں۔

اسرائیل میں شراب سازی کی صنعت بڑے زوروں پر ہے۔ تقریباً دو درجن کارخانے اسرائیل میں شراب بناتے ہیں۔ یہاں کی تیار کردہ شراب، فرانس جو شراب سازی میں سب سے آگے ہے، کی شراب سے زیادہ پسند کی جاتی ہے۔ شراب بنانے کے لیے ''بوتیک شراب ساز کارخانے'' (Boutique Wineries) قائم کیے گئے ہیں۔ ان میں مشہور بوتیک یروشلم کے مغرب میں جوڈیا کے پہاڑوں میں ہے۔ اس کی تیار کردہ شراب کو مسلسل تین سال ''وائن آف دی ایئر'' (Wine of the Year) کا اعزاز مل چکا ہے۔

فحاشی کے پھیلاؤ کے لیے ''Enlightenment'' کی اصطلاح یہودی تاریخ کی ایجاد ہے۔ جس کے مطابق اٹھارویں صدی میں مشرقی یورپ کے ''آرتھوڈکس'' یہودیت کی تحریک برائے تحفظ یہودی تہذیب اٹھی، تو اسی دور میں اس کے برعکس مغربی یورپ میں یہودیوں میں اخلاقیات سے آزادی کی تحریک چلی۔ اس تحریک کا کرتا دھرتا ایک یہودی ''موسیٰ مینڈلسن'' (Moses Mondelessohn) 1786ء تھا:

"As such Mendelssohn became a symbol and reform and liberalism-a reform of belief and in religious matters."

اس تحریک کو مزید تقویت انقلاب فرانس اور نپولین کی فتوحات نے مہیا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے اپنی معاشرتی حیثیت مضبوط بنانے کے لیے اخلاقی آزادی، آزاد خیالی اور روشن خیالی کی بنیاد پر "ریفارم یہودیزم" (Reform Judaism) کے نام سے یہودی مذہب میں ایک تبدیلی قبول کی۔ اس روشن خیالی کے نتیجے میں یہودی سوسائٹی میں تین بڑے کام ہوئے:

(1)...... مذہب اور معاشرت دو الگ الگ چیزیں تسلیم کی گئیں۔ اس کے مطابق مذہبی لحاظ سے یہودیت کا مکمل وفادار رہتے ہوئے مغربی تہذیب کو مکمل طور پر اپنا لیا گیا۔ یہی چیز اب مسلمانوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(2)...... یہودی لٹریچر کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے تحت مسلمانوں کو یہ ترغیب دینا ہے کہ وہ اپنی تمام مذہبی کتب بشمول قرآن کو صرف دیگر زبانوں میں شائع کیا جائے اور اصل ٹیکسٹ سے جان چھڑوائی جائے۔ اسی بنا پر آج کل صرف تراجمِ قرآن شائع کرنے کی مختلف جانب سے کوششیں ہو رہی ہیں۔

(3)...... خواتین کو بھی صومعہ میں ربی کے طور پر قبول کیا گیا۔ بالکل اسی انداز میں مسلم سوسائٹی میں بھی اس قسم کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مساجد میں خواتین ائمہ رکھی جائیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل امریکا کی کسی مسجد میں پینٹ شرٹ میں ملبوس ایک خاتون نے امامت کرائی تھی جس کی تصاویر بمع خبر اخبارات میں چھپی تھیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارے ہاں بعض نام نہاد مذہبی تنظیمیں تبلیغِ دین کے بہانے عورتوں میں دروسِ قرآن کا اہتمام کرتی ہیں اور اس میں خواتین کی نماز باجماعت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ یہ اصل مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے جس کی خاطر ان تنظیموں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان تمام معروضات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے:

1- اللہ کے احکام سے علی الاعلان روگردانی کرنا اس قوم کا شیوہ رہا ہے۔ اس سلسلے میں یہ قتل انبیاء سے بھی نہیں چوکے۔

2- ہوسِ زر کی بنا پر بداخلاقی اور بدکرداری پھیلانا ان کے قومی کردار کا حصہ ہے۔ آج بھی یہودیوں کے ذرائع ابلاغ اس شیطانی مہم میں لگے ہوئے ہیں۔

دجالی ریاست: مغربی مفکرین کی نظر میں

''عالمی دجالی ریاست'' کا قیام اور اہداف

ایک غیر مسلم صحافی کے زاویۂ نظر سے

قارئین کرام! اگلے صفحے میں آپ جو تحریر پڑھنے جا رہے ہیں، یہ کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک باہمت صحافی کی تحریر ہے جس نے خطرات مول لے کر اسرائیل کا پُر خطر سفر کیا اور واپس آ کر مغربی دنیا کی آنکھیں کھول دینے والی ایک زوردار معلوماتی کتاب لکھی۔ کتاب کا نام ''نیا عالمی نظام اور دجال کا تخت'' (The New World Order Land Of Thorn Of Antichrist) ہے۔ نام ہی سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ''نفرت کی ریاست'' اسرائیل کے بارے میں یہ خیال کہ وہ دجال کی عالمی حکومت کا پایۂ تخت ہے، صرف مسلم زعما کا نہیں، بہت سے مغربی دانش ور بھی اسے اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کتاب کی تلخیص اس غرض سے پیش کی جا رہی ہے کہ ہمارے قارئین اس حقیقت تک پہنچ سکیں کہ غیر مسلم اہلِ مغرب میں سے بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو حالات و واقعات کو صہیونی عینک کی نظر سے نہیں بلکہ حقیقت تک رسائی کے شعور سے دیکھتے ہیں اور دنیا میں پیش آنے والے مخصوص حوادث کے پیچھے کارفرما خفیہ شیطانی قوتوں کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ تلخیص آپ کو بتائے گی کہ مغرب کے باشعور دانش ور جو صہیونیت کے اثر سے اپنے آپ کو بچائے ہوئے ہیں، دنیا کو وہی چیز باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی طرف مسلم مفکرین مسلسل توجہ دلا رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں کے اندازِ فکر اور اندازِ بیان میں فرق ہے۔ آخر کیوں نہ ہو؟ جبکہ ایک کو وحی کے سچے علم سے رشد و ہدایت اور استفادے کا موقع دستیاب ہے اور دوسرا محض اپنی عقل اور بصارت سے دھندلے شیشے کے پار دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس

معرکۃ الآرا کتاب کے خلاصے سے قارئین کو یہ بھی پتا چلے گا کہ مشاہدہ اور تحقیق کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر اس کی فکر راست سمت میں سفر کر رہی ہے تو اس کے اندازے آگے پیچھے درست ثابت ہو جائیں گے اور انسانی فطرت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک ہی نتیجے تک جا پہنچے گی۔ پھر دیکھیے کہ غیر مسلم مفکرین موجودہ حالات کو کس زاویے سے دیکھتے اور مستقبل قریب میں دنیا کو پیش آنے والے واقعات کو کس انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

ہم پہلے مصنف کا تعارف دیں گے پھر کتاب کا تعارفی خلاصہ پیش کریں گے۔ اس کے بعد آپ اصل کتاب کی تلخیص ملاحظہ کر سکیں گے۔ یاد رہے کہ مصنف مغربی قلم کار ہے لہٰذا وہ "مسلمانوں" کے بجائے "عرب" کا لفظ استعمال کرتا اور فلسطین کے معرکے کو اسلام اور یہودیت کے بجائے "عرب اور اسرائیل تنازع" کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وہ القاب استعمال نہیں کرتا جو مسلمانوں کا خاصہ ہیں۔ یہ القاب راقم نے "مربع قوسین" میں بڑھائے ہیں۔

مصنف کا تعارف:

مصنف کا نام "رابرٹ اوڈرسکول" ہے۔ 1938ء میں پیدا ہوئے اور 1996ء میں انتقال ہوا۔ ان کا آبائی وطن کینیڈا ہے اور یہ پیشے کے اعتبار سے معلم ہیں۔ انگلینڈ، آئرلینڈ اور کینیڈا کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ "یونیورسٹی آف ٹورنٹو" میں عرصہ دراز تک اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ تدریس کے ساتھ ان کو تحقیق اور تصنیف کا عمدہ ذوق بھی تھا۔ یہ مغرب کے ان انسانیت پسند اور منصف مزاج لوگوں میں سے ہیں جو اعلیٰ انسانی اقدار اور آفاقی انسانی اصولوں کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے ضمیر کا گلا نہیں گھونٹا، نہ آنکھوں کے آگے تعصب کی دھند آنے دی ہے۔ ان کے اندر چھپے متجسس تحقیق کار نے جب انہیں کھوج اور جستجو پر آمادہ کیا تو انہوں نے اس راہ میں آنے والے خطرات کی پروا نہیں کی۔ ایک طرف تو تحقیق کا مستند معیار ان کے پیشِ نظر رہا ہے اور دوسری طرف تحقیق کے نتائج سے دنیا کو آگاہ کرنے میں انہوں نے کسی خوف کو آڑے نہیں آنے دیا اور نہ کسی دیدہ یا نادیدہ دشمن کی دشمنی انہیں اس سے باز رکھ سکی ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کے دوران جن مختلف مصنفین کی تحقیقات سے استفادہ کیا، ان کے حوالے

فراخدلی سے دیے ہیں تاکہ علمی خدمات میں ان کی اوّلیت کا اعتراف کیا جاسکے۔ ان میں ڈیس گریفن، آئی ونوف ڈبروسکی اور ایرڈ کلس شامل ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ ''ڈیس گریفن'' سے کیا۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ڈیس گریفن کو بھی آپ سے متعارف کروا دیا گیا ہے۔

''ڈیس گریفن'' ایک سینئر لکھاری اور محقق مزاج امریکی مصنف ہے۔ اس نے اب تک پانچ معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں۔ 1985ء میں اس نے ایک جریدے ''The Midnight Messenger'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی حالات کے بارے میں دنیا کو آگاہی دینا تھا۔ اس ششماہی جریدہ کی امریکا کی 50 ریاستوں اور دنیا بھر کے 12 ممالک میں اشاعت ہوتی ہے۔ گریفن امریکا کا بے باک مصنف سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم نیٹ سے اس کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ نیٹ پر دی گئی معلومات چونکہ یہودی لکھاریوں کے زیرِ اثر ہوتی ہیں، اس لیے اگر آپ ''ڈیس گرفن'' کے بارے میں معلومات لینے نیٹ پر جائیں تو آپ کو اس کا تعارف ایک مخصوص انداز میں مخصوص اصطلاحات کے استعمال کے ساتھ مذمتی اسلوب میں ملے گا، جو اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کی تحقیقات نے اگر صہیونیت کی صفوں میں دراڑ پیدا نہیں کی تو کھلبلی ضرور مچائی ہے۔ یہی حال زیرِ نظر کتاب ''دجال کا تخت'' کا ہے۔ آپ اسے سرچ کرنا چاہیں گے تو اس کے بیسٹ سیلر ہونے کے باوجود آپ کو نیٹ پر اس کی تفصیلات لینے میں بہت مشکل محسوس ہوگی۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے فی الواقع ''برادری'' کی دُکھتی رگ کو چھیڑا ہے۔ تعارف ملاحظہ فرمائیے:

''ڈیس گریفن'' (Des Griffen) سازشی ذہن رکھنے والا ایک قدامت پسند امریکی لکھاری ہے۔ یہ ٹھوس عیسائی نقطۂ نظر سے لکھتا ہے اور بنیادی طور پر عالمی سازشوں اور خاص طور پر نیو ورلڈ آرڈر کے موضوع میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کی کتابیں امریکی حکومتی کرپشن اور بدنامِ زمانہ یہودی منصوبہ سازوں کے گروہ ''الومیناتی'' (Illuminati) کے امریکی معاشرے پر اثرات کے درمیان رابطہ دکھانے کی کوشش پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح فری میسنری اور ورلڈ بینکس اس کے خاص موضوع ہیں۔ یہ روتھس چائلڈ فیملی اور راک فیلرز کے دنیاوی سیاست میں خفیہ اثر پر یقین رکھتا ہے۔ اس کی کتاب ''Fourth Rich of the Rich'' آٹھ مرتبہ شائع ہوئی اور اس کا

جرمن زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ 1980ء کی دہائی میں اس کا خاص مشغلہ ''کنگ مارٹن لوتھر'' کی استوری کی تحقیق و تفتیش کرنا تھا تاکہ اس پُراسرار کہانی کے پیچھے اصل آدمی کو دریافت کر سکے۔ 1975ء میں یہ ایک آزاد پباشنگ ہاؤس ''Emissary Publications'' کے اہم بانیوں میں سے ایک تھا۔ 1985ء میں اس نے ایک اخبار ''midnight Messenger Newspaper'' کے نام سے بھی تیار کیا جس کو یہ عموماً خود ہی اپ ڈیٹ کرتا ہے۔ ''Emissary Website'' پر اور ''Conspiracy Nation'' کے لیے بھی لکھتا ہے۔ صہیونیت پر اس کے آرٹیکل ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔ ہتکِ عزت کی مخالف جماعت [یہاں اس سے صہیونی لابی مراد ہے۔] اس کی تحریر کو سامیوں کی مخالف [یعنی یہود مخالف] خیال کرتی ہے۔ اس کی کتابوں کے نام سے اس کے کام کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

- غلامی میں اُترنے کا عمل (1980ء)
- مارٹن لوتھر کنگ، کہانی کے پیچھے اصل آدمی (1987ء)
- سامی مخالف اور بے بی لونین تعلق (1988ء)
- دوزخ کے طوفانی گیٹ (1996ء)
- بائبل کے حقائق اللہ کے منتخب بندوں کے بارے میں (1996ء)

اس وقت ''گریفن'' اپنی چھٹی کتاب پر کام کر رہا ہے جس کا نام ''Stroming the Gates of Hell'' ہے۔

کتاب کا تعارف:

زیرِ نظر کتاب ''نیا عالمی نظام اور دجال کا تخت'' کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسرائیل پر ہے۔ اس میں مصنف نے اسرائیل کے قیام کی سازشی داستان بیان کی ہے۔

دوسرے حصے میں مصنف نے فلسطین کی موجودہ صورت حال اور فلسطینیوں کی کسمپرسی اور بے بسی کا ذکر کیا ہے۔ اسرائیل کا سیاسی قیدیوں پر ظالمانہ تشدد اور متاثرین سے براہِ راست سنی ہوئی داستان تحریر کی ہے۔ یہ ایک مغربی مصنف کی براہِ راست گواہی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ

فلسطین پر مظالم کی جو داستانیں اسرائیل کی جیل سے باہر نکلتی ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور المناک ہیں جتنا ہم سنتے ہیں۔

تیسرے حصے میں مصنف نے اسرائیل سے واپس اپنے ملک (کینیڈا) جاتے ہوئے پیش آنے والے سنسنی خیز واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اسرائیلیوں کی سنگ دلانا ذہنیت اور متعصبانہ فطرت کا پتا چلتا ہے۔ آخر میں صہیونیت پر زوردار معلوماتی تبصرہ کیا ہے اور دنیا والوں کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات اور ان کے سدِّ باب کا طریقہ اپنے فہم کی حد تک بیان کیا ہے۔ بندہ نے اس حصے میں مربع قوسین لگا کر جا بجا کچھ اضافات کیے ہیں۔ یہ کتاب کا سب سے دلچسپ اور زوردار حصہ ہے۔ اس تبصرے کے آخر میں اس نے صہیونیت کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکی قوم کو جو تجاویز دی ہیں، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ سطریں اس کتاب کا حاصل اور نچوڑ ہیں۔

یاد رہے کہ یہ مقالہ اسرائیل کے بارے میں 93-1991ء کے دوران لکھا گیا تھا۔ اس میں فلسطینیوں کے بارے میں جو بھی بتایا گیا ہے وہ PLO یا حماس کے زاویۂ نظر سے ہرگز بیان نہیں کیا گیا۔ اس میں PLO کے کسی رکن کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا گیا ہے، اس میں زیادہ تر عام عوام، صحافی اور انسانی حقوق کے نمائندوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس لیے یہ تحریر انتہائی متوازن، معتدل اور تمام اہلِ انصاف کے نزدیک معتبر قرار دی جا سکتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس نے دجال کو ایک شیطانی طاقت یا شیطانی کارندے کے طور پر نہیں لیا اور نہ اسے مذہبی رنگ سے دیکھا ہے، بلکہ وہ اسے ایک ہوس پرست اور حریص معاشی طاقت کے طور پر دیکھتا اور تبصرہ کرتا ہے جو ساری دنیا کے وسائل پر قبضہ کر کے انسانی نسل میں سے چند لوگوں کا کلی اقتدار قائم کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے مغربی تحقیق کار جب اپنی آسمانی کتابوں تورات اور انجیل سے بھی رہنمائی حاصل نہ کریں گے جبکہ ان میں دجال کے برپا کردہ فتنوں کا متعدد مقامات پر مختلف انداز میں تذکرہ موجود ہے تو حالات کو محض مادّی تناظر میں ہی دیکھیں گے۔ بہر حال اس سب کچھ کے باوجود کتاب ایک دلیر صحافی اور نڈر تحقیق کار کی جرأتمندانہ کوشش اور چشم کشا حقائق پر مشتمل ہے جس پر ہمیں مصنف کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

اس تلخیص میں آپ پہلے مقدمہ پڑھیں گے، پھر بالترتیب اس کے تین حصے اور آخر میں خلاصہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ان تحقیق کاروں کو اس زبردست محنت کے صلے میں مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے سے پہلے سچے دین کی ہدایت نصیب فرمادے۔ آمین۔

دجال کا تخت

(مقدمہ)

جیسے جیسے ہم زندگی کی کشتی میں سوار ہو کر اختتام کے ساحل طرف سفر کرتے ہیں، راستے میں کہیں نہ کہیں ہمیں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ ہماری زندگی اور تاریخ میں جتنے بھی حادثے ہوئے ہیں، وہ شاید حادثے نہ ہوں۔ شاید وہ ایک منظم منصوبے کا حصہ ہوں حتیٰ کہ ایک فرد یا متعدد اشخاص نے اس کی باقاعدہ پلاننگ کی ہو۔ ''منصوبے'' کی جگہ ''سازش'' کا لفظ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آج کل ہم اپنی زندگی اور معاشرے پر [یعنی امریکیوں کی زندگی اور مغربی معاشرے پر] جو اثرات دیکھ رہے ہیں، کیا وہ ایک طے شدہ منصوبے کا نتیجہ ہیں جس کی مسلسل نگرانی کی جارہی ہے؟ ہمیں کیا محسوس ہوتا ہے جب ایسا خیال ہمارے ذہن میں آتا ہے؟ اگر ہم ایسا ہی محسوس کرتے ہیں تو ہم یقیناً اکیلے نہیں ہیں۔ پچھلے 60 سالوں کی غلطیوں اور حماقتوں پر اگر نظر دوڑائی جائے تو ایک Best Seller مصنف ''Gray Allen'' امریکا پر اپنے مضمون کے بارے میں کہتا ہے:

''اگر ہم اوسط کے قانون کے لحاظ سے دیکھیں تو امریکی تاریخ کے آدھے سے زائد واقعات ہماری بہتری کے لیے تھے، جبکہ بقیہ آدھے واقعات امریکا کے لیے اچھے نہیں تھے۔ اگر ہم اپنے رہنماؤں کی نااہلی اور ناعاقبت اندیشی کو بھی مدنظر رکھ لیں تو ہمارے رہنما اکثر ہمارے حق میں غلطی کرتے رہے ہیں۔ لیکن ہم محض کسی اتفاق یا پھر کسی حماقت کا سامنا نہیں کررہے، ایک منظم اور ذہین ترین منصوبہ بندی کا سامنا کررہے ہیں۔''

پچھلے 200 سالوں میں بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری شخصیات نے اس ''سازش'' [یعنی امریکیوں کے خلاف امریکا ہی میں کی جانے والی سازش] کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہمیں اسے ''چند عناصر کی سازش'' بتاتے ہیں۔ ان شخصیات میں Dissali، Foril، Henry، Charles، Lindherth، Caldinel، Taylor اور عقل و دانش کا قلعہ سمجھے جانے والے Winston

Churchill بھی شامل ہیں۔

حتیٰ کہ چرچل نے تو 1920ء میں یہ بیان دیا تھا:

''ایک بین الاقوامی سازش ہمارے بہت قریب ہے جس کا مقصد ''تہذیب وتمدن کا خاتمہ'' اور ''انسانی معاشرے کی از سرِ نو تعمیر'' ہے۔ یہ سازش اتنی ہی گھناؤنی ہے جتنی کہ عیسائیت پاکیزہ ہے اور اگر اس کو نہ روکا گیا تو یہ عیسائیت کی تعلیمات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی۔''

چرچل بالشویک انقلاب کا سخت مخالف تھا اور وہ اس کو ایک سیاسی تبدیلی سے آگے کی چیز کے طور پر دیکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ ایک نئی بادشاہت کے قیام کے لیے ایک آڑ یا پردہ ہے۔

ایک دجالی بادشاہت کا قیام:

''کچھ لوگ یہود کو پسند کرتے ہیں کچھ نہیں، لیکن کوئی باشعور شخص اس بات سے انکار نہیں کرے گا کہ یہ ایک ناپسندیدہ اور انتہائی سے زیادہ حیرت انگیز نسل ہے جو کہ اس دنیا میں آئی ہوگی۔''

اچھائی اور بُرائی میں جو جنگ ہمیشہ انسانی سینے میں جاری ہوتی ہے، کہیں بھی اتنی زیادہ شدت اختیار نہیں کرتی جتنا کہ یہودی نسل میں اختیار کرتی ہے۔ انسانی فطرت کا دوغلا پن کہیں بھی اتنا کھل کر سامنے نہیں آتا جتنا کہ اس نسل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ قوم موجودہ دور میں اخلاقیات وفلسفہ کا ایک نیا نظام لے کر آنا چاہ رہی ہے یا پھر اس کو ترتیب دے رہی ہے۔ یہ نیا نظام اتنا ہی گھناؤنا ہے جتنی کہ عیسائیت پاکیزہ ہے اور یہ نظام عیسائیت کو مسخ کر کے رکھ دے گا۔ اس گھناؤنی سازش میں شامل افراد نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر اپنے ذہنوں کو موت کے بعد کی روحانی دنیا سے خالی کر لیا ہے۔

یہودیوں میں یہ کوئی نئی تحریک نہیں۔ Sparataus-Weishaupt کے زمانے سے لے کر ''ٹراٹسکی'' (Trotsky) روس، ''بیلا کن'' ''کارل مارکس'' (Karl Marx) سے لے کر (Bela Kun) ہنگری، ''روزا لینن بری'' (Rosa Lunenboury) جرمنی، اور ''ایما گولڈ مین'' (Emma Goldman) امریکا کے دنوں تک اس ''بین الاقوامی سازش'' نے زور پکڑنا شروع کر دیا ہے۔ یہ روز بروز بڑھتی اور پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اسی سازش نے فرانسیسی

انقلاب میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ انیسویں صدی کی بیشتر تحریکوں کا اس سے تعلق کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب انہی لوگوں نے، ان غیر معمولی لوگوں نے جن کا تعلق یورپ اور امریکا کی چھپی ہوئی قوتوں سے ہے، رُوسی عوام کو ان کے بالوں سے دبوچ لیا ہے اور ان کے سروں کو قابو کر لیا ہے۔ اب وہ اس بڑی سلطنت کے ''غیر متنازع آقا'' بن چکے ہیں۔

اس موضوع پر میں نے یعنی [رابرٹ اوڈسکول :Robert O`Driscoll] نے ایک نظم لکھی اور ساتھ ہی اس کے کئی مقالے تھے جس کو '' The Nato and Waraw Pact are one '' کے نام سے کتابی شکل دے دی گئی۔ ابتدا میں تو یہ کام صرف نظم کی حد تک محدود تھا لیکن اس کو ایک تحقیقی مقالے کی شکل دینا انتہائی مشکل ثابت ہونے لگا۔ جس چیز کو ہم حالات و واقعات کے مشاہدے کی فطری جبلّت کو استعمال کرتے ہوئے جانچ لیتے یا پہچان لیتے ہیں، وہ بعینہٖ اسی طرح مقالے کی شکل میں پیش نہیں کیے جا سکتے، کیونکہ اس کے لیے ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں خود اپنی تربیت اور پیشے کے اعتبار سے ایک معلّم ہوں۔ پچھلے تیس سالوں سے برطانیہ، آئرلینڈ اور کینیڈا کی جامعات میں پڑھاتا آیا ہوں، جس میں کینیڈا کی سب سے بڑی جامعات میں سے ایک ''یونیورسٹی آف ٹورنٹو'' بھی شامل ہے۔ میں یہاں 25 سال سے پڑھا رہا ہوں۔ میں نے اسی مقصد کے تحت اس موضوع پر لکھے گئے مواد میں غوطے لگانے شروع کیے جس میں یورپ، شمالی امریکا اور جاپان وغیرہ کا تاریخی اور عسکری مواد شامل ہے۔ ان ہزاروں لاکھوں تحریروں اور مقالوں یا پھر کتابوں میں سے اکثر و بیشتر ہمیشہ کے لیے کھو چکی تھیں۔ ان کے آثار یا تو کسی کتاب میں حوالے کی حد تک محدود ہیں یا پھر کسی لائبریری میں کسی اندھے تاریک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب میں اپنے جمع کردہ اقتباسات اور حوالہ جات کو جانچ رہا تھا تو میں یہ بات محسوس کر کے اور بھی زیادہ حیرت زدہ ہو گیا کہ ''دجال کے اس تخت'' کی تیاری منظم ترین انداز میں پچھلے دو سو سالوں سے جاری ہے۔

اس موقع پر میں خود ایک دوراہے پر کھڑا تھا۔ یا تو میں اس سارے مواد کو اکٹھا کر کے اپنی ساری عمر اس کو ترتیب دے کر ایک کتاب لکھنے میں گزار دیتا جو کہ میں اکیلے لکھتا، یا پھر دوسرا طریقہ

یہ تھا کہ ان تمام مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور آخر میں ان میں سے سب سے جامع کتاب لکھنے والے میں سے ایک کو چن لیتا جو کہ میری کہانی سناتا (یعنی میں اس کے لکھے ہوئے مواد سے اپنی کی ہوئی تحقیق کو سہارا دیتا)

اس کے لیے میرے نزدیک سب سے موزوں شخص ''ڈلیس گریفن'' تھا جس نے اپنی تیس سالہ تحقیق میں پانچ کتابیں لکھی تھیں۔ میں گریفن کے پیش کردہ نتائج سے نہ صرف بہت متاثر ہوا تھا بلکہ اس کے طریقۂ تحقیق سے بھی بہت متاثر ہوا جس کی مدد سے اس نے یہ نتائج حاصل کیے تھے۔

دوسرے لکھاریوں کی بہ نسبت سرکاری دستاویزات جیسے ''War Office Records'' اور ''Public Record'' پر بہت زیادہ انحصار کرنے کے بجائے، جو کہ اکثر لوگوں کی کمزوری رہی ہے، خاص طور پر اس موضوع پر لکھنے والے مصنفوں کی، گریفن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصل حقائق یا بنیادی حقائق کو کبھی بھی متضاد طور پر مشہور کیے گئے فرضی دلائل کی خاطر نظر انداز نہیں کرتا۔ پردے کے پیچھے کے واقعات کو تمام حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ وہ اس نیت سے تحقیق کرتا ہے کہ اس سازش کو تیار کرنے والوں نے اصل حقائق احتیاط کے ساتھ دبا دیے ہیں، لیکن عسکری رازوں کو ایک خاص موقع کے بعد چھپایا نہیں جاسکتا، چاہے وہ جنگ ہو یا کچھ اور، کیونکہ جب فوجی ریٹائر ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ ایک عام شہری اور ایک عام انسان بن جاتا ہے۔ عام شہری کی طرح شیخیاں بھگارتا ہے، اپنے کارنامے اور مشاہدے اِدھر اُدھر ہانکتا ہے اور اپنے افعال کو وسیع تر تناظر میں دیکھتا ہے۔ گریفن اسی مقصد کے تحت ان لوگوں کا حوالہ دیتا ہے جو اس وقت وہاں پر موجود تھے۔ جیسے کانگریس کے ارکان، وزیر دفاع، ایڈمرل، جرنیل اور سفیر وغیرہ۔ اس کے علاوہ سینیٹ اور ایوانِ نمایندگان کی کمیٹیاں جنہوں نے تحقیقاتی رپورٹیں تیار کیں۔ جنگ کے دوران جاری کیے گئے پمفلٹ اور اس دوران عسکری مرکز سے دیے گئے احکام۔

میں نے گریفن کے اصولوں اور طریق کار کو سختی سے اپنایا اور اپنی تحقیق کے دوران سخت معیار اور تحقیق کے اصولوں پر پابند رہا۔ اس کے علاوہ حقائق کی سچائی کو ہر نکتۂ نظر سے دیکھا اور ان کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ گریفن وہ شخص ہے جو ایک

وسیع تناظر میں تمام واقعات کو دیکھتا ہے اور انہیں مشرقی اور مغربی تاریخ کی کہانی میں جا کر سمجھتا ہے۔ وہ اس بات میں بھی تفریق کر سکتا ہے کہ کیا چیز حقیقی ہے اور کیا چیز حقائق کو ردوبدل کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے؟ اس لیے میں نے امریکا اور روس کے بارے میں کریشن کی کتاب سے مضامین لیے تاکہ قارئین ایک تحقیق کار کی تحقیق کو دوسرے تحقیق کار کے جائزے اور جانچ کے بعد ملاحظہ کر سکیں۔

رابرٹ اوڈرسکول
یونیورسٹی آف ٹورنٹو
13 ستمبر 1992ء

حصہ اوّل

اسرائیل کیسے وجود میں آیا؟

ایک پُر خطر سفر کی روئیداد

ذیل میں ہم کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک نڈر صحافی ''رابرٹ اوڈرسکول'' کا ''سفرنامۂ اسرائیل'' دے رہے ہیں۔ اس صحافی نے جان جوکھوں میں ڈال کر اسرائیل کا سفر کیا۔ مسلمانوں اور یہودیوں سے ملاقاتیں کیں۔ اسرائیلی افواج کی کارستانیاں دیکھیں۔ حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور واپسی پر اسرائیلی تفتیش کار افسروں کو کامیابی سے غچہ دے کر نکل گیا، جبکہ اس کے پاس ایسی تصویریں اور نوٹس موجود تھے جو اسے اسرائیلی جیلوں میں نصب گونگی بہری سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتے تھے۔ وطن واپس پہنچ کر اس نے اپنی یادداشتوں کو بڑے دلچسپ انداز میں مرتب کیا اور درحقیقت وہ کام کیا جو کسی مسلمان صحافی کو کرنا چاہیے تھا۔ ہم سب کو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ رب العزت مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی اس مدد کے صلے میں اسے اس دنیا سے جانے سے پہلے ہدایت نصیب کرے تاکہ وہ دنیا وآخرت کی فلاح کا مستحق ہو جائے۔

صہیونیت اسرائیل کو جنم دیتی ہے:

انیسویں صدی (1800's) کے آغاز سے ہی یورپ اور امریکا میں ''سیاسی صہیونیت'' ایک نئی طاقت بن کر ابھری لیکن تاریخ خود اس بات کی گواہ ہے کہ صہیونیت کی سب سے زیادہ مدد یورپ اور بحراوقیانوس کے پار امریکا میں موجود ''روتھ شیلڈ'' کے گماشتوں نے کی۔ راتھس چائلڈ خاندان خود بھی ''خازار'' نسل کا یہودی تھا۔ 1880ء کی دہائی میں مشہور یہودی سرمایہ دار Baron Edmund de Rothschild نے ''خازار'' نامی یہودیوں کی ایک خاص نسل کے لیے بہت

ساری خازار بستیاں فلسطین میں بنائیں۔ خازار زیادہ تر یہودی ہیں۔ ''روتھ شیلڈ'' فیملی خود بھی ''خازار'' یہودی ہیں اور کٹر قسم کے تالمودی یہودی ہیں۔ جن کے مذہب نے ان کے علاوہ ان کو اور کچھ نہیں سکھایا کہ وہ گوئے (Goy) یا (Gentile) کو (یعنی عام انسانوں کو۔ یہ دونوں اصطلاحات دراصل غیر یہودیوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔) پلید اور حیوانوں سے بھی بدتر اور یہودی نسل کو سب انسانوں سے برتر سمجھیں۔ ''روتھ شیلڈ'' اپنے قبیلے کے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لیے بے دریغ پیسہ خرچ کرنے کے علاوہ اس معاملے میں انتہائی تشدد اور شدت پسند تھا اور اس حوالے سے کسی یہودی کی مداخلت یا ایسا مشورہ بھی برداشت نہ کرتا تھا جو اس کے مزاج کے خلاف ہو۔ ایک مرتبہ اس نے یعنی ''ایڈمنڈ روتھ شیلڈ'' (Edmund Rothschild) روسی صہیونیوں کو صاف صاف منع کر کے اس وقت جھڑک دیا تھا جب انہوں نے ان یہودی آبادی کے متعلق اپنی تجویز دی تھی کہ اس کے معاملات کس طرح چلائے جائیں؟ وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی تھا کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا: ''یہ میری بستیاں ہیں اور میں یہاں وہی کچھ کروں گا جو میں چاہوں گا۔''

(Morton, The Rothschild p30-31)

جدید صہیونی سیاست کی بنیاد ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل نے اس وقت رکھی جب اس نے 1897ء میں صہیونی کانگریس کی بنیاد رکھی اور سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل (Basel) میں پہلی عالمی صہیونی کانگریس بلائی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے وفود میں سے زیادہ کا تعلق مشرقی یورپ سے تھا جن کی تعداد 197 تھی۔ اس کانگریس کو مغربی یورپ کے زیادہ تر یہودیوں نے نظر انداز کر دیا۔

اس کے علاوہ اگر پچھلے واقعات پر نظر دوڑائی جائے تو ہمیں پتا چلے گا کہ ہرزل کو یقیناً کسی نے آگے بڑھایا ہوگا، اس کی مدد اور اس کی پشت پناہی کی ہوگی۔ جیسے اس کا ''یہودی ریاست'' (The Jewish State) نامی کتابچہ لکھنا اور اس کی اشاعت، اسی طرح سے اس کا سوئٹزرلینڈ میں عالمی صہیونی کانفرنس بلانا۔ ایک اور چیز قابل غور ہے کہ باسل میں بلائی گئی کانفرنس میں مغربی

یہودیوں کی عدم دلچسپی ایک ہی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یقیناً وہ اسے نسل پرست یہودیوں کا ایک "خازار منصوبہ" سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ اس میں دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔

اس کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ خود ہرتزل نے لکھا تھا: "اس کانفرنس میں ہم نے روسی یہودیوں کی ایسی طاقت دیکھی جس کا پہلے ہم نے اندازہ بھی نہیں لگایا تھا اور وہ ہمارے دشمن بن گئے تھے۔ 70 سے زائد وفود روس سے آئے تھے اور وہ روس کے پچاس لاکھ یہودیوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ہمارے لیے یہ کتنی ذلت کی بات ہے کہ ہمارے مخالفین نے ہماری طاقت کو نظر انداز کر رکھا ہے۔"

(Read the controverry of Zainuism, Page 200)

یہی وہ لمحہ تھا جہاں سے "تالمودی یہودیت" کا مغرب پر اثر بڑھنا شروع ہو گیا اور مغربی طاقتوں نے "تالمودی یہودیوں" (یا صیہونی یہودیوں) کو ساری یہودیت کا نمائندہ تسلیم کر لیا۔ اس کا آگے چل کر ہم ذکر کریں گے کہ اس غلط فہمی کی وجہ سے مغربی معاشرے میں ایک تباہ کن اثر رونما ہوا۔

چونکہ مشہور یہودی سرمایہ دار "روتھ شیلڈ" ز کے زیر اثر یہودی بین الاقوامی بینکروں اور صیہونی سیاست دانوں کے سیاسی مقاصد اور عزائم ایک ہی جیسے تھے۔ اسی لیے اس وقت کے بعد سے صیہونیت کی سب سے بڑی مدد امریکی سرزمین سے آئی۔ یہ مدد خاص طور سے اس وقت سے شروع ہوئی جب 1913ء میں وفاقی ریزرو ایکٹ (Federal Reserve Act) کے ذریعے امریکی معیشت کی شہ رگ تالمودی بینکروں کے حوالے کی گئی۔

مشہور یہودی رہنما ربائی وائز (Rabbi Wise) اپنی کتاب Challenging Years کے صفحہ 186 اور 187 میں لکھتا ہے:

"وڈرو ولسن" (Woodrow Wilson) کی انتظامیہ کے بارے میں برینڈیز (Brandies) اور میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اس میں ہمیں شروع ہی سے ایک ہمدرد اور خیر خواہ مل جائے گا جو کہ صیہونی مقاصد کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں وڈرو ولسن کے قریبی دوست کرنل ہاؤس (Cornel House) جو کہ اس کا سب سے اہم اور طاقتور دوست تھا، اس کی مدد بھی مل گئی۔ کرنل ہاؤس ہمارے مقصد کو نہ صرف اہم سمجھتا تھا بلکہ اس

نے صدر اور صیہونی تحریک کے درمیان سب سے اہم رابطے اور پل کا کردار ادا کیا۔ 1914ء کے بعد سے یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا جب ساری دنیا کے یہودی صیہونیت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور ''یہودی گھر'' (Jewish Homeland) کے مطالبے پر سختی سے اصرار کرنے لگے تھے۔''

1916ء میں اپنی صدر سے ملاقات کے بارے میں وائز مین خود کہتا ہے کہ اس نے صدر سے کہا تھا: ''جناب صدر! دنیا کے یہودی آپ کی طرف دیکھتے ہیں جب ان کو آپ کی ضرورت پڑے گی۔'' جواب میں اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''گھبرانے اور اندیشہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، فلسطین تمہارا ہے۔''

صیہونی مؤرخ Dr. Joseph Kastein، 1933ء میں لکھتا ہے کہ باسل کی 1897ء میں بلائی گئی صیہونی کانفرنس میں ایک ایگزیکٹو Executive کی بنیاد ڈالی گئی تھی جو کہ پہلا بین الاقوامی یہودی ادارہ تھا۔ Arthur Brain Coell اپنے قاریوں کو بتاتا ہے کہ کس طرح سے چھوٹا سا صیہونی بین الاقوامی جال دنیا بھر میں کام کرتا تھا (اور کرتا ہے) اس سے پہلے بین الاقوامی یہودی ادارے کے سب سے پہلے ارکان پر ذرا نظر ڈالتے ہیں۔

Sir Ernest Cassel اور Man Warburg ہیمبرگ کے بہت بڑے بینک سے وابستہ تھا اور ''روتھ شیلڈ'' کا قریبی شراکت دار اور دوست تھا جبکہ پہلی جنگ عظیم میں جرمن خفیہ ادارے...... جو حساس ترین ادارہ تھا...... کا سربراہ بھی تھا۔ Banque de paris - edouard noetzilin (پریس کا ایک بینک) جو کہ Pays Bas پریس میں واقع ہے، کا اعزازی صدر تھا۔

Franz Phillipson جو کہ برسلز میں تھا اور ان سب میں نمایاں Jacob Schiff جو کہ Kuhn, Loeb and Company جو کہ نیویارک میں واقع ''روتھ شیلڈ'' کی ایجنٹ تھی، اس کا سربراہ تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جس نے کہ 1917ء کے بالشویک انقلاب (روس) میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان سب لوگوں کو خون، نسل اور سود کی رسیوں نے آپس میں باندھ رکھا تھا اور ان کا خفیہ نیٹ ورک ایک ہلکے سے اشارے سے سرگرم ہو جاتا تھا۔ ان لوگوں نے اقتصادی، سیاسی اور

مالیاتی انٹیلی جنس کا حد سے زیادہ مضبوط جال بچھایا ہوا تھا۔ایک ہلکے سے اشارے پر یہ بہت بڑی مدد جمع کر سکتے تھے،اضافی فنڈز مہیا کر سکتے تھے،بڑی بڑی رقوم تھوڑے عرصے میں اکٹھا کر سکتے تھے۔

(Conell,"Sir Eduord Cassel,From Meifest Destiny")

یقیناً سیاسی صہیونیت ''تالمودی یہودیت'' کا ایک لازمی جز تھا۔دنیا بھر کے زیادہ تر یہودی،دنیا کے کسی بھی حصے میں ''یہودی ریاست'' قبول کر لیتے تھے لیکن تالمودی یہودی فلسطین کی ضد کرتے رہے۔آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ان کا منصوبہ یہ بھی تھا کہ یروشلم کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا جائے۔

پہلی جنگ عظیم کا جب آغاز ہوا تو برطانیہ کے لیے بہت سے معاملات بہت اچھی طرح نہیں چل رہے تھے...... خاص طور سے صہیونیوں کے لیے...... کیونکہ برطانیہ ان کے شکنجوں میں اچھی طرح سے جکڑا ہوا نہیں تھا۔برطانوی وزیر اعظم اور تمام جنگی جرنیل اس بات پر زور دے رہے تھے کہ کس طرح سے جنگ جیتی جا سکتی ہے۔لیکن جب برطانوی وزیر اعظم نے صہیونی پیش کش کے لالچ میں آنے اور صہیونیوں کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا تو گویا اس نے اپنی سیاسی موت کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کر دیے تھے۔چنانچہ پردے کے پیچھے پوری یہودی مشینری حرکت میں آ گئی اور وزیر اعظم Lord Asqith کو ہٹا کر اپنے پٹھو Llod George کو لایا گیا جس کے بارے میں Dr Cham Wizmann نے کہا تھا کہ: ''یہودی سرزمین کے لیے حمایت وزیر اعظم بننے سے بھی پہلے سے اس کا خاصہ تھا۔''

اس نے آنے کے ساتھ ہی برطانوی فوج فرانس سے نکال کر فلسطین میں ڈالنا شروع کر دی اور ''Sir William Robertson'' جیسے قابل جرنیل کو فوج سے فارغ کر دیا جو کہ انتہائی احمقانہ فیصلہ تھا۔اس پر تنقید کرنے کے لیے برطانوی ماہر عسکریات کرنل ''Repington'' نے مضمون لکھا۔اس میں کہا گیا تھا:

''یہ انتہائی احمقانہ فیصلہ ہے کیونکہ فرانس کو چھوڑ کر فلسطین میں فوج ڈالنے سے ہم فلسطین کی وجہ سے اپنی سلامتی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ایک ایسے وقت میں جبکہ جرمنی نے روس سے جنگ جیت لی ہے اور اب وہ ادھر سے بھی اپنے فوجی فرانس میں ڈالے گا تو ہم کیوں اپنے دس لاکھ فوجی فرانس سے فلسطین میں پھینک رہے ہیں؟''

جب یہ مضمون لے کر وہ "The Times" کے دفتر گیا تو اس کا کہنا ہے: "ایڈیٹر Geoffery Darson نے مجھے انکار نامہ دے دیا اور کہا کہ میرا آج کے بعد سے The Times سے کوئی تعلق نہیں۔"

اس کے بعد Cornel Repington نے Morning Post میں یہ مضمون دیا جو کہ سنسر بورڈ کے پاس بھیجے بغیر شائع کر دیا گیا۔ اس وجہ سے ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا (کرنل اور اخبار کے ایڈیٹر کو) اور ان پر "قومی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے" کا مقدمہ چلایا گیا لیکن عوامی دباؤ کے باعث ان پر صرف حب الوطنی کی خلاف ورزی کی فردِ جرم عائد کی گئی اور سزا کے طور پر جرمانہ لگا دیا گیا۔

اتحادیوں کی عربوں سے غداری:

عربوں سے آزادی کے وعدے کے باوجود برطانوی حکمران عربوں سے غداری پر تلے بیٹھے تھے، جیسا کہ ایک یہودی مؤرخ Alferd Lilienthal کہتا ہے:

"اگر عربوں کو پتہ ہوتا کہ خفیہ سفارتی معاہدے پہلے ہی سے طے ہو چکے ہیں تو اس بات کا شاید ہی کوئی امکان ہوتا کہ کسی قسم کی بغاوت ہوتی۔"

انگریزوں اور اتحادیوں کی عربوں کے بارے میں بدنیتی کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس بات پر نظر ڈالنی چاہیے جو کہ "لارڈ بالفورڈ" (Lord Balforer) نے اس وقت کہی تھی جب اس نے اس تاریخی بدعہدی پر مشتمل "اعلان بالفور" کا اجرا کیا تھا۔ اس نے کہا تھا:

"فلسطین میں ہم اس تجویز کو ہرگز پیش نہیں کریں گے جس میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ فلسطین کی مقامی آبادی کی خواہشات کو بھی مدنظر رکھا جائے کیونکہ بڑی طاقتوں نے پہلے ہی صہیونیوں سے معاہدے اور وعدے کیے ہوئے ہیں اور صہیونیت چاہے صحیح ہو یا غلط، اچھی ہو یا بری، وہ ایک لمبی روایت پر مبنی ہے اور ان سات لاکھ کے لگ بھگ عربوں سے زیادہ اہم اور اثر انگیز ہے جو کہ وہاں رہتے ہیں۔ جہاں تک فلسطینیوں کا تعلق ہے تو بڑی طاقتوں نے تو شاید ہی ان کے حق میں کوئی ایسا بیان دیا ہو جس کی انہوں نے خلاف ورزی نہ کی ہو۔"

(Hisst "The gun and the olive branch p.42")

دوسری جنگ عظیم کے بعد دہشت گردی کے ذریعے صہیونی ریاست کا قیام

جب یورپ اور ایشیا سے ساری دنیا کی توجہ ہٹی، خاص طور سے جب دوسری جنگ عظیم اپنے اختتام تک پہنچی تو ساری دنیا کی توجہ کا مرکز فلسطین بن گیا کیونکہ صہیونی اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ نومبر 1944ء میں جب برطانوی نوآبادیاتی سیکرٹری ''Lord Mayne'' فلسطین کے مسئلے کے پرامن حل کے لیے قاہرہ پہنچا تو فلسطین کے دو صہیونی دہشت گردوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ اور بہت سے منصف مزاج لوگوں کی طرح سمجھتا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں صہیونی منصوبہ تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں لا سکے گا۔

جب 1946ء میں اگلی ''عالمی صہیونی کانگریس'' کا انعقاد جنیوا میں ہوا تو ''ڈاکٹر وائز مین'' (Dr. Weizman) (جو کہ اس یہودی ادارے کا سربراہ بھی تھا) نے ایک خاص چارٹر کی منظوری لی۔ اس میں فلسطینیوں سے لڑنے کے عزم کو مختلف ناموں سے پیش کیا گیا تھا، جیسے: ''مزاحمت، دفاع اور حریت۔'' اس چارٹر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں فلسطین کی برطانوی اتھارٹی کے خلاف لڑنے کی اور ہر جگہ لڑنے کی بات کی گئی تھی، یا دوسرے لفظوں میں عالمی صہیونی کانگریس نے صہیونی ریاست کے قیام کے لیے دہشت گردی کی منظوری دی اور توثیق کی۔ روس میں بھی یہی ہتھکنڈے نہایت کارآمد ثابت ہوئے تھے۔ دراصل ''برادری'' نے نہایت دور اندیشی سے کام لیا تھا اور اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ صہیونی ریاست دہشت گردی کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اس مقصد کے لیے کئی یہودی دہشت گرد تنظیمیں فلسطین میں قائم ہو گئیں تا کہ صہیونی ریاست کے قیام کے لیے دہشت کے ذریعے دباؤ ڈالا جا سکے۔ ان میں سے دو انتہائی اہم تھیں۔ ایک کا

نام تھا "ارن زوائی لیومی" جس کی سر براہی میناخم بیگن کر رہا تھا۔ دوسری دہشت گرد تنظیم کا نام تھا "لیہی" (Lehi) جس کی سر براہی اسحٰق شامیر کر رہا تھا۔ Los Angeles Times کے مطابق یہ اسرائیل کی زیر زمین شروعات تھیں اور قتل کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔ ان دونوں تنظیموں کے سربراہ آگے چل کر اسرائیل کے وزیر اعظم بنے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صیہونیت اور دہشت گردی یا اسرائیلی رہنما اور دہشت گردی کسی حد تک لازم وملزوم ہیں۔

Sir Harold Mac کے علاوہ صیہونی دہشت گردوں نے Lord Moyne Millan جو کہ فلسطین کا برطانوی ہائی کمشنر تھا، کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی۔

(Bell, "The lang War : Israel and the Arahs Since 1948, p201)

اسی طرح Count Folke Bernadotte جو کہ 1948ء میں اقوام متحدہ کا مقرر کردہ سویڈن کا ثالث تھا، اس نے بغیر کسی روک ٹوک کے فلسطین میں یہودی آمد کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بھی زور ڈال رہا تھا کہ وہ فلسطین میں موجود پناہ گزینوں [مہاجر فلسطینی مسلمانوں] کو اسرائیل میں دوبارہ واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بھی زور دے رہا تھا کہ جتنی بھی ملکیتوں کو نقصان پہنچا ہے اس کا بھی ازالہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو بھی ایک دہشت گرد یہودی تنظیم "اسٹرن گینگ" نے ہلاک کر دیا۔ اسرائیلی حکومت کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ یہ قتل کس نے کیا ہے؟ لیکن کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے قاتل ہیرو بن گئے اور "بیگن" اور "شامیر" تو بعد میں اسرائیلی حکومت کے سربراہ اور وزیر اعظم بھی بنے۔

جیسے جیسے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی اور خونریزی بڑھتی چلی گئی، یہودیوں کی اسرائیل آمد میں منظم طریقے سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ برطانوی ایوانِ عام (House of Commons) کی ایک کمیٹی نے اعلان کیا:

"بہت بڑی تعداد میں یہودی مشرقی یورپ سے جرمنی میں موجود امریکی زون کی طرف ہجرت کر رہے ہیں تاکہ بالآخر فلسطین پہنچ سکیں۔ یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ ایک انتہائی زیادہ

منظم تحریک جس کے پاس بے پناہ پیسہ، طاقت اوراثر ورسوخ ہے،اس کے لیے کام کررہی ہے۔"

اس کے علاوہ امریکی ایوان بالا (Senate) کی بھی ایک کمیٹی جو کہ جنگ کے بارے میں تحقیقات کے لیے یورپ بھیجی گئی تھی ،اس نے بھی یہ بیان دیا تھا:

"یہودیوں کی مشرق یورپ سے جرمنی میں موجودامریکی زون کی طرف نقل مکانی ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔جس کے لیے پیسہ امریکا میں موجودبعض گروپ اور تنظیمیں مہیا کررہی ہیں۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ ہجرت روس کے زیرانتظام مشرقی یورپ اور خودروس کے اندر سے ہوئی جو کہ چرچل کے بقول Iron Curtain (سرخ پردے) سے ہوئی جہاں سے مکھی بھی ادھر سے اُدھرنہیں جاسکتی تھی ، بلکہ امریکی اوراتحادی تو دوسری طرف کے لوگوں کوواپس روس میں دھکیل رہے تھے۔ایسے کٹھن وقت میں ہزاروں کی تعداد میں روس اور مشرقی یورپ سے یہودیوں کی نقل مکانی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس کولندن ، ماسکواور واشنگٹن کی پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ کہاں تو کوئی بھی شخص سوویت یونین سے بغیر اجازت کے نہیں نکل سکتا تھا اور کہاں یہ حال کہ Iron Curtain نے یہودیوں کے ریلے کوفلسطین جانے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔

1946ء اور 1947ء میں صہیونی دہشت گردی اپنے عروج پر تھی۔ یہودی دہشت گردوں نے برطانوی فوجیوں کوبھی نہ بخشا۔ ہزاروں برطانوی فوجی (جن کو پہلی جنگ عظیم میں فلسطین لایا گیا تھا) ان پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا،کبھی انہیں سوتے ہوئے اپنے ابدی گھر روانہ کردیا گیا، یا پھر دھماکے کر کے مختلف طریقوں سے ہلاک کردیا گیا۔ایک باغ میں دو برطانوی فوجیوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کردیا گیا تھا۔ جولائی 1946ء میں یروشلم میں موجود کنگ ڈیوڈ ہوٹل (King Dewad Hotel) کو دھماکے سے اڑادیا گیا۔ یہ دھماکا کرنے والے دہشت گرد صہیونی اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس وقت اس ہوٹل میں نہ صرف برطانوی فوجی بلکہ بیس بے خبر یہودی اور چالیس مسلمان بھی اس ہوٹل میں کام کررہے ہوں گے۔ بم دھماکے سے بیس منٹ پہلے ہوٹل میں ایک فون کال موصول ہوئی جس میں برطانوی کمانڈر کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ وہ اس علاقے کو خالی کرلے جو کہ نہ کیا گیا، کیونکہ برطانوی سمجھتے تھے کہ یہ علاقہ پوری طرح سے محفوظ ہے اور اس طرح

کی دیگر ٹیلی فون کالیں پہلے بھی موصول ہوتی آئی تھیں۔

اب دیکھنے میں تو یہ بے وقوفی محسوس ہوتی ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ صہیونیوں نے اپنے ہم نسل اور ہم مذہب یہودیوں کو بھی نہ بتایا جو اس عمارت میں کام کر رہے تھے تاکہ اس آپریشن کی کامیابی کو خفیہ منصوبہ بندی سے ممکن بنایا جائے۔ اس حملے میں 80 سے زائد برطانوی، یہودی اور مسلمان ہلاک ہوئے اور صہیونی پالیسی کہ "ضرورت آخری حد تک جانے پر مجبور کرتی ہے۔" اپنی پوری آب وتاب سے دنیا کا منہ چڑاتی نظر آئی۔

دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں، ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں روسی یہودیوں کی نقل مکانی اور خود برطانیہ پر صہیونیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور امریکا میں فری میسن امریکی صدر ہیری ٹرومین کے بھی سخت دباؤ میں انگریز نے یہودی دباؤ قبول کرتے ہوئے اپنا مینڈیٹ ختم کر کے فلسطین کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا تھا۔ نومبر 29، 1947ء میں فلسطین کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنے کی سفارش کی گئی۔ یکم اکتوبر 1947ء کو اقوام متحدہ میں اس پلان کو مسلمانوں نے مسترد کر دیا تھا۔ ان کے لیے یہ بات بالکل ناقابلِ قبول تھی کہ وہ اپنے 2000 سال پرانے وطن کو چھوڑ دیں۔

اقوام متحدہ میں جب بالآخر فلسطین تقسیم کا پلان پیش کیا گیا تو اس میں 54 فیصد سے زیادہ علاقہ یہودیوں کو دیا گیا تھا تاکہ وہ اسرائیل کا قیام ممکن بنا سکیں۔ سب سے زیادہ مزے کی بات یہ تھی کہ جب اقوام متحدہ کی نگرانی میں نجی املاک کا سروے کیا گیا تو 93 فیصد نجی ملکیت والی زمینیں فلسطینیوں کی اپنی تھیں۔ یہ بات اقوام متحدہ کی اپنی سروے رپورٹ میں درج ہے لیکن اقوام متحدہ کی سب سے حیرت انگیز تجویز یہ تھی کہ 93 فیصد ملکیت اور 70 فیصد آبادی والے مسلمانوں کے حصہ میں 40 فیصد علاقہ دیا گیا جبکہ صہیونیوں کو 54 فیصد علاقہ دیا گیا۔ تقریباً تمام اچھی اور قابل کاشت زمینیں یہود کو دے دی گئیں۔ خاص طور سے بحر متوسط کے ساتھ کی زرخیز زمینیں بھی انہی کو دے دی گئیں، حالانکہ یہ زمینیں کئی نسلوں سے عربوں ہی کی تھیں اور ان پر ان کے آباء واجداد کاشتکاری کرتے آئے تھے اور ان کی پیداوار ہی اس علاقے کی اصل برآمدات تھیں۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی تقسیم کے منصوبے میں نجف کا صحرا بھی صہیونیوں کو دے دیا گیا تھا۔ حالانکہ

یہاں تو زیادہ تر عرب بدو قبائل آباد تھے اور یہاں پر یہود عرب تناسب 1,00,00 پر 475 کا تھا۔ اسی طرح یہیں سے ارضِ فلسطین کی زیادہ تر گندم اور گیہوں کی پیداوار حاصل کی جاتی تھی جبکہ زیتون اور سٹراس (ایک صحرائی پھل) کی پیداوار بھی اس علاقے سے ہوتی تھی لیکن اس سب کے باوجود اسرائیل یہ کہتا رہتا ہے: ''اسرائیل وہ ہے کہ جس نے نجف کے صحرا کو ایک زرخیز اور خوبصورت باغ میں تبدیل کرلیا ہے۔'' (Dimbleby : The Palestenians)

ایک مرتبہ پھر صہیونی پروپیگنڈے نے دنیا بھر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک دی۔ جیسے جیسے اقوام متحدہ میں فلسطین کے تقسیم کی کوشش شروع ہوئی، ویسے ویسے صہیونیوں نے مربوط لابنگ شروع کردی جبکہ دوسری طرف عربوں کے پاس ایسے ذرائع نہیں تھے جن سے وہ ایسی لابیاں بنا سکتے اور نہ ہی وہ جھوٹ بولنے کے فن سے آشنا تھے۔

اس پلان پر جب پہلی بار ووٹنگ کی گئی تو اسے مطلوبہ تعداد میں ووٹ نہیں مل سکے۔ اگلے چند دنوں میں امریکی صدر ہیری ٹرومین اور امریکی انتظامیہ نے دیگر ممالک پر اتنا دباؤ ڈالا کہ زیادہ تر ووٹ جو کہ ''نہیں'' میں تھے یا ایسے ممالک کے تھے جو ووٹنگ سے اجتناب کر رہے تھے، ان کو ہاں میں تبدیل کرلیا گیا جبکہ بعض ممالک جن کا ووٹ اس منصوبے کے خلاف تھا ان کو ووٹ ڈالنے سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اس وقت کے امریکی سیکرٹری دفاع Jhon Forestal نے کہا تھا: ''امریکا اس وقت اسکینڈل کی حد تک دوسری قوموں پر دباؤ اور زور ڈالنے والا مجرم تھا۔''

ایک مؤرخ J.Boweryer Bell کا کہنا ہے کہ اگرچہ صہیونیوں نے سفارتی جنگ ضرور جیت لی تھی حالانکہ ''انجیل اور تورات کی پیش گوئیوں کی جذباتی انداز میں دہرانے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔'' لیکن چونکہ عرب پوری سرزمین چاہتے تھے جبکہ صہیونی سمجھوتے کی بات کر رہے تھے اور اقوام متحدہ میں زیادہ تر ممالک انصاف پر مبنی فیصلے کی بات کر رہے تھے، اسی لیے عربوں کی بات کو بالکل غلط پیرائے سے دیکھا جانے لگا جبکہ صہیونیوں کے لیے فلسطین میں آدھا حصہ مار لینا ایک اچھا سمجھوتہ تھا کیونکہ وہ تو ایک رتی برابر بھی اس زمین کے

مالک نہیں تھے جوان کو الاٹ کی گئی تھی۔ (یعنی وہ خطہ جو آپ کی ملکیت نہیں اس کا 54 فیصد اگر آپ کو مل جائے تو یہ ایک نہایت نفع بخش اور اچھا سمجھوتہ ہے) یہ ایک شیطانی منصوبہ تھا لیکن انتہائی چالاکی سے ترتیب دیا گیا تھا۔

سب سے بڑی دھوکہ بازی یہ ہوئی تھی کہ اس قرارداد میں جب اسرائیل نے اپنے مطلوبہ رقبے سے بھی زیادہ خطے پر قبضہ کرلیا تو پھر بعض حلقوں نے اسے 1948ء کی قرارداد کے مطابق پیچھے ہٹنے کو کہا۔ اس پر اسرائیلی سفیر نے بنی اسرائیل کی روایتی تاویل سازی کی جھلک دکھاتے ہوئے کہا: ''کیونکہ اس مسودے کی تحریر فعل ماضی میں ہے اس لیے اگر اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا تو یہ خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔''

چونکہ اقوام متحدہ کی ان سفارشات کے باوجود فلسطین میں تشدد بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس لیے اقوام متحدہ نے سلامتی کونسل کی تمام سفارشات کو معطل کرنے کی کوشش کی جبکہ ٹرومین نے بھی صہیونیوں کی بے جھجک دہشت گردی سے تنگ آ کر اسرائیل کے بارے میں اپنی پالیسی تبدیل کرنے کا عندیہ دیا اور اس بات کی افواہیں گردش کرنا شروع ہوگئیں کہ برطانیہ کی سربراہی میں دوبارہ سے مینڈیٹ والا نظام قائم کیا جائے گا جبکہ اس میں امریکا کا بھاری کردار ہوگا۔ اس موقع پر صہیونیوں نے اس بات کا احساس کرلیا کہ اگر ایسا ہوگیا تو اسرائیل کا معاملہ شاید ہمیشہ کے لیے کھٹائی میں پڑ جائے۔ لہٰذا انہوں نے ذرا بھی دیر لگائے بغیر دہشت گردی کی کارروائیوں میں کئی گنا اضافہ کردیا۔

ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بے سروسامان عربوں کو جنگ میں جھونکا گیا۔ جبکہ ان کو تو 1939ء کے وائٹ پیپر (قرطاس ابیض) کی اشاعت کے بعد پہلے ہی ہتھیار ڈلوا کر نہتا کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس یک طرفہ جنگ میں جو کچھ ہوا وہ اس طرح سے ہے:

''یہودی دہشت گرد تنظیموں ''ارگن'' اور ''لیہی گینگ'' نے ''دیر یاسین'' نامی گاؤں پر حملہ کردیا۔ انہیں جو بھی نظر آتا اس کو چھریوں سے کاٹ دیتے۔ 250 سے زائد عرب مسلمانوں کو جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچیاں تھیں، کنوؤں میں پھینک دیا گیا۔'' (Time Magzine)

اس سنگین دہشت گردی کے نتیجے میں فلسطینیوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اگر انہوں نے اپنی زمین نہیں چھوڑی تو ان کے ساتھ کیا ہوگا...... لہٰذا چند ہزار افراد کے علاوہ لاکھوں کی تعداد میں عربوں نے قریبی عرب ریاستوں میں ہجرت کرنا شروع کر دی۔

اس بہیمانہ قتل عام کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے:

''جب لوگوں کو خبر ملی کہ ''ارگن'' (بدنامِ زمانہ دہشت گرد یہودی تنظیم) کے بدمعاش اس گاؤں کے قریب آ رہے ہیں جو کہ زیادہ تر عرب عیسائیوں پر مشتمل تھا تو بہت سے لوگوں نے ایک گرجا گھر میں پناہ لے لی اور ایک مقامی راہب کے پیچھے سفید جھنڈے کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ یہ دکھانے کے لیے کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں اور یہ کہ ان کی کوئی خواہش نہیں کہ وہ اسرائیلیوں سے لڑیں۔ دیریاسین ہرگز کوئی عسکری ٹھکانہ نہیں تھا بلکہ اس گاؤں کے عیسائیوں کے یہودیوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ یہ گاؤں ''حیفہ'' میں واقع تھا۔ لیکن یہودی دہشت گردوں نے کسی چیز کا لحاظ نہ کیا۔ نہ گرجا گھر، نہ امن کی خواہش اور سفید جھنڈے کی علامت کا۔ انہوں نے عورتوں، بچوں سمیت بے دریغ قتل عام کیا۔ ان کی خونی پیاس اس وقت بجھی جب وہاں لاشوں کے علاوہ کچھ نہ بچا۔''

اس گاؤں کے رہنے والوں کا قتل عام صرف ایک نیت سے کیا گیا تھا۔ وہ یہ کہ مقامی غریب آبادی میں خوف برپا کیا جا سکے۔ Jaques de Reynier جو کہ ریڈ کراس کا نمائندہ تھا جب اگلے روز اس جگہ پر پہنچا تو اسے اسرائیلیوں نے بتایا کہ وہ اس علاقے کی ''صفائی'' کر رہے ہیں۔ انہوں نے مشین گنوں اور دستی بموں کو استعمال کیا تھا جبکہ آخر میں چھریاں استعمال کی تھیں۔ کوئی بھی شخص دیکھ سکتا تھا کہ 250 سے زائد مرد، عورتیں اور بچے ذبح کیے گئے تھے۔ نوجوان عورتوں کی عصمت دری کی گئی تھی۔ ایک حاملہ عورت کو بری طرح سے مارا پیٹا گیا تھا اور اس کے بچے کو چاقو سے پیٹ کاٹ کر نکال دیا گیا تھا۔ ایک نوعمر لڑکی کو اس وقت گولی سے ہلاک کر دیا گیا تھا جب اس نے ایک چھوٹے بچے کو بچانے کی کوشش کی تھی۔

(Dimbleby, "The Palestenians" p 80)

Richard Cutting کے مطابق جو کہ اس پورے علاقے کے لیے اقوام متحدہ کا نائب

انسپکٹر جنرل تھا، لوگوں کو باقاعدہ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور کانوں کے کٹے ہوئے ٹکڑے ہمیں اسرائیلی فوجیوں کے کپڑوں سے چپکے ہوئے ملے تھے جن میں ان عورتوں اور بچیوں کے بندے بھی کانوں میں لگے ہوئے تھے جن کو "صفائی مہم" کے دوران ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا۔

Cutting نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ اس کو ایک خفیہ پیغام یادداشت دیکھنے کو ملا تھا جو کہ ارگن کو ہگانہ (Hagannah) جو کہ اس وقت اسرائیل کی باضابطہ آرمی تھی، کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس میں لکھا تھا:

"دیر یاسین ہمارے پلان کا پہلا حصہ تھا، جب تک تم اس پر قبضہ جمائے رکھتے ہو تو ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ تم کس طرح سے یہ سب کچھ کرتے ہو۔"

(Dimbleby , "The Palestenians" , p.80)

اس کے کافی عرصے بعد بیگن نے اپنی آپ بیتی میں اس بات کا اعتراف کیا:

"یقیناً یہ ایک کامیاب منصوبہ تھا کہ عربوں کو افواہوں کے ذریعے کہ اس طرح کے مزید واقعات بھی ہو سکتے ہیں، اتنا دہشت زدہ کر دیا جائے کہ وہ اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch")

اگرچہ دیر یاسین پر صیہونی حملہ بہت بڑا انسانی سانحہ تھا مگر دوبارہ اسی طرح کے حملے کرنے کی دھمکی محض خالی خولی دھمکی نہیں تھی۔ انہی دھمکیوں اور دہشت گردی کی کارروائیاں کرنے والے یہودیوں کا سب سے بڑا اور کامیاب حربہ یہ تھا کہ وہ پیٹرول کے بھرے ڈرم میں آگ لگا کر لڑھکا دیا کرتے تھے۔ یہ گھومتے ہوئے بیرل عربوں کے محلوں میں جا کر تباہی مچاتے تھے۔ ان بموں کو "Barrel Bombs" کہا جاتا تھا۔ ان کو عام طور سے گنجان آباد بستیوں اور دکانوں میں پھینک دیا جاتا تھا جس سے بے پناہ جانوں اور املاک کا ضیاع ہوتا تھا۔

(Dimbleby , The Palestenians, P.89)

صہیونیوں کی سیاہ تاریخ اور قیامِ اسرائیل کی بنیادیں

اس عنوان کے تحت ہم اسرائیل کے قیام (1948ء) اور اس صہیونی ریاست کے لیے اختیار کیے جانے والے شیطانی ہتھکنڈوں کو بیان کریں گے۔

صہیونیت کے دو چہرے:

صہیونیوں کے دو رُخ ہیں: ایک عوامی دکھاوے کے لیے ہے۔ یہ بڑا نرم دل اور سیاسی مسکراہٹ سے بھرپور ہے۔ دوسرا وہ سنگدل اور خوفناک رُخ ہے جو خفیہ اور دنیا سے چھپا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات بہت زیادہ فائدہ مند ہوگی کہ ہم ''تھیوڈور ہرتزل'' جو کہ سب سے بڑا صہیونی سیاست دان تھا اور جس نے پہلی مرتبہ صہیونی ریاست کے لیے ایک باقاعدہ منظّم ترین کوششوں کا آغاز کیا تھا، کے بیانات اور کتابوں کا مطالعہ کریں اور اس کی ذاتی اور عوامی رائے جس کا وہ ہر جگہ اظہار کرتا رہتا تھا، اس پر نظر رکھیں۔ اس نے اپنے مقالے ''یہودی ریاست'' (The Jewrish Stat) میں تفصیل سے اپنے دماغ میں موجود طریقہ کار کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''صہیونیوں کا عظیم الشان منصوبہ یہ ہے کہ تہذیب وتمدن کی ایک شاخ بربریت کے درمیان کھولی جائے اور اس کی بنیاد رکھی جائے۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P.15")

ہرتزل اور اس کے دوست بین الاقوامی دنیا کو یہ دھوکہ دے رہے تھے کہ مقامی عرب آبادی کے حقوق اور ان کی آزادی پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ اپنے ایک اور مقالے (1902ء) Alteneuland یعنی Old New Land میں ہرتزل نے ایک ایسا نقشہ کھینچا تھا جس میں

صہیونی ریاست کے فلسطین میں قیام کے فوائد کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس میں اس نے لکھا تھا:

''عرب ہمارے نئے دوست بن جائیں گے اور ہاتھ کھول کر ہمارا ساتھ دیں گے اور اس بات پر بہت زیادہ پر جوش ہوں گے کہ صہیونی ان کے لیے جدید دنیا کے تمام لوازمات لے کر آرہے ہیں۔ اور ملیریا سے بھرے ہوئے دلدلی علاقے اور بے آب وگیاہ صحرا کو ایک خوشنما باغ میں تبدیل کررہے ہیں۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P16")

یہ تو تھی اس کی دنیا دکھاوے والی سوچ جو وہ عوام کے سامنے بیان کرتا تھا، لیکن اس کی اپنی ڈائری جس میں وہ اپنی ذاتی رائے کا ذکر کرتا ہے اور جس کے بارے میں اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی وقت عوامی نظروں میں آجائے گی اور ایک اس خفیہ ڈائری کی اشاعت بھی ہوگی۔ اس میں اس کے خیالات ہی کچھ اور تھے۔ اس کتاب کا نام ہے: "The Complete Diaries of Theodre Hezl"

اس ڈائری میں اس نے کھل کر اسرائیل کے قیام کی اصلی حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے لیے اپنے منصوبے کا ذکر وہ ان مرحلہ وار نکات کی شکل میں کرتا ہے:

اولاً: وہ ایک یورپی طاقت سے اسپانسر شپ (Sponser Ship) کا ذکر کرتا ہے تاکہ یہودیوں کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کرسکے جس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ یہودی اس مقصد کے لیے اپنی دولت اور پریس (میڈیا) کو استعمال کریں۔

دوم: ہرٹزل اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ عربوں اور یورپی اقوام میں بھی پھوٹ ڈالنے کی ضرورت ہے خاص طور سے بڑی یورپی قوتوں کے درمیان۔

سوم: یہ کہ یورپی حکومتوں کو زیر کرنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان کے جاسوسی نیٹ ورک میں گھس کر کارروائی کی جائے اور اپنے نیٹ ورک کی طاقت کو دکھایا جائے جو کہ ساری دنیا بالخصوص یورپ میں بڑی تیزی سے کام کررہا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے بڑی زبردست بات کی:

''ایک نئی یورپی جنگ صہیونیت کے لیے انتہائی فائدہ مند ہوگی۔''

ہرٹزل نے یہ بھی لکھا کہ صرف تمناؤں ہی سے ''صہیونی ریاست'' قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ اپنی ڈائری میں وہ اس بات پر بحث کرتا ہے کہ صہیونی ریاست صرف اسی صورت میں پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہے جب مکمل اور دوسروں کو کچل کر رکھ دینے والی صہیونی بالادستی قائم ہو جائے جبکہ ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کرنا ہوگی کہ مقامی آبادی (یعنی فلسطینی مسلمانوں) کو وہاں سے نکال باہر کیا جائے (واضح رہے کہ یہ شخص پہلی جنگ عظیم سے پہلے مرگیا تھا اور یہ تحریر غالباً 1900 کی ہے) اس نے لکھا:

''ہماری کوشش یہ ہوگی کہ غربت سے چُور آبادی کو بارڈر کی دوسری طرف چپکے سے منتقل کیا جائے اور اس مقصد کے لیے انہیں قریبی ریاستوں میں نوکریوں اور دوسری مراعات کی لالچ دی جائے، جبکہ خود فلسطین میں انہیں کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے یا پھر ان کے لیے روزگار کا حصول ناممکن بنا دیا جائے۔''

"The Complete Diaries of Theodre Hezl Vol1 p 343"

بعد میں 1940ء کی دہائی میں Joseph Heitz نے جو کہ صہیونی نوآبادیات کا چارج سنبھالے ہوئے تھا، بھی یہی بات دہرائی:

''ہمارے آپس کے درمیان یہ بات بالکل صاف صاف ہونی چاہیے کہ اسرائیل میں دونوں فریقوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر اتنی بڑی تعداد میں عرب یہاں پر موجود رہیں تو ہم اپنی آزادی کے نصب العین کو ہرگز نہیں پاسکیں گے۔ ہم ساری عرب آبادی کو یہاں سے منتقل کردیں گے یا ہمیں ایسا کرنا ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک بھی گاؤں اور ایک بھی قبیلہ باقی نہ رہے۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P130")

قیامِ اسرائیل کے لیے صہیونیت کے دوحربے

1- مسلمانوں کی نسل کشی:

اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح سے فلسطینی عربوں کی نسل کشی کے لیے یہودی دہشت گردی کا بے دریغ مظاہرہ کیا گیا، تا کہ صہیونی ریاست کے لیے جگہ بنائی جا سکے۔ جیسے ''المنارہ'' کے گاؤں کو مکمل طور پر خالی کر لیا گیا تھا، جب صہیونی قوتوں نے مسلمانوں کے تمام گھروں کو دھماکے سے اڑا دیا اور دھمکی دی کہ واپس نہیں آنا۔ اسی طرح ایک اور عرب قصبے ''نصرالدین'' میں ہر گھر کو مسمار کر دیا گیا تھا یا پھر جلا دیا گیا تھا یا پھر مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح ''الرومہ'' میں ہگانہ نے سب کو کہا تھا: ''یا تو لبنان کی طرف بھاگ جاؤ یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' حیفہ اور ٹائبریس (Tiberius) کے شہروں کی ساری عرب آبادی ختم ہو گئی تھی جب 1948ء میں ہگانہ نے وہاں پر حملہ کیا تھا۔ Einez Zetium کے گاؤں میں سب کو اکٹھا کیا گیا تھا اور ایک ایک شخص کو چن کر صلیب کیا جاتا تھا۔ کئی عورتوں کو مارا پیٹا گیا جبکہ 37 نوجوان مرد اور بچوں کو شہید کر دیا گیا۔ 29 اکتوبر 1948ء کو اسرائیلی ہوائی جہازوں نے ''صف صف'' کے گاؤں پر وحشیانہ بمباری کی تھی۔ اس کے بعد فوجی، قصبے میں داخل ہوتے چلے گئے۔ مقامی آبادی کا صفایا کرتے چلے گئے۔ اسی دوران چار لڑکیوں کی کئی اسرائیلی فوجیوں نے ان کے خاندانوں کے سامنے بار بار آبروریزی کی۔ اس کے بعد بیس لوگوں کو اندھا کر کے باری باری گولی ماردی گئی۔ ماجد الکرم میں دس عام نہتے شہریوں کو قتل کر دیا گیا۔

1948-49ء کے دوران جب صہیونی حملے کی خبر پھیلی اور فلسطینیوں کو اس بارے میں پتہ چلا تو اسرائیلیوں نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی اور پھر دھوکہ اور فریب کی ایک نئی روایت قائم ہوئی۔ اسرائیلی فوجی مقامی ریڈیو اسٹیشن سے اور ٹرکوں پر بھاری میگافون لگا کر مسلمان رہنماؤں کی طرف

سے عربی میں اعلانات کرواتے تھے:

''اللہ کے نام پر اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ جاؤ۔''

(Dimbleby, "The Palestenians, Page 80)

ظاہری بات ہے کہ سرکاری سطح پر یہی کہا جاتا تھا کہ مسلمان رہنماؤں ہی نے مقامی عرب آبادی کو بھاگنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ اپنی جائیدادیں چھوڑ کر اس جنگ زدہ علاقے سے دور بھاگ جائیں۔ لیکن ایک فلسطینی مصنف ولید خلیل اور بہت سے دوسرے مصنفوں نے جن میں Erskine Childers بھی شامل ہے جو کہ اقوام متحدہ کی اس کمیٹی کا رکن بھی رہا جو کہ عرب ریڈیو اور رپورٹوں کی نگرانی کرتی تھی، ان سب کا کہنا ہے کہ مسلمان رہنماؤں کی طرف سے فلسطین میں اپنے آبائی گھروں کو چھوڑنے کا ایک ذرہ برابر بھی حکم فلسطینی رہنماؤں نے نہیں دیا تھا۔ اس کے برعکس متعدد ایسے حوالے دیے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلسطینی عرب آبادی سے یہ کہا گیا تھا کہ فلسطین چھوڑنے سے معاملہ اپنے ہاتھ سے نکل جائے گا اور اس سے فلسطینی مقصدیت کو نقصان پہنچے گا۔

(Woolfson, Portrail of a Palestenian, Page17)

حتیٰ کہ صہیونی بھی 1950ء کے بعد سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں جب اسرائیلی حکومت نے فلسطینی مہاجرین کے بارے میں یہ پالیسی اپنائی: ''جو چلے گئے وہ چلے گئے۔'' یعنی وہ فلسطینی مسلمان جو آج بھی اقوامِ متحدہ کے زیر نگرانی امدادی کیمپوں میں رہ رہے ہیں اور فلسطین سے چلے گئے ہیں وہ دہشت زدہ ہو کر جب فلسطین سے چلے گئے تو بس چلے گئے۔ اب انہیں واپس آنے دیا جائے گا۔ یہی وہ وقت تھا جب اسرائیلی حکومت یہ کہتی رہی تھی: ''پناہ گزینوں کا مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کا اسرائیل کے قیام سے کوئی تعلق نہیں۔''

2- جھوٹا پروپیگنڈہ:

صہیونی تحریک کے آغاز ہی سے اس کے پیچھے سب سے بڑی قوت Anti Semitism تھی۔ جس کا مطلب ہے ''یہود مخالف'' یا پھر ''یہود کے خلاف نفرت'' جبکہ اس کا حقیقی مطلب یہ

ہے کہ ''اسرائیل کے بیٹے'' (یہود) ''جنٹائل'' (غیر یہودی انسانوں) کے ساتھ نہیں رہ سکتے کیونکہ وہاں پر انہیں نفرت، تعصب اور ظلم کا نشانہ بنایا جائے گا۔ اسی لیے یہودیوں کو بھی اپنے آپ کو الگ کرنا پڑے گا، بالکل ویسے ہی جیسے "Britan Is British" - یہ بات ڈاکٹر وائزمین نے کہی تھی کیونکہ صہیونی تحریک کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اتنے یہودیوں کو جمع کیا جا سکے جو کہ نہ صرف اس مقصد کے لیے مالی مدد کر سکیں بلکہ وہ اسرائیل کی طرف نقل مکانی کرنے کے لیے راضی بھی ہوں۔ اس مقصد کے لیے بہت سے مواقع پر صہیونی رہنماؤں کو عام یہودیوں پر دباؤ اور دہشت گردی کے ہتھکنڈے استعمال کرنا پڑے، تاکہ وہ اس بات کو یقینی بنا سکیں کہ یہودی آبادی فلسطینیوں کی آبادی سے زیادہ رہے جس کی پیدائش کی شرح بہت زیادہ ہے۔

جیسے 1945ء میں امریکی صدر فرینکلن روز ویلٹ نے مغربی یورپی اقوام جو کہ امریکیوں کے ساتھ ہیں، یہ تجویز دی کہ ہولوکاسٹ کے مظلوموں کو امریکا اور یورپ کے لیے ایک لاکھ ویزوں کا اجرا کیا جائے۔ اس ہولوکاسٹ سے بچ جانے والے یورپی یہودیوں میں سے زیادہ تر مشرقِ وسطیٰ (اسرائیل) نہیں جانا چاہتے تھے اور ان کا صہیونیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن صہیونیوں نے فوراً اس منصوبے کو (یعنی یورپی یہودیوں کو امریکا کا ویزا دینے کے منصوبے کو) شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس بات پر زور دیا کہ کم از کم تین لاکھ افراد کو اسرائیل بھیجا جائے جبکہ امریکا کی کانگریس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ صرف بیس ہزار یہودیوں کو امریکا کا ویزا جاری کرے اور اس کام میں صہیونیوں کی مدد کی جائے کہ باقی سب یہودی اسرائیل کی طرف نقل مکانی کر سکیں۔

(Dimbleby, "The Palestenians, Page 84)

1950ء کی دہائی کے آغاز ہی میں اسرائیل سے یہودیوں کی واپس نقل مکانی اسرائیل آمد کے لیے کی گئی نقل مکانی سے بھی بڑھ گئی جو کہ صہیونیوں کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ اس چیز کو روکنے اور آبادی کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اسرائیلی حکومت کی نظر قریبی عرب ممالک پر پڑی۔ خاص طور سے عراق پر جہاں 1,30,000 یہودی آباد ہیں۔ یہاں کے یہودی نسبتاً خوشحال تھے اور عرب آبادی کے ساتھ پرامن طریقے سے رہ رہے تھے اور یہاں پر ان کی سیاسی

ساتھ بھی مضبوط تھی۔ اسرائیل کی طرف نقل مکانی کی ترغیب دینے کے لیے صہیونیوں نے 1950-51ء کے درمیانی عرصے میں عراق میں رہائش پذیر یہودیوں کے محلے میں تین بم دھماکے کیے اور اس کا یہ نقشہ کھینچا کہ یہ یہودی مخالف دہشت گرد گروہوں کا کام ہے۔ ان دھماکوں کے فوراً بعد ہی صہیونیوں نے ایسے پمفلٹ بانٹنا شروع کر دیے جن میں یہ درج تھا کہ اسرائیل کی طرف ہجرت کی جائے کیونکہ یہی وہ محفوظ علاقہ ہے جہاں وہ اب رہ سکتے ہیں۔ ناقص منصوبہ بندی اور جلد بازی کی وجہ سے تحقیقی اداروں کی نظران صہیونیوں کی طرف ہوگئی جو ان دھماکوں میں ملوث تھے اور اس سلسلے میں تحقیقات کا آغاز کیا گیا۔ ایک آدمی جس کا نام Yehudah Tajja تھا، کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا جس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کو دھماکے کرنے کے لیے صہیونیوں نے پیسے دیے تھے۔ یہ ثبوت عراقی اہلکاروں کے لیے انتہائی مؤثر ثابت ہوئے، لیکن صہیونی پروپیگنڈے کا کمال دیکھیے کہ انہوں نے پھر بھی عراقی حکومت پر بہت زیادہ سیاسی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ خاص طور سے بین الاقوامی حلقوں کی طرف سے بے تحاشا دباؤ ڈالا گیا اور یہودیوں کو عراق چھوڑنے کا مشورہ دیا گیا۔ قدرتی طور پر ان پر صرف اسرائیل ہی کے دروازے کھلے تھے۔

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P155-164")

اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ اور صہیونی سفاکیت کی مثال نومبر 1940ء کے مہینے میں Patria نامی کشتی کے ڈوبنے کے واقعے میں ہوئی جب اس میں سوار کئی برطانوی معززین کو 252 غیر قانونی یہودی تارکین وطن سمیت غرق کر کے ڈبو دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل 1968ء میں Dr. Herzl Resenblim نے تل ابیب کے اخبار Yedios Acheronos میں لکھی۔ Resenbliam اس صہیونی ایکشن کمیٹی کا حصہ تھا جس نے اس حملے کا حکم دیا تھا۔ اس نے اخبار میں انکشاف کیا کہ اس نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی تھی کہ Patria حملہ نہ کیا جائے لیکن اس کو سخت دھمکی دی گئی اور جسمانی تشدد کا بھی نشانہ بنایا گیا تھا تاکہ اس کی زبان بند کی جا سکے۔ اس غیر انسانی عمل کے دفاع میں موشے شاہ رت Moshe Sharret نے بیان دیا تھا (جو کہ اسرائیلی حکومت کا اعلیٰ عہدیدار تھا): ''ہمیں کبھی چند افراد کی قربانی دے کر بہت سے

افراد کو پانا ہوتا ہے۔'' ان یہودیوں کو اس لیے قربان کیا گیا تھا کہ ساری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹا جا سکے کہ یہود مخالف لہر حد سے تجاوز کر چکی ہے۔ یہی Anti Semitism صہیونی تحریک کے خون کا حصہ اور اس کی بقا کا سہارا ہے۔

یہود دنیا بھر میں اپنے خلاف پائی جانے والی نفرت کا رونا روتے رہتے ہیں لیکن درحقیقت اس میں موروثی اور عالمگیر نفرت نے اسرائیل کے استحکام میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ World Zionist Organization کے صدر Dr. Nahun Goldman اپنی 23 جولائی 1958ء کی جنیوا کی کانگریس میں منعقد کی گئی تقریر میں کہتا ہے:

''یہود سے نفرت میں موجودہ کمی نے ایک نئی گھنٹی بجا دی ہے۔ اب یہودی ہر جگہ برابر کے شہری ہیں۔ جہاں یہ یہودی کمیونٹی کے لیے اچھی بات ہے، وہاں دوسری طرف ہماری سیاسی زندگی کے لیے یہ انتہائی سے زیادہ منفی اثر رکھتی ہے۔''

اسی طرح Davar اخبار کے مدیر نے جو کہ اسرائیل میں سب سے بڑی سوشلسٹ پارٹی کا اخبار ہے، لکھا تھا کہ وہ ان یہودیوں کو جو کہ سکھ کا سانس لے کر آرام سے دنیا بھر میں بیٹھ گئے ہیں، ان کو اس طرح سے واپس لائے گا کہ چند اچھی کارکردگی والے نوجوانوں کو بھیج کر یہ نعرہ بازی کروائی جائے: ''یہودیو! تم اسرائیل واپس چلے جاؤ۔'' اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انکشاف اس وقت سامنے آیا جب Malkid Greenwald جو کہ جرمن حکومت کا رُکن تھا، اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہودی ایجنسی جو کہ اس وقت صہیونی اداروں کی سب سے مضبوط ایجنسی تھی، نے نازیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں یہودیوں کو بے دخل اور یہودی کیمپوں میں منتقل کرنے کی کوششوں میں خودکش جرمن نازی حکومت کی مدد کریں گے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ ان کو صحت مند یہودیوں کو اسرائیل کی آبادی بڑھانے سے اسرائیل بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ اس کو بعد میں معاف کر دیا گیا لیکن اس نے یہ الزام یہودی ایجنسی کے Rudolph Kastner کو دیا۔ اس کا اعتراف جرمن حکومت کے سب سے بڑے نازی رکن Adolph Eihmann نے Life میگزین کے ایک آرٹیکل میں بھی کیا۔

انصاف پسند یہودیوں کی جانب سے صہیونیت کی مخالفت

یہ باب بڑا دلچسپ ہے۔ یہودیوں اور صہیونیوں کی پیدا کردہ تباہی و بربادی کو جاننے کے لیے ہمیں عربوں ہی کی نہیں، بلکہ ان یہودیوں کی بھی سننی چاہیے جو کہ اسرائیل میں آئے تھے اور ان کی رائے بھی لینی چاہیے۔ اس سلسلے میں Nahan Chofshi کے خیالات حد سے زیادہ اہم ہیں۔ وہ ان پہلے پہل کے صہیونی تارکین وطن میں سے تھے جن کا جوش ایک بھیانک تجربے میں تبدیل ہو گیا۔ جب اس نے اسرائیل کے قیام اور فلسطینی آبادی کے لیے غیر منصفانہ رویے کو دیکھا۔ وہ لکھتا ہے:

''ہم آئے اور ہم نے مقامی عرب آبادی کو پناہ گزینوں میں تبدیل کر دیا اور اس سب کے باوجود ہم ان کو گالی دیتے ہیں اور ان سے نفرت برتتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے کیے پر نادم ہوں، ہمیں شرم آئے اور ہم اس کا کچھ حد تک ازالہ کریں۔ ہم اپنے بھیانک کرتوتوں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کو مزید بڑھا چڑھا کر حسین منظر کشی کرتے ہیں۔''

(Dimbleby, The Palestenians, Page91)

Chofsi آگے چل کر کہتا ہے:

''صرف ایک اندرونی انقلاب ہی سے یہ طاقت ہمیں نصیب ہو سکتی ہے کہ ہم عربوں سے قاتلانہ نفرت نہ کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ نفرت ہمارے لیے بالآخر تباہی لے کر آئے گی۔ اس وقت ہمیں یہ احساس ہو گا کہ ہم پر ان بھیانک کرتوتوں کی کتنی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو کہ ہم نے عرب پناہ گزینوں کے ساتھ روا رکھے۔ ہم نے ان کے ساتھ کتنا برا کیا۔ ہم نے یہودیوں کو دنیا بھر سے (سات سمندر پار سے) فلسطین لا کر بسایا لیکن ان عربوں کی وراثتوں اور جاگیروں پر جن کے کھیت پر ہم کاشتکاری کرتے ہیں، جن کے باغوں کے ہم پھل کھاتے ہیں، جن کے انگور ہم اکٹھا کرتے ہیں اور جن شہروں میں ہم رہتے ہیں، ان کو ہم نے لوٹ لیا۔ عربوں سے

زمین چھین کر ہم نے تعمیر، تجارت اور عبادت کے لیے ان کی جگہیں لیں اور ہم اپنے لوگوں سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم اہل کتاب ہیں اور دوسری قوموں کے لیے ایک نمونہ ہیں۔"

(Zionnt Archies & Library)

Jhon Magnes جو Hebraw University کا چانسلر تھا، اس نے بھی صیہونیوں کا ذکر اس طرح کیا تھا: "وہ نظام طاقت کے نشے میں مست، وحشت، بربریت اور ظلم کے پجاری ہیں۔" اسی طرح 1956ء میں ایک اسرائیلی ملٹری کی تقریب میں موشے دایان (Moshe Dayan) نے اپنے ساتھی صیہونیوں سے یہ کہا تھا:

"ہم ہوتے کون ہیں جو کہ ان کی نفرت کے خلاف شکایت کریں؟ اب آٹھ سال ہو چکے ہیں فلسطینی غزہ کے پناہ گزین کیمپوں تک محدود ہو گئے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہم ان زمینوں اور گاؤں کو اپنا گھر بنا لیتے ہیں کہ جس میں ان کے آباء واجداد رہتے تھے۔"

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P172")

1921ء سے بھی قبل ایک یہودی مصنف Asher Ginzburg صیہونی تحریک کے رخ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا:

"کیا یہ وہ منزل ہے جس کے لیے ہمارے والدین نے کوششیں کیں اور جس کی خاطر اتنی نسلوں نے مشقتیں جھیلی ہیں؟ کیا صیہون (Zion) کی طرف واپسی کا یہی وہ خواب ہے جو کہ صدیوں سے ہمارے لوگ دیکھتے آئے ہیں لیکن اب جب ہم وہاں لوٹ آئے ہیں تو ہم زمین پر شب خون مار رہے ہیں۔ وہ بھی معصوموں کا؟ ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قربانی دے کر اور تہذیب وتمدن کے اصولوں کی خاطر خود انہوں نے مشقتیں جھیلی ہیں لیکن یہ آپس میں حریص ہیں اور پھر بھی خون بہا رہے ہیں اور اپنی انتقام کی خواہش کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد، بہت بعد، یعنی 1940ء کی دہائی میں ایک اور یہودی مصنف Rib Binyomin لکھتا ہے:

"میں خود اپنے لوگوں کو پہچان نہیں پا رہا ہوں، کیونکہ ان کی روحوں میں تبدیلی آ چکی ہے۔ ان

لوگوں کے مظالم اور سفاکیت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بات سے بھی کہ عوامی رائے میں ان لوگوں کے کرتوتوں کو اچھی اور قابلِ ستائش نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا۔"

(Thylier, "The Zionist Mind," P108)

ڈاکٹر وائز مین جو کہ ایک "روتھ شیلڈ" ایجنٹ اور سفارتکار تھا، اس نے 1944ء میں جب فلسطین کا دورہ کیا تو یہ بیان دیا تھا:

"اس وقت ماحول بالکل Militorisation کا ہوگیا ہے (صہیونی آبادی اور رہنماؤں کا) اور اس سے بھی بری چیز جو کہ افسوسناک بھی ہے اور غیر یہودی بھی کہ دہشت گردی کا ارتکاب بھی کیا جارہا ہے۔"

(Zionist Archives and Library)

مشہور یہودی مذہبی رہنما Hirsch جو کہ Neturei Karata کا ایک سابق حکمران تھا، اس نے بھی یہ بیان دیا:

"صہیونیت یہودیت کے حیران کن حد تک خلاف ہے۔ یہودی لوگ ایک روحانی حلف اُٹھا چکے ہیں کہ وہ بزور طاقت مقدس زمین پر واپس نہیں جائیں گے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو وہاں پر رہ رہے ہیں (یعنی مقامی آبادی) ان کی خواہشات کے خلاف وہ ہرگز اس زمین میں نہیں جائیں گے۔ یہودی لوگوں کو مقدس زمین خدا کی طرف سے دی گئی تھی اور ہم نے اس پر گناہ کیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں جلاوطن کردیا گیا تھا اور ہمیں اس کی پاداش میں یہ سزا دی گئی کہ اس زمین کو دوبارہ لینے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

(Zionist Archves & Liberary)

یہ یہودی رہنما تو اس حد تک کہتا ہے: "ہولوکاسٹ بھی صہیونیت کی وجہ سے ہوا تھا۔"

اب نہیں معلوم کہ یہ شخص ہولوکاسٹ کو خدا کی پکڑ اس وجہ سے سمجھتا تھا کہ یہ سب صہیونیوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہوتا آیا تھا یا پھر صہیونی قیادت کے کالے کرتوتوں کو اس کی وجہ سمجھتا تھا؟ ("روتھ شیلڈ" اور اس کا نیٹ ورک اور اس کے سویت نازی اور امریکی حکومت کے ساتھ تعلقات) یہ بات تو واضح نہیں، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اسے صہیونیت کی مچائی گئی تباہی کا اندازہ ضرور ہو چکا تھا۔

حصہ دوم

فیلڈ اسٹڈی

اسرائیل جاکر مرتب کی گئی یہ معلومات بہت زیادہ جامع نہیں ہیں، لیکن جو کچھ بھی میں لکھ رہا ہوں وہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اس کے لیے میں نے فلسطین کے مقامی باشندوں سے بہت سے انٹرویو کیے۔ میں مقامی لوگوں سے بہت زیادہ گھل مل گیا تاکہ مجھ کو اپنے قارئین کو تحقیقی بات بتانے میں زیادہ ہچکچاہٹ نہ ہو۔ میں نے زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا انٹرویو لیا۔ میں نے ان افراد کے ساتھ گفتگو اس طرح سے نہیں کی کہ ان کو یہ احساس ہو میں ان سے کچھ پوچھ رہا ہوں، بلکہ میں ان سے جھوٹ موٹ بہت سی ایسی چیزیں کہہ دیتا تھا جس سے ان کو پتا نہیں چلتا تھا کہ میں ان سے یہ سب کس لیے پوچھ رہا ہوں؟ اس لیے مجھے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن کا عام حالات میں معلوم ہونا میرے لیے ناممکن تھا۔ جن لوگوں نے مجھے اجازت دی میں نے ان کے اصلی نام لکھے ہیں اور ان کے شہر بھی بتائے ہیں، لیکن میں نے زیادہ تر اپنے ان دوستوں کی شناخت کو خفیہ ہی رکھا ہے۔

میں نے سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی کہ واقعات سے براہِ راست منسلک لوگوں کے انٹرویو کیے جائیں۔ پھر ان کو میں نے دوسرے انٹرویوز سے ملاکر اور دیگر ذرائع اور طریقوں سے ان کی جانچ کی اور ان کے Reliability (مستند ہونے کے ثبوت) کو دیکھا۔ میں نے اس سلسلے میں ایسے سوال ناموں (Questionarer) جو کہ ایک جیسے اور معیاری تھے، کا بھی استعمال کیا۔ یہ سوال نامے میں نے ان لوگوں سے بھروائے جو مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے اور ایک دوسرے کو جان بھی نہیں سکتے تھے، لیکن ان کے جوابات میں حیران کن حد تک مماثلت موجود تھی۔ ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے میں بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی اسرائیلی حکام اور فوجی

فلسطین
کے سیاسی قیدیوں کو منظم طریقے سے اور باقاعدہ منصوبے کے تحت اذیت دیتے ہیں اور عام فلسطینی آبادی کے انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

آرتھوڈوکس (کٹر) یہودی اور صیہونیت:

اس سے پہلے کہ میں اپنی تحقیقات کا تفصیل سے ذکر کروں اور فلسطینیوں کے لیے اسرائیلیوں کے رویے کا ذکر کروں، میں اتنے ہی ضروری ایک اور موضوع کا ذکر کرنا چاہوں گا جو ایک عام اسرائیلی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ''آرتھوڈوکس'' یہودی مذہبی تنظیمیں اسرائیل کے لیے سخت رویہ رکھتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر اسرائیلی فوج میں شمولیت کے مکمل خلاف ہیں حتیٰ کہ بعض تو اسرائیل کو تسلیم تک نہیں کرتیں، لیکن اس سب کے باوجود آرتھوڈوکس یہود کے صیہونی تحریک اور اس کے رہنماؤں پر گہرے اثرات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی اسرائیل کے قیام کے لیے کی جانے والی کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ [مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو یہودی صیہونیت کے کسی حد تک مخالف ہیں، وہ بھی اسرائیل کے قیام میں ان کے معاون اور مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر خاموش حامی یا شریک کار رہیں۔]

اپنے آپ کو جب میں نے ایک نوجوان یہودی مذہبی طالب علم ظاہر کیا تو میں نے کئی دن یروشلم کے ''آرتھوڈوکس یشیوا'' (Yeshiva: یہ ایک طریقے کا منظم کیمپ ہوتا ہے) جو پرانے القدس شہر میں واقع ہے، میں داخلہ لے لیا اور کئی دن تک وہیں رہا۔ اس دوران میں نے بہت سے مذہبی مباحثے اور مذاکرے و مناظرے بھی دیکھے جو کہ علمی نوعیت کے تھے، لیکن ان کا تعلق براہِ راست مذہب سے تھا۔ اس کے علاوہ میں نے بہت سے ربائیوں (یہودی مذہبی پیشواؤں) سے بھی گفتگو کی جس میں ان سے تورات اور تالمود کے بارے میں بات کی جاتی تھی۔ یہی باتیں میں بعد میں اپنے ساتھی طالب علموں سے بھی کرتا تھا اور ان سے مذاکرات کے ذریعے اپنی معلومات کو مستند اور وسیع کرتا تھا۔

تورات تو اس حد تک مبہم مطالب و مفاہیم پر مشتمل ہے کہ ان میں خود آپس میں تضاد موجود ہے۔ اسی بنا پر اس کی ضرورت پیش آئی کہ زبانی قانون کو ''مشناۃ'' (Mishnah) کی شکل میں الگ سے ترتیب دیا جائے جو کہ صرف معنی اور تشریح معلوم کرنے کے لیے استعمال ہوگا۔ اس کے

لیے ہمیں ''تالمود'' کے ایک اور حصے جس کا نام ''جمارہ'' (Gemarah) ہے، کو بھی استعمال کرنا ہوتا ہے جو کہ حقیقتاً اس قانونی رائے دہی [یہودی علماء کے فتاوی] پر مشتمل ہے جو کہ نسل در نسل یہودی ربیوں نے کی تھی اور اس کے کچھ حصے جنابِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے بھی پہلے زمانے کے ہیں۔

ایک اور چیز جس پر آرتھوڈوکس یہودی سب سے زیادہ زور دیتے ہیں، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی بنیاد ہی اس چیز پر ہے، وہ یہ کہ تمام قوانین کو بالکل ''جامع'' کر دیا جائے تاکہ دنیا کے ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہو اور کوئی بھی مسئلہ رہ نہ جائے جو ان یہودی مذہبی قوانین کی رُو سے حل نہ ہوتا ہو۔ تورات کے بارے میں، میں کوئی عالم نہیں ہوں لیکن میں جو سمجھتا ہوں وہ کچھ یوں ہے کہ تورات کی سب سے پہلی شکل ''احکام عشرہ'' تھی۔ بعد کے انبیاء کے جو صحیفے آئے وہ تورات میں شامل کیے جاتے رہے جبکہ اس کی وضاحت اور اس کے معنی یہ لوگ الگ کتابوں میں لکھتے تھے جیسے تالمود۔ تالمود کی تاریخ کے مطابق یہ بابل میں قید کی تاریخ تک مکمل ہوگئی تھی، جبکہ مشناۃ (Mishanah) عیسیٰ [علیہ السلام] کے آس پاس کی لکھی ہوئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس میں اور تالمود میں پیغمبروں کے علاوہ یہودی علماء کے فتوے بھی درج کیے ہوئے ہیں۔ جس سوال کا ان کے پاس جواب نہ ہوتا کہ انسان کو یہ اچھی طرح سے پتا ہو کہ اسے کس طرح سے اور کیا کرنا چاہیے، اس کے متعلق جوابات انہی قوانین سے دریافت کیے جاتے ہیں۔ [یہ بالکل سورہ بقرہ میں مذکور گائے والا واقعہ ہے کہ کس رنگ کی، کتنی عمر کی اور کیسے اوصاف والی گائے؟ راقم] اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حیران کن حد تک یہ 613 قوانین ہیں جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ بنتے چلے آئے ہیں اور یہ بڑھتے ہی چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ خدا سے قریب پہنچ جائے تو اسے ان سب پر اچھی طرح سے اور پوری پوری طرح سے عمل کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کا ہر پہلو جس میں اس کا رہن سہن، اس کا لباس، اس کا کھانا پینا، اس کے بال، اس کے خیالات، اس کی عبادات اور ان کے طریقے بالکل اسی طرح سے ہونے چاہییں جس طرح کہ یہ 613 قوانین بتاتے ہیں۔

حتیٰ کہ عام سے عام موضوعات اور زندگی کی روزمرہ کی چیزیں بھی انہی قوانین کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں، جیسے مثال کے طور پر جب میں Yeshiva (یشیوا) میں تھا تو وہاں کے طالب علم

ربائی (زیر تربیت یہودی پیشوا) تین دن تک صرف ایک نکتے پر بحث کرتے رہے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اگر ہوا زور سے چلے اور میز پر موجود ایک شخص کے چشمے کو زمین پر گرا دے اور اس کا ساتھی اس پر چڑھ جائے تو تالمود کی روشنی میں اس وقت کیا فیصلہ ہونا چاہیے؟ طلبہ اس بات کو مدنظر نہیں رکھے ہوئے تھے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی ذاتی رائے دیں کہ ان چشموں کے نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ تو اسی بات پر اٹکے ہوئے تھے کہ اس صورت میں ''تالمود'' کیا کہتی ہے؟ کیونکہ اس پوری بحث میں اپنے دل اور دماغ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ بندہ خدا کی طرف صرف اسی صورت میں رجوع کرسکتا ہے یا پھر اس کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے، جب وہ تالمود کے قوانین کی بہت زیادہ پاسداری پوری طرح کرتا ہو اور اس کی کوشش یہ ہو کہ وہ زندگی کو اس قانون کے تابع کرلے، حتیٰ کہ زندگی کی اسپرٹ (روح کو بھی) اسی قانون کے ماتحت اور تابع کرلیا جائے تاکہ وہ بالکل حرف بہ حرف مشناۃ (mishnah) کے قوانین جیسی ہوجائے۔

لیکن ان سب کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان آرتھوڈوکس یہودیوں کے متعلق یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ خدا کے وجود کو اپنے اندر ڈھونڈنے کے بجائے ایک دور دراز کی فرضی دنیا اور خیالی قوانین میں ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ کے لیے خدا سے جدا ہوجاتا ہے اور انہی قوانین کی بھول بھلیوں (Maze) میں گم ہوجاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرسکتا ہے یا پھر اس کے پاس یہی چارہ رہ جاتا ہے کہ اس دھندلے سے رشتے کے ذریعے جس کو وہ قانون کہتا ہے، اس کے ذریعے وہ خدا سے اپنا تعلق جوڑ سکے، لیکن یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اپنی زندگی کا ایک ایک پل تالمود کی ہزاروں تشریحات میں تلاش کرے، جو کہ اس کے یہودی علماء (اسکالرز) نے بیان کیے ہیں۔

آرتھوڈوکس (Orthodox) یہودیت کا اگر چند لفظوں میں خلاصہ نکالا جائے تو یہ بنتا ہے:

''ہر طرح سے عقل کا دل پر جبری اور نہ ختم ہونے والا نفاذ، ذمہ داری (Duty) کا اشد ضرورت پر، خیال کا احساسات پر۔''

لیکن کیا زندگی اس حد تک قانون کے زیر اثر ہوسکتی ہے کہ ہر چیز پتھر پر لکھ دی جائے؟ کیا

انسانی روح کو اس سے خیال اور عمل کی اس حد تک قید کیا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی فطرت کو باقاعدہ انسان سے عمل پر اثر انداز ہونے والے اندرونی سے اور بیرونی سے قوتوں سے تابع کیا جا سکتا ہے؟ اگر ایسا کیا جا سکے تو کیا اس چیز کو اخلاقی طور پر انسانی آزادی کے جوش و ولولہ ان سب کو ختم نہ کر دے گا اور زندگی سے محبت کو ختم کرنے کے مترادف نہیں ہے؟؟؟

"تالمودی یہودیت" انسانی روح کو ختم کرنے کا ایک نظام ہے جس کے ذریعے شخصی آزادی ختم کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ آزادی Pharisees Rubies کے مکمل استحصال (ختم کرنے) کی کوشش ہے۔ نہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ فریسی (Pharisees) یعنی یہودی علماء اور فقیہ حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] سے سخت مخالف تھے۔ صرف یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] نفرت اور ناپسندیدگی کا معاملہ رکھتے تھے۔ تالمودی یہودیت حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] کے بالکل خلاف لڑتی ہے جو عیسائیت میں محبت کی دعوت دی گئی ہے۔ ایک ایسی چیز کی جو دنیا کے تمام بڑے مذاہب کا نصب العین رہا ہے۔ جس میں یہودیت بھی شامل ہے، ماسوائے یہودیت کا "فریسی" (Pharasaic) فرقہ۔

بہت سے یہودی جن میں خود "آرتھوڈوکس یہودی" بھی شامل ہیں، خود زندگی اور روح کے خلاف "تالمودی جنگ" میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ عیسائیت کے خلاف اس نظریاتی جنگ کی طرف بھی مائل نہیں ہوتے جسے یہودی ربی برپا کرتے چلے آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ چیز ان کے شعور میں ضرور رکھ دی جاتی ہے، کیونکہ یہ تو سب سے بنیادی چیز ہے جس پر ان ربیوں (یہودی پادریوں) کی تربیت ہوتی ہے۔ اسی چیز سے یہودی ذہنیت متاثر ہوتی ہے اور لامحالہ یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اس تصور سے طبقے کے لیے منظم ہونے والی مدد کرتے رہیں، جس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ دوسری قوتوں کے ساتھ مل کر انسان کے پاس موجود سب سے قیمتی چیز کو تباہ کر سکیں، یعنی انسانی روح کی وہ آزادی جس پر آج تک آنچ نہیں آئی۔

اسرائیل میں پریس کا کردار

دریائے اردن کے مغربی کنارے میں سفر کے دوران میں خوش قسمت تھا کہ کئی فلسطینی صحافیوں سے رابطے میں آ گیا جنہوں نے مجھے اس بارے میں بتایا کہ اسرائیلی میڈیا کس طرح سے کام کرتا ہے؟ اسرائیلی میڈیا عام طور سے وہی کچھ بیان کرتا ہے جو کہ اسے اسرائیل کے عسکری ترجمان بتاتے ہیں۔ ان عسکری بیانات میں صرف یہودی فوجیوں سے لی گئی معلومات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور دیگر عینی شواہد کا تو تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔ عرب صحافیوں کو ہر چیز جو کہ وہ لکھ رہے ہیں اسرائیلی سنسر والوں کو دینی پڑتی ہے۔ اس محکمے کے نگران اکثر ان آرٹیکلوں کو نکال دیتے ہیں جو کہ حکومت، فوج، پولیس اور آرمی کے کالے کرتوتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اسرائیلی سنسر والے اس بات پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں کہ ان واقعات کے پس منظر کو بیان نہ کیا جائے۔ جیسے مثال کے طور پر اسرائیل کا ایک فلسطینی ایجنٹ (جو کہ اسرائیلیوں کی مدد کر رہا ہے) اپنے ہی کسی فلسطینی پر یا اس کے گھر یا محلے پر حملہ کرتا ہے یا پھر اسرائیلی افواج اپنی پسندیدہ "اجتماعی سزاؤں" کے لیے کارروائی کرتی ہیں تو اس آرٹیکل میں اس طرح کی چھوٹی تفصیل شامل نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کارروائیاں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ فلسطینی ہڑتال جیسے "گناہ عظیم" کا اعلان کرتے ہیں یا پھر بچے دیواروں پر نعرے لکھ دیتے ہیں یا پھر مظاہرے کرتے یا اس بات پر دھرنا دیتے ہیں کہ ان کے شہری حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔

دوسری طرف یروشلم پوسٹ (Jerosalem Post) جو کہ زرد صحافت (Yellow Journalism) کی ایک نادر مثال ہے، چیخ چیخ کر اسرائیلی فوج کے اوپر حملے کا اعلان کرے گا، لیکن وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دے گا کہ اسرائیلی فوجیوں نے اس عرب حملہ کرنے والے کے خاندان کے افراد کو بغیر کسی وجہ کے گرفتار کر لیا تھا۔ اگر کوئی فلسطینی صحافی ان تمام باتوں کے باوجود

حق گوئی سے کام لیتا ہے تو اسرائیلی سنسر والے اس پر سخت جرمانے لگاتے اور قید کی سزا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسرائیلی فوج کبھی بھی اس چیز میں جھجک محسوس نہیں کرتی کہ وہ اپنے ملک کی جمہوری اقدار سے صرفِ نظر رکھتے ہوئے اپنی پالیسیوں سے تھوڑا سا بھی اختلاف رکھنے والوں کے خلاف کارروائی کریں۔ مثال کے طور پر Voice of Palestine ریڈیو جو کہ ایک عرب اسٹیشن ہے اور سیڈون میں واقع ہے اور اپنا زیادہ تر وقت فلسطینی سیاسی مسائل کو دیتا ہے، اس کو اسرائیلی زیر زمین (خفیہ) دستوں نے 1988ء میں اڑا دیا تھا۔ اور پھر دوبارہ ایک مرتبہ 1990ء میں اس پر دھاوا بولا جس کی وجہ سے سات افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اٹھارہ دوسرے زخمی ہو گئے تھے۔ فلسطینی صحافی اور بعض اوقات تو غیر ملکی رپورٹر اور کیمرہ مین بھی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ صرف اس وجہ سے بنا دیے گئے کہ وہ ایک ''غلط وقت پر غلط جگہ میں'' موجود تھے اور ان کو اکثر اوقات حملے سے پہلے کوئی وارننگ بھی نہیں دی جاتی تھی۔

اسرائیلی قاتل اسکواڈ اور غیر ملکی میڈیا

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے سب سے اچھی مثال یہ ہے کہ کس طرح سے اسرائیلی حکومت بیرونی میڈیا اور صحافیوں سے معاملہ کرتی ہے؟ خاص طور سے اس ''خصوصی یونٹ'' سے جس کا مقصد بڑی مچھلیوں کو قتل کرنا ہے۔ ''انتفاضہ'' کے آغاز ہی سے اسرائیلیوں نے زیرزمین خصوصی دستے تشکیل دیے جن کا مقصد ہی ان لوگوں کا خاتمہ کرنا ہے جن کو وہ خطرہ سمجھتے ہیں۔ فلسطین انسانی حقوق کے مرکز (Palestenian Human Rights Center(PHRC اور Elia Zureil جو کہ Queens یونیورسٹی میں Sociology کی پروفیسر ہے، کے مطابق 1988ء سے 75 فلسطینی باشندوں کو انہی خصوصی زیرزمین دستوں کے ذریعے مار دیا گیا۔ ان خصوصی دستوں کے اہلکار عربوں ہی کی طرح لباس پہنتے ہیں اور اپنے فریب دینے والے حلیے کی وجہ سے بے گناہ شکاروں کی طرف اطمینان سے جاتے ہیں اور قریب پہنچ کر مشین گن کی گولیاں برساتے ہیں۔ جب عسکری ترجمان سے بار بار پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ 1991ء میں جن 29 لوگوں کو شہید کیا گیا۔ ان میں سے صرف 7 کے پاس پستول یا پھر محض چھریاں تھیں۔ ان کو Mista Rivim (مستع ریویم) یعنی عرب بھیس میں موجود اہلکاروں نے شہید کیا تھا۔ ان میں سے بھی صرف تین نے کسی قسم کی مزاحمت کی تھی۔ آدھے سے زائد افراد ایسے تھے جن کی عمریں بیس سال سے بھی کم تھیں۔ یہ خصوصی دستے اسرائیلی جوابی کارروائیوں کے لازمی جز بن گئے تھے اور یہ وزیر دفاع اسحاق رابن کے زیرنگرانی تھے، جو کہ بعد میں اسرائیل کا وزیراعظم منتخب ہوا تھا۔

اگرچہ اسرائیلی زیر قبضہ علاقوں میں انہی خصوصی دستوں کے وجود کا اقرار ضرور کرتے ہیں، لیکن وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ یہ موت کے دستے (Death Squad) نہیں ہیں بلکہ ان کو اس لیے تشکیل دیا گیا تھا کہ وہ فلسطینی آبادی کے اندر گھس کر متشدد اور انتہا پسند عناصر کو پکڑ سکیں

جو کہ انتفاضہ کی حمایت کر رہے ہیں۔ فوج نے تو اس طرح کی فلمیں بھی بنائی ہوئی تھیں، تا کہ عوام کو دکھایا جا سکے کہ یہ زیر زمین دستے کس طرح سے گھات لگا کر گرفتاریاں کرتے ہیں اور اپنی مہارت اور لگن کے ساتھ ان دہشت گردوں کو پکڑ لیتے ہیں؟ اس فلم میں کہیں بھی یہ نہیں دکھایا گیا تھا کہ اسرائیلی فوجیوں کا یہ سنگدل دستہ بے گناہ فلسطینیوں کو کس طرح بے دردی سے قتل کرتا ہے۔

غیر ملکی میڈیا اور انسانی حقوق کے گروپوں نے اس کے بالکل برعکس نقشہ پیش کیا ہے، جو کہ اسرائیلی فوج کے پروپیگنڈے کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ انہوں نے تو کئی سیاسی قتل اور زیر زمین دستوں کی کارروائیاں بھی دکھائی ہیں۔ CBS-TV کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس ٹیپ کو تباہ کر دے جس میں فوجیوں کو حملہ کرتے ہوئے دکھایا تھا۔ یہ 1988ء کا واقعہ ہے یعنی سرکاری سطح پر اقرار سے بھی تین سال قبل کا۔ ایک اور موقع پر 1988ء میں تین صحافیوں کو رائٹرز اور Financial Times سے معطل کر دیا گیا تھا جب انہوں نے اس رپورٹ کی اشاعت کی کہ "خصوصی دستے" کیا ہیں اور یہ کس طرح کام کرتے ہیں؟ اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن نے ان تمام الزامات کا اقرار کیا تھا اور انہیں "مکمل بیکار" کہہ کر مسترد کر دیا تھا۔ اگرچہ ان تینوں صحافیوں کو بحال کر دیا گیا تھا لیکن رائٹرز کا صحافی Steve Weizmann اس وقت بال بال بچا جب ایک دھماکہ خیز مواد نے اس کی گاڑی کو تباہ کر دیا، جبکہ Financail Times کے نامہ نگار Adrew Whitley پر حملہ کیا گیا تھا اور ایک نامعلوم حملہ آور کے ذریعے اس کی پٹائی لگائی گئی تھی۔ یہ افسوسناک واقعہ یروشلم میں اس لمحے کے کچھ دیر بعد پیش آیا جب اس نے اپنی رپورٹ جمع کروائی تھی۔

اس حقیقت کی کہ زیر زمین دستے درحقیقت قتل کے دستے (DeathSquad) ہوتے ہیں، تصدیق کئی ذرائع سے ہو چکی ہے جن میں خود اسرائیلی میڈیا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ Danny Rubenstien نے 25 جنوری 1992ء کے شمارے میں اسرائیلی اخبار Haarety نے ذکر کیا تھا۔ اس آرٹیکل میں اس نے اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ اسرائیلی فوجیوں نے ایک نوجوان محمد عابد کو محض شک کی بنا پر مار دیا حالانکہ وہ عسکری آدمی نہیں تھا۔ اسرائیلی مصنف Maya Rosenfeld نے خود 90-1989ء کے دوران اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں کیے گئے 18 سیاسی

قتل گنوائے۔ یہ رپورٹ اس نے Association of Ciril Rights in Israel کے لیے بنائی تھی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی جنوری 1990ء میں اپنی رپورٹ میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ فلسطین میں سیاسی قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس رپورٹ میں یہاں تک لکھا ہوا تھا:

''پچھلے چند سالوں میں اسرائیلی حکومت نے انتہائی مہارت سے ماورائے عدالت قتل کی مذمت بھی کی اور ساتھ ہی حوصلہ افزائی بھی کی۔ خاص طور سے افواج کے ذریعے قتل کی، تا کہ وہ انتفاضہ کے دوران پھیلی ہوئی خراب صورتحال کو قابو کر سکے۔''

1991ء میں ملکی رپورٹ میں بھی امریکی State Department نے اسرائیل پر اپنی رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور PHRIC نے یہ بات صحیح طور سے بیان کی ہے کہ 127 ایسے فلسطینیوں پر حملہ کر کے انہیں قتل کیا گیا تھا، جن میں سے زیادہ تر افراد غیر مسلح تھے لیکن State Department نے اپنے روایتی دوغلے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ ''یہ اموات اس لیے صحیح تھیں کہ ان میں سے زیادہ تر افراد مطلوب تھے، چھپے ہوئے تھے یا پھر دیواروں پر نعرے لکھنے کے بعد بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔'' امریکی اور اسرائیلی اتھارٹیز کے درمیان گہرے روابط کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو اس بیان کی حقیقت سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔

اسرائیل کی ترقی یافتہ معیشت اور عربوں کے قابلِ رحم حالات

میں نے مغربی کنارے میں موجود مسلم آبادی میں افلاس اور غربت کو دیکھا اور دوسری طرف اسرائیل کی ترقی اور دولت کو دیکھا۔ اسرائیلیوں کو ظاہر سی بات ہے دنیا بھر کے مالدار صہیونیوں کی ہمدردی اور ان کے خزانوں تک رسائی حاصل ہے۔ اگرچہ جدید صہیونی ریاست اس زمین میں موجود ہے جہاں ہزاروں سال کی ثقافت اور تہذیب موجود تھی لیکن زیادہ تر انفرااسٹرکچر پچھلی دو سے تین دہائیوں میں قائم کیا گیا۔ اس بات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی کہ دلکش اور پرکشش عمارات تعمیر کی جائیں اور جدید سڑکوں کا جال بچھایا جائے۔ چنانچہ چوڑی چوڑی سڑکیں بنائی گئی ہیں جن کے دونوں طرف پیسے کی ریل پیل نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ ان پر موجودہ دور کی تمام آسائشیں موجود ہیں جن میں نائٹ کلب، ڈسکو ہال، شاپنگ مال سامان سے بھرے ہوئے اسٹور اور ریستوران شامل ہیں۔

فلسطینی آبادی میں اس کے بالکل برعکس صورتحال ہمیں نظر آتی ہے۔ زیادہ تر سڑکیں کچی ہیں اور ان پر چلنے میں جھٹکے لگتے ہیں۔ زیادہ تر عمارتیں ٹوٹی پھوٹی ہیں۔ جو لوگ اتنے خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس مکانات ہیں ان کو بھی جدید دور کی ضرورتوں کی کمی ہے یا پھر وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ تمام اسکول اتنے کم فنڈز رکھتے ہیں کہ شاگرد اور معلم دونوں جدید تعلیمی مواد اور ساز و سامان جیسے کمپیوٹر، آڈیو وژول وغیرہ چیزوں سے محروم ہیں۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ بھی اتنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ یہاں پر خشک اور پتھریلی زمین ہے اور یہ کاشتکاری وغیرہ کے لیے استعمال نہیں

ہوسکتی (البتہ یہاں درخت ضرور اگتے ہیں۔زیتون یہاں کی اصل پیداوار ہے)۔

ایک بڑا انسانی المیہ یہ ہے کہ 15 لاکھ افراد پناہ گزین کیمپوں میں رہ رہے ہیں جن میں سے چند کا خود میں نے دورہ کیا تھا۔ان کیمپوں کی صورتحال بھی انتہائی بری ہے اور اس کو تیسری دنیا سے ہی تشبیہ دی جا سکتی ہے۔غزہ کی مثال تو ایک کھلے زخم کی طرح ہے جو کہ مزید خراب ہوتا جا رہا ہے اور ہر دن اس کی حالت مزید بگڑتی جا رہی ہے۔یہاں کے گھر کم وبیش کھنڈر ہیں۔سڑکیں کچی ہیں اور سیوریج کا نظام موجود نہیں ہے۔انسانی فضلہ گڑھوں میں پڑا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بیماریاں عام ہیں۔یہ کیمپ جن کی نگرانی اور دیکھ بھال اقوام متحدہ کی ایک تنظیم UNWRA کرتی ہے، اس کو بھی بہت کم فنڈز دستیاب ہیں۔طبی سہولتیں بالکل ناکافی ہیں۔بے روزگاری ہر جگہ عام ہے کیونکہ یہاں کوئی کارخانہ یا پھر کوئی جاب موجود نہیں ہے جبکہ ان میں سے بہت سے افراد اسرائیل میں روزگار حاصل نہیں کر سکتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ خطرناک حد تک غربت اور افلاس کا شکار ہیں۔بہت سے افراد غذائی قلت کا شکار ہیں۔یہاں کسی قسم کی طبی یا معاشرتی سہولتیں نہیں ہیں۔نہ طبی انشورنس جیسے منصوبے جو کہ ضرورت کے وقت ان کی پہنچ میں ہوں۔تقریباً تمام پناہ گزینوں کو ایک تنگ سی جگہ میں جمع کر کے رکھا گیا ہے کہ سات سے دس یا پھر اس سے بھی زیادہ افراد ایک کمرے میں رہ رہے ہیں۔اس کے علاوہ ان پناہ گزینوں کے خلاف اجتماعی سزاؤں، گھروں پر سیل لگانا اور اسکولوں کی بندش جیسے حربوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔مثال کے طور پر تلکرم کے پناہ گزین کیمپوں میں 1989ء کے تعلیمی سال میں صرف 45 دن اسکول کھلے رہے تھے اور 1990ء میں صرف 36 دن کھلے رہے تھے۔ڈاکٹر ثابت جو ایک فلسطینی دندان ساز (Dentist) ہے اور تلکرم کے پناہ گزین کیمپ کا ایڈمنسٹریٹر بھی ہے، اس نے بتایا کہ اسرائیلی فوجیوں کے مظالم اور اتنی زیادہ گنجان آبادی کی وجہ سے یہ کیمپ (Bitterness and Fussteration) کے گڑھ بن گئے ہیں اور یہاں تشدد بہت عام ہے جو کہ چڑچڑی شخصیت اور نفرت پسندانہ ماحول تشکیل دیتا ہے۔

یہ سارے معروضی حقائق اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فلسطینی واضح طور سے ایک الگ

ریاست چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی معیشت بہتر بناسکیں، انڈسٹری، کمرشل اور کمیونیکشن انفرا اسٹرکچر کی تعمیر کرسکیں۔ وہ اس کے لیے تیار و مستعد ہیں۔ وہ اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ وہ ایسا چاہتے ہیں اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ وہ ایک قوم کی حیثیت سے ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ جانتے ہیں کہ اسرائیلیوں نے اپنی طاقت، استطاعت اور ان کی دسترس میں جو کچھ بھی تھا، وہ استعمال کرلیا تاکہ ظلم کے ذریعے فلسطینیوں کو دبایا جاسکے یا ان کو پیچھے رکھا جاسکے۔ فلسطینی عوام عرب ممالک بالخصوص مشرقِ وسطی میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ ہیں۔

ایک امریکی انجینئر جو کہ کویت میں کام کررہا تھا جب اس سے میری لندن کی فلائٹ میں ملاقات ہوئی تو اس نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ خلیج کی جنگ سے پہلے سارا کویتی بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) فلسطین کے تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد پر تکیہ کرتا تھا۔ کویتی بہت زیادہ امیر ہیں اور وہ فلسطینی مینجمنٹ اور افرادی قوت کو استعمال کرتے تھے۔ یہ بات کچھ حد تک اردن کے لیے بھی صحیح ہے، جہاں 15 لاکھ سے زائد فلسطینی مہاجرین رہتے ہیں، بلکہ فلسطینی دنیا بھر میں رہ رہے ہیں اور قانون دان، ڈاکٹر، تاجر وغیرہ جیسے معزز پیشہ ور افراد کے طور پر کام کررہے ہیں اور وہ اس بات کے لیے بھی تیار ہیں کہ وہ واپس لوٹ کر اپنے ملک کو سنبھالنا شروع کردیں اور اپنے ملک کی تعمیر نو کریں۔ زیادہ تر سیاسی قیدی جن سے میری ملاقات ہوئی، روانی سے عبرانی، عربی اور انگریزی بولتے تھے اور تقریباً تمام نے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ میرے ساتھ بہت زیادہ ادب اور عزت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کئی بار میں نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور رات میں بھی ان کے ساتھ قیام کیا تھا۔ یہ لوگ مجھ سے اکثر اس بات کا سوال کرتے تھے کہ انہیں کب آزادی سے رہنے کا موقع ملے گا وہ بھی اپنے ملک میں؟ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں یہ حق مل جانا چاہیے اور یہ وہ وقت ہے کہ دنیا اس موضوع پر غور کرے اور صہیونیت کو دیکھے کہ وہ کیسی قوت بن چکی ہے۔

سابق فلسطینی قیدیوں سے بات چیت

سمیر ابوشمس:

مغربی کنارے میں میری سب سے پہلی منزل ''تلکرم'' تھی۔ اسرائیلی عسکری جیلوں کی سب سے خطرناک جگہ۔ ٹیکسی کے اڈے سے مجھے سیدھا ایک آدمی سمیر ابوشمس کے گھر لے جایا گیا۔ اگست 1990ء میں اسے اردن کی سرحد پر اس وقت گرفتار کر لیا گیا تھا جب وہ اسے پار کرنے والا تھا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ PLO کا ممبر ہے جو کہ وہ کبھی نہیں تھا۔ میں اسی وقت اس پر اس وجہ سے اعتماد کرنے پر تیار ہو گیا کہ جن لوگوں سے میں نے اب تک بات چیت کی تھی، انہوں نے یا تو اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی یا پھر اس بات کا کھل کر اعتراف کیا کہ وہ PLO کے ممبر تھے یا اب بھی ہیں۔ اسرائیلی تفتیشی افسروں نے جب اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ PLO کا حمایتی تو ہے لیکن اس نے یہ بات بھی صاف صاف بتائی کہ وہ کبھی بھی تنظیم کا حصہ نہیں رہا تھا اور اس تنظیم میں کبھی اندر نہیں گیا تھا۔

سمیر کو بعد میں ایک اسرائیلی جیل میں لے جایا گیا تھا جس میں اس کو ایک میٹر اونچے اور 1.8 میٹر چوڑے پنجرے میں قید کر دیا گیا۔ اسے اس حالت میں تین دن تک رکھا گیا تھا۔ اس پنجرے میں نہ تو کوئی کھڑکی تھی اور نہ ہی کوئی بیت الخلا۔ اسے مجبور ہو کر اسی پنجرے میں رفع حاجت کرنی پڑی۔ اس کے تین دن بعد اسے ایک اور پنجرے میں منتقل کر دیا گیا جس میں اسے دو اور ساتھیوں کی رفاقت کی سہولت مل گئی۔ اس کا نیا پنجرا دو میٹر چوڑا اور دو میٹر اونچا تھا۔

ہر صبح سمیر کو اس چھوٹی سی جگہ سے نکال کر پوچھ گچھ کے لیے لایا جاتا۔ اس دوران اس سے کئی سوالات کیے جاتے۔ اس کے خاندان کے بارے میں اور اس کے PLO کے ممبروں کے بارے میں۔ ظاہری بات ہے کہ سمیر کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا، کیونکہ وہ کبھی بھی PLO کا رکن نہیں رہا

تھا۔ ہر صبح اسے پوچھ گچھ کے لیے لایا جاتا اور لاٹھیوں سے پٹائی کی جاتی۔ انسانیت سے عاری اسرائیلی تفتیش کاروں کا ایک پسندیدہ طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کرسی میں اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بالوں سے اسے پیچھے کھینچتے تھے جس سے بہت زیادہ درد اور تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اسرائیلی اسے بہت زیادہ مذاق اور طنز کا نشانہ بناتے تھے، جبکہ رات میں بھی شور مچاتے تھے تاکہ اسے سونے نہ دیا جاسکے۔ اس کو اکثر "جناب صدر" کہہ کر پکارا جاتا اور آئینے میں اس کی اپنی شکل دکھائی جاتی جس کے بعد اسے رہائی کا جھانسہ دے کر اقبالِ جرم کرنے کو کہا جاتا۔ ایک مرتبہ تو سمیر کو ٹارچر کرنے والے اسرائیلی افسروں نے اس کا منہ کھولا اور اس میں تھوک دیا۔

اس کے پندرہ دن کے بعد اس کو ایک وکیل سے ملنے دیا گیا، لیکن جیسے ہی وہ عدالت گیا تو اس کے خلاف تیس دن کا ریمانڈ دے دیا گیا۔ (حالانکہ اس کے خلاف ایک رتی برابر بھی ثبوت نہیں تھا) تاکہ استغاثہ کو اپنا کام جاری رکھنے دیا جائے۔ عدالت کی اس تاریخ کے بعد اس کو ایک الگ پنجرے میں ڈال دیا گیا جہاں اس کی گردن کے گرد زنجیر باندھ دی گئی، پھر اس زنجیر کو چھت سے باندھ دیا گیا۔ اس حالت میں اسے تین دن تک کھڑا رہنے پر مجبور رکھا گیا۔ اگر وہ ذرا سا بھی جھکنے کی یا بیٹھنے کی کوشش کرتا تو گلے میں پھندا اور سخت ہو جاتا اور اس کا دم گھٹنے لگتا۔ ظاہری بات ہے اگر وہ گر جاتا تو اس کی موت واقع ہو جاتی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ صرف اس وجہ سے بچ گیا کہ وہ اور اس کے اردگرد کے قیدی ساتھی مل کر باتیں کرتے یا پھر نظمیں پڑھتے رہتے تاکہ اس دوران سو نہ پائیں۔ اگر وہ اس حالت میں سو جاتے تو یہ نیند ان کے لیے موت کی تھپکی ثابت ہوتی۔

اس خوفناک واقعے کے بعد اسے ایک سرد پنجرے میں ڈال دیا گیا جہاں وہ بہت جلد بیمار ہو گیا اور اس کی اپنی آواز کھو گئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد اسے جنین کی ایک جیل بھیج دیا گیا اور اسے فلسطینی عملے کے ساتھ رکھا گیا تاکہ جس حد تک ہو سکے معلومات اکٹھی کی جاسکیں۔ سمیر اور جیل میں اس کے ساتھ موجود فلسطینی ساتھی یہ جانتے تھے کہ یہ فلسطینی اسرائیلیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں اس لیے یہ ان کا سامنا نہیں کرتے تھے۔ اسی دوران ان لوگوں کا ساتھی قیدی سخت بیمار ہو گیا اور سمیر اور اس کے دوستوں کو بھوک ہڑتال کرنا پڑی تاکہ اس کو ہسپتال منتقل کیا جاسکے۔

سمیر کو بالآخر تین مہینے بعد جیل سے رہا کر دیا گیا۔ اس کو بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ اسے اچانک کیوں اتنی جلدی رہا کر دیا گیا؟ لیکن ایک تفتیشی افسر نے اسے اتنا ضرور بتایا کہ اسے اس لیے گرفتار کیا گیا، کیونکہ وہ دوران تعلیم General Union of Palestenian Students سے وابستہ رہا تھا، حالانکہ سمیر کبھی اس تنظیم کا رکن نہیں رہا تھا بلکہ صرف اس نے ایک تعارفی تقریب میں شرکت کی تھی جو کہ بظاہر اس بات کے لیے کافی تھا کہ اسرائیلی اس واقعے کے آٹھ سال بعد اسے اس جرم پر حراست میں لے لیں۔

خالد راشدی:

خالد راشدی کو 1985ء میں گرفتار کیا گیا تھا، جب اس پر PLO کا رکن ہونے کا الزام لگایا گیا۔ خالد نے صاف اعتراف کیا کہ وہ اس وقت PLO کا رکن تھا لیکن وہ جیل سے باہر آنے کے بعد دوبارہ اس تنظیم میں شامل نہیں ہوا۔ تقریباً ڈھائی سال کے بعد جب اس کو جیل سے رہائی ملی تو 45 دن کی آزادی کے بعد دوبارہ اسے مارچ 1988ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے چار مہینے بعد اسے عدالت سے لے جایا گیا۔ اگرچہ اس پر کوئی الزام نہیں تھا، لیکن جج نے اسے مزید چھ مہینے قید میں رکھنے کی منظوری دے دی تاکہ اس سے کچھ ثبوت اکٹھے کیے جاسکیں۔ اس غرض کے لیے اسے نابلوس کی مرکزی جیل بھیج دیا گیا۔ اس کے گیارہ مہینے بعد اسے اپنے وکیل سے ملنے کی اجازت ملی اور Lia Semel نے اسرائیلی سپریم کورٹ میں کامیابی سے اس کی درخواست پیش کی اور اسے قید سے رہائی دے دی گئی لیکن 1984ء میں ایک مرتبہ پھر اسے دوبارہ بغیر کوئی الزام لگائے جیل میں ڈال دیا گیا۔ اسی دوران خالد کا کیس Tamara Peeleg کی نظر سے گزرا جو کہ اسرائیل کی انسانی حقوق کی متحرک تنظیموں میں سے ایک کی رکن ہے۔ اس نے ایک سال کے بعد 1990ء میں اس کو رہائی دلوائی۔

دوران قید خالد کو بہت سے طبی مسائل کا شکار ہونا پڑا جن میں بڑی آنت میں انفیکشن اور معدے سے خون کا اخراج شامل ہے لیکن اس سب کے باوجود اسے کوئی طبی امداد نہیں دی گئی۔ اسرائیلی موٹے ڈنڈوں سے اس کی بار بار پٹائی لگاتے اور سوال کرتے۔ ایک مرتبہ اسرائیلی تفتیش

کار جب اسے ایک حساس سیکورٹی زون لے جا رہے تھے تو نہ صرف یہ کہ اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی گئی بلکہ اس کے سر پر جو کپڑا ڈالا گیا، اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اس پر پیشاب کرے اور اس کو اپنے منہ پر ڈال دے تاکہ وہ سونگھ بھی نہ سکے کہ اسے کس جگہ لے جایا جا رہا ہے۔

اپنی قید کے پہلے دورانیے کے بعد خالد کو ایک شناختی کارڈ دیا گیا تھا جس کو ''گرین کارڈ'' کہا جاتا ہے اور اس کا مطلب یا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص مغربی کنارے سے باہر نہیں جا سکتا تاکہ وہ کوئی روزگار تلاش کرے اور اپنے خاندان والوں کی کفالت کر سکے۔ حتیٰ کہ وہ یروشلم شہر میں بھی داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اسرائیلی انتظامیہ کے خوف میں رہتے ہیں اور انہیں اکثر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور پٹائی لگائی جاتی ہے۔

سعد الدین خارم:

دوران قید اس کے منہ پر کیڑے مار دوائی DDT چھڑکی گئی اور آنکھوں پر بھی۔ منہ پر ماسک لگا کر تین دن تک پٹائی لگائی گئی خاص طور سے سر اور شرم گاہ میں اور کئی دن تک بھوکا رکھا گیا۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ ایک کرسی کے ساتھ باندھ کر کئی دنوں تک رکھا گیا (22 دن تک) اور اس دوران اس کے ہاتھوں کو اس قدر سختی سے کسا گیا تھا کہ وہ آج تک اپنی کلائیوں سے آگے کے حصے کے مکمل استعمال پر قادر نہیں ہو سکا۔

ناجی:

ایک فلسطینی طالب علم جس کا نام ناجی ہے، اس سے جب نابلس سے یروشلم جاتے ہوئے ملاقات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ اس کو چار مختلف واقعات کے دوران گرفتار کیا گیا کیونکہ وہ اکثر بیرزیت یونیورسٹی کے سامنے سے گزر رہا ہوتا تھا جب اسرائیلی پولیس وہاں چھاپہ مار رہی ہوتی تھی۔ ناجی کچھ ہی عرصہ پہلے سترہ سال کا ہوا تھا جب میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

احمد جابر محمد ابراہیم:

ایک اور طالب علم احمد جابر محمد ابراہیم جو کہ سترہ سال کا تھا اس کو فوجیوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا، اس وقت وہ ایک پرامن مظاہرہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ وہ بھی ثانوی طالب علموں کا ایک مظاہرہ

جو اسلیم مارچ 1992ء میں ہوا تھا۔ رفاہ کے شہر میں ناصر ہسپتال کے طبی ریکارڈ کے مطابق اس مظاہرے میں 14 طالب علموں کا گولیوں سے زخمی ہونے کے بعد علاج کیا گیا تھا۔ اسرائیلی اخبار یروشلم پوسٹ (Jerusalem Post) نے اس موقع پر یہ بتایا تھا کہ ایک ہلاک اور 9 زخمی ہوئے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا "ایک تلخ تصادم ہماس کے بنیاد پرستوں اور PLO کے درمیان جاری تھا کہ ان دونوں کو روکنے کے لیے اسرائیلی آرمی میدان میں کودی تا کہ مزید خونریزی کو روکا جا سکے۔" کیا خوبصورت عذر ہے اور جھوٹ بولنے کی صلاحیت کا کتنا زبردست مظاہرہ ہے۔

جمال حسن:

سب سے بدترین تشدد جو کہ اسرائیلی فوجی استعمال کرتے ہیں وہ ہے بجلی سے ٹارچر دینے کا طریقہ۔ ایک چودہ سالہ لڑکا جس کا نام جمال حسن تھا، جس سے میں نے بات کی تھی، اس کو اس کے والدین کے گھر سے حبرون (Hebron) کے عسکری قصرِ صدارت (Military Headquarter) لے جایا گیا۔ اس کو دیگر قیدیوں کی اذیت ناک آوازوں نے خوش آمدید کہا۔ اس کو برہنہ ہونے پر مجبور کر دیا گیا اور اس چیز کا اقبال جرم کرنے کو کہا گیا کہ اس نے اسرائیلی فوجیوں پر پتھر پھینکا تھا۔ جمال نے مجھے بتایا کہ اگرچہ اس نے دیواروں پر نعرے لکھے تھے لیکن اس نے کبھی اسرائیلی فوجیوں پر پتھر نہیں پھینکے تھے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر وہ اس طرح سے ان کا سامنا کرے گا تو اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔

شروع میں تو اسرائیلی پوچھ گچھ کرنے والے افسروں نے اسے دھمکیوں کی حد تک محدود رکھا۔ وہ چھری کی دھار کو اس کے گلے پر رکھ دیتے اور اس کے سر کے پیچھے دیوار پر موٹے ڈنڈوں سے پیٹتے۔ انہوں نے اسے خصی کرنے کی اور اس کی بہن کو گرفتار کرنے کی بھی دھمکی دی اور یہ کہا کہ اسرائیلی فوجی اس کی عصمت دری کریں گے۔ جمال نے اقبال جرم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور خوف سے اس نے کسی بھی دھمکی کا جواب نہیں دیا۔

اس پر اس سے پوچھ گچھ کرنے والے اور بھی زیادہ بپھر گئے کہ اس سے اقبال جرم کا بیان لیا جائے۔ اس لیے انہوں نے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر بجلی کے تار لگا دیے اور بجلی کے جھٹکے دینا

شروع کر دیے۔ وہ کانپنا اور ٹھٹھرنا شروع ہو گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بجلی کا Voltage اتنا زیادہ ہو گیا کہ وہ کرسی سے اچھل کر گر گیا (اس کو کرسی سے نہیں باندھا گیا تھا تاکہ بجلی کے طاقتور ترین جھٹکے دیے جا سکیں)۔ اس دوران اسرائیلی فوجی قہقہے لگا رہے تھے اور اس کی نقل اتار رہے تھے جبکہ اس کو "اپنے لوگوں کا ہیرو" کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد اس کے سر پر گندگی کا بدبودار تھیلا باندھ دیا گیا جس سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ بجلی کے جھٹکوں کے دوسرے سلسلے جو کہ اس کی شرم گاہ میں دیے گئے تھے، نہ صرف اس کو بے پناہ تکلیف ہوئی تھی بلکہ تکلیف کی ٹیسیں اُٹھتی تھیں۔ درد کے دورے پڑتے تھے۔ اسی دوران اس کے سر پر کئی وار کیے گئے جس سے وہ ہوش وحواس کھو بیٹھا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک فلسطینی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے اسرائیلیوں کو بتایا کہ اس نے جمال کو اسرائیلی فوجیوں پر کئی مواقع پر پتھر پھینکتے ہوئے دیکھا ہے۔ جمال نے اس الزام کو سختی سے مسترد کر دیا اور اس نے اس فلسطینی کے منہ پر تھوک دیا جو کہ حقیقت میں اسرائیلیوں کا ایجنٹ تھا۔ اسرائیلیوں نے اس کو بجلی کے مزید جھٹکے دیے اور اس بار اس کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ بجلی کے تاروں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے جس سے اس کے بدن اور بازوؤں میں بجلی کے جھٹکے لگے۔ دوبارہ اس کو اقبال جرم کرنے کو کہا گیا لیکن اب وہ بولنے کی سکت نہیں رکھتا تھا اور اس نے صرف اپنا سر ہلایا۔ ایک اور ایجنٹ کو لایا گیا اور اس نے بھی یہی کہا کہ اس نے جمال کو پتھر پھینکتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ کہ وہ جمال کو جانتا ہے، اس کے خاندان کو بھی اور یہ کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ پوچھ گچھ کرنے والوں نے مزید کہا کہ ان کے پاس ایک درجن سے بھی زیادہ اس بات کے شاہدین موجود ہیں، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اقبال جرم کر لے، لیکن اس کے باوجود بھی جب اس نے اقبال جرم کرنے سے انکار کر دیا تو رائفل کے بٹ سے اس کے بازوؤں اور پاؤں پر شدید ضرب لگائی گئی۔ اس کے بعد اس کو بجلی کے جھٹکے دیے گئے تھے جس سے ظاہری بات ہے کہ تکلیف اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

اس طرح سے اسے ایک ہفتے تک قید میں رکھا گیا۔ اس ظالمانہ تشدد کے باعث وہ اگلے نو دنوں تک چل نہیں سکتا تھا۔ اس کا سارا جسم آبلوں سے بھر گیا تھا اور اسے معلوم ہوا کہ شاید اس کی ایک پسلی

ٹوٹ گئی ہے۔ اس کے علاوہ کھال پر جگہ جگہ جلنے کے نشانات تھے۔ اس کے بعد ایک اسرائیلی ڈاکٹر نے اس سے پوچھا "کیا وہ ٹھیک ہے؟" تو اس نے جواب دیا "وہ ٹھیک ہے۔" جمال کے ساتھی قیدیوں نے اسے یہ بتایا تھا کہ ڈاکٹر صرف اس بات میں دلچسپی لیتے ہیں کہ ملزم کے مرنے کا پتہ لگا سکیں تا کہ اس پر مزید تشدد کیا جا سکے اور پوچھ گچھ کے دوران مزید اذیت ناک بنا سکیں۔ تفتیش کے اگلے مرحلے میں سگریٹ کے ذریعے اس کی کھال اور آنکھ کے پردے کو داغا گیا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے اقبال جرم کرنے سے انکار کر دیا۔ تب دوبارہ اس کے چہرے اور ٹانگوں پر ڈنڈوں سے بے تحاشا پٹائی کی گئی۔

بالآخر تفتیش کار اس بات پر مجبور ہو گئے کہ روایتی دھوکہ بازی سے کام لیں تا کہ تحریری بیان پر اس کے دستخط لیے جا سکیں کہ اس نے اسرائیلی فوجیوں پر پتھراؤ کیا تھا لیکن یہ بیان عبرانی زبان میں تھا جو کہ جمال پڑھ نہیں سکتا تھا۔ جیسے ہی اس نے اس تحریری بیان پر دستخط کیے، اسرائیلی خوشی سے چیخنے لگے اور زبردستی اس کے انگوٹھے کے نشانات لیے گئے۔ بعد میں اسے عدالت لے جایا گیا جہاں استغاثہ نے جج کو اس حلف نامے کی بنا پر قائل کر دیا کہ اس کو دو مہینے تک مزید قید رکھا جائے۔ اس کے ایک مہینے بعد اسے قید سے نکال دیا گیا لیکن اس کے خاندان پر 1,500 شیکل کا جرمانہ عائد کر دیا گیا۔ جمال آج تک اپنے ہاتھوں کا استعمال دوبارہ کبھی پوری طرح سے نہیں کر سکا اور نہ ہی ٹانگوں کا۔ اور اب بھی اکثر درد و تکلیف کی ٹیسیں اس کے بازوؤں اور پاؤں میں اٹھتی رہتی ہیں جو کہ اس کو مستقل طور سے ان بجلی کے جھٹکوں کی جو اسرائیلی ظالموں نے اسے دیے تھے، یاد دلاتی رہتی ہیں۔

قید کے دوران تشدد سے ہونے والی بلائیں:

میں نے اس کے علاوہ اسرائیلی فوجیوں کے ظلم اور تشدد کا نشانہ بننے والے کئی درجن افراد سے بات چیت کی جن میں سے کئی بجلی کے جھٹکوں اور بار بار پٹائی کا شکار ہوتے رہے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مستقل زخموں کا تحفہ لیے جی رہے ہیں اور ان کے جسم کے مختلف حصوں میں مستقل درد رہتا ہے لیکن اس بات کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ ان افراد کے ذہنی احساسات کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا

گیا ہوگا اور وہ کس قسم کے تشدد کا شکار ہوئے ہوں گے؟ لیکن وہ یہ سوچ کر صبر کر لیتے ہیں کہ وہ اس مصیبت سے زندہ نکل آئے۔

جب سے ''انتفاضہ'' کا آغاز ہوا یعنی دسمبر 1987ء میں، PHIRC کی رپورٹ کے مطابق 25 فلسطینی اسرائیلی قید کے دوران شہید ہو گئے۔ کچھ کو گولی ماردی گئی تھی، بعض طبی سہولتوں کی عدم فراہمی اور ایسی جسمانی پیچیدگیوں (Medical Complication) کی وجہ سے شہید ہو گئے جس کی وجہ مار پٹائی اور ٹارچر تھی۔

PHIRC کے مطابق دسمبر 1987ء سے مارچ 1992ء کے درمیان 1,030 فلسطینی اسرائیلی فائرنگ، تشدد اور Tear Gas کے استعمال سے جان کی بازی ہار گئے۔ اس کھلے عام اور تھوک کے حساب سے مذبح خانے جیسی کارروائیوں کا یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ اسرائیلی اپنا دفاع کر رہے ہیں اور فلسطینیوں کے حملے کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن اس وجہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسی عرصے کے دوران 100 سے بھی کم اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے۔

فلسطینی سیاسی قیدیوں پر تشدد:

اسرائیلی انتظامیہ کی کارروائیوں کی بہت زیادہ تفصیلات کئی مصنفوں نے بیان کی ہیں۔ Marion Walfron جو کہ اسکاٹ لینڈ سے یہودی صحافی ہے، اس نے بھی ایک کتاب Bassam Shak'a : Portrait of a Palestenian لکھی ہے جس میں ان اذیتوں کی تفصیل دی گئی ہے جو کہ فلسطینیوں نے اسرائیلیوں کے ہاتھوں جھیلیں۔ مثال کے طور پر سب سے عام طریقہ یہ استعمال کیا جاتا تھا کہ بجلی کے تار اور شیشوں کے ٹکڑے نیچے ڈال دیتے تھے، خاص طور سے ان فلسطینیوں پر جو کہ حملوں کے شک میں گرفتار ہوتے تھے۔ اس کی تصدیق اسرائیلی اخبار Yedios Achronos نے اس وقت کی جب ایک آرٹیکل میں ایک پولیس افسر نے اس بات کا اقرار کیا۔ Felicia Langer جو کہ ایک اسرائیلی وکیل ہے اس نے بھی اس بات کا انکشاف اپنی کتاب With My Own Eyes میں کیا جس میں اس نے فلسطینیوں پر ہونے والے تشدد کا کھل کر تفصیل سے بیان کیا ہے جو کہ اس نے ایک وکیل کی حیثیت سے اسرائیلی انصاف کے نظام

میں دیکھا۔اس کے علاوہ ولید خلیل کی تحریروں میں بھی اس کا تفصیلاً ذکر موجود ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں:

1972ء تک 17,000 سے زائد وکیل، ڈاکٹر اور استادوں کو ڈی پورٹ کیا جاچکا تھا، وہ بھی بہت معمولی سی باتوں پر اور اپنے دفاع کا موقع دیے بغیر۔اس کے علاوہ پچھلی دو دہائیوں میں مزید ہزاروں فلسطینیوں کو تعلیم یافتہ افراد اور ہنرمندوں کو ڈی پورٹ کیا جاچکا ہے۔

1948ء کی جنگ آزادی کے بعد (جس کو عرب ایک سانحہ کے طور پر یاد کرتے ہیں) جس کی وجہ سے لاکھوں فلسطینیوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے تھے، اسرائیلیوں نے ان کے گھروں پر قبضہ کرلیا اور Law of Aquisition of Absentee Property کے تحت کوئی بھی فلسطینی جو کہ 1947ء سے 1950ء کی دہائی میں کبھی بھی باہر گیا ہو، اس کو یہ ملکیت کسی بھی صورت میں واپس نہیں مل سکتی ہے، نہ ہی وہ اس میں آباد ہو سکتے ہیں، نہ ان زمینوں کو کرائے پر لے سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر کاشتکاری کر سکتے ہیں۔ 385 سے زیادہ فلسطینی گاؤں بالخصوص Galibee کے علاقے میں (شمالی اسرائیل خاص طور سے لبنان اور شام سے ملحقہ سرسبز وشاداب علاقہ) مکمل طور پر تباہ کردیے گئے ہیں۔یہ فلسطینی گاؤں بلڈوزر کے ذریعے تباہ کیے گئے تاکہ صیہونی نئی اسرائیلی بستیاں بناسکیں۔

(Woolfson, Portriat of a Palestenian, p1718)

اسرائیلی حکومت کا غیر اعلانیہ نصب العین یہی ہے کہ فلسطینی ثقافت کی 2,000 سال سے زائد کی تاریخ کو مسخ کردیا جائے۔اس مقصد کے تحت اسرائیل بڑے پیمانے پر دنیا بھر سے اور خاص طور پر روسی یہودیوں کو درآمد کررہا ہے اور انہیں مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں آباد کررہا ہے تاکہ ان علاقوں میں اپنی عددی برتری قائم کرسکے۔فلسطینیوں کو سختی سے منع کیا جاتا ہے کہ وہ فلسطین کے جھنڈے نہ لہرائیں جو کہ انہوں نے اپنی قوم کی نمائندگی کے لیے چنا ہے۔اگر وہ ایسا کریں تو ان سے سخت تفتیش کی جاتی ہے۔گھر بلڈوز کردیے جاتے ہیں حتیٰ کہ گولیوں سے بھی مار دیے جاتے ہیں۔

شہری حقوق کی خلاف ورزی:

اس سے بھی زیادہ تشویشناک صورت حال اسرائیلی مقبوضہ علاقوں کی یہ ہے کہ اسرائیلی

فلسطینیوں کے اپنی زمین پر رہنے کے حق کو بری طرح سے پامال کر رہے ہیں۔ خاص طور پر مشرقی یروشلم میں تو یہ ایک عام سی بات بن گئی ہے۔ مشرقی یروشلم میں کسی بھی فلسطینی کو بڑی مشکل سے عمارت کی تعمیر کی اجازت دی جاتی ہے جبکہ صہیونی آبادیاں جن کے رہائشیوں کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے، یروشلم کے شہری علاقے کے چاروں طرف پھوٹ پڑی ہیں جس سے ان فلسطینی گاؤں کی آبادیاں گھٹ گئی ہیں جو کہ آس پاس ہیں۔ اسی طرح مغربی کنارے میں زمینیں مستقل بنیادوں پر ضبط کر لی جاتی ہیں تاکہ نئی سڑکیں بنائی جائیں جو کہ Kibutzim دیگر اسرائیلی آبادیوں کو ملاسکیں۔ یروشلم میں تو سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اسرائیلی فوجی کسی بھی جگہ کے متعلق ''حساس سیکورٹی زون'' کا اعلان کر کے کسی بھی گھر پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک علاقہ یروشلم کے مسلم حصے میں واقع Al-Wad ہے۔ اس علاقے سے گزرنے والی سڑک ''دیوار گریہ'' سے جاملتی ہے۔ طرحی (Tirhi) خاندان..... مثال کے طور پر..... اس علاقے میں پچھلے تین سو سال سے ایک بڑے گھر کا مالک تھا لیکن 1969ء میں اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اس گھر کو خالی کر دے کیونکہ اسرائیلی فوج نے کہا تھا کہ اسے یہ علاقہ حفاظتی مقاصد کے لیے چاہیے۔ بعد میں اسرائیلیوں نے یہ گھر کبھی بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا اور اس گھر کو سیل کر دیا گیا۔ یکم مارچ 1992ء میں ایک عسکری آبادی Ataret Choanim Yeshira کے غنڈوں نے اس گھر پر قبضہ کر لیا۔ ''طرحی'' خاندان نے اس کی شکایت کی لیکن اس طرح کے مقدمات کا جو حشر ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ایک شخص جس کا نام Naief ہے جو کہ ایک Gift Shop کا مالک تھا، بالکل ''طرحی'' خاندان کے گھر کے سامنے، اس نے اپنا علاقہ یہودی مذہبی تنظیم کو دینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے کئی بار اس کی دکان میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ میری ملاقات سے چند روز پہلے اس پر یہودی غنڈوں نے حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی پسلیوں پر زخم تھے اور اس کے دانت ٹوٹ گئے تھے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ Atarot Choanim نے پرانے شہر کے بالکل وسطی علاقے میں واقع کئی بڑے گھروں پر قبضہ کر لیا جو کہ کئی نسلوں سے عرب خاندانوں کے

پاس تھے۔ جب یہودیوں میں ایک دن یہ افواہ پھیلائی گئی کہ ایک اسرائیلی پر پرانے شہر میں حملہ کیا گیا ہے تو ان یہودی غنڈوں نے جو پہلے سے تیار بیٹھے تھے، بلوہ کیا اور بلا امتیاز فائرنگ شروع کردی جبکہ ایک عورت جس کا نام Aham Mushime ہے اس کا گھر جلانا شروع کر دیا۔ میری جب اس عورت سے بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ ان یہودیوں نے قریبی علاقے میں موجود گھروں پر بھی فائرنگ کی تھی اور وہ اس کا پہلے سے منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔

یہ ہے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی وہ سنگین صورتحال جس نے فلسطین کو ایسا آتش فشاں بنا دیا ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ اس میں سارا قصور اس مہذب اور با اختیار دنیا کا ہوگا جو یہ سب کچھ اپنے ناک تلے برداشت کر رہی ہے۔

حصہ سوم

اسرائیل سے فرار

وطن واپسی کی تیاری:

جب میں نے اپنے وطن کینیڈا واپسی کے لیے تیاری شروع کی تو میں نے اس بات پر غور وفکر کرنا شروع کیا کہ کس طرح سے میں یہ سارا مواد، ریسرچ اور نوٹس وغیرہ اسرائیل سے باہر لے جاؤں کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ مجھے یہ بات بتائی جا چکی تھی کہ اسرائیل کے بن گوریان ایئرپورٹ پر چیکنگ انتہائی سخت ہے اور یہ کہ وہ میرے سامان کی مکمل تلاشی لی جائے گی۔ اس کے برعکس میں انتہائی آسانی کے ساتھ اسرائیل میں داخل ہوا تھا اور مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اگر میں بم یا کوئی چھپا ہوا ہتھیار لے کر اسرائیل میں داخل نہیں ہو رہا تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات کی فکر بھی ہو رہی تھی کہ میں نے اتنا مواد اکٹھا کر لیا تھا کہ اس کو ضائع کرنا خود ایک ناقابل تلافی نقصان بن جاتا۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے نوٹس کو جس حد تک بھی ہو سکے خطوط کی شکل میں یا پھر ایک سیاح کی ڈائری کی شکل میں (سفر نامے) میں چھپا لیا جائے۔

میں اپنی فلائٹ سے تقریباً دو گھنٹے قبل ہوائی اڈے پہنچا۔ اس وقت وہاں پر زیادہ رش نہیں تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک نوجوان عورت جو کہ ایئرپورٹ کی سیکورٹی میں کام کر رہی تھی، میرے پاس آئی اور اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ اس نے نرمی اور ادب سے مجھے اپنا سامان میز پر رکھنے کو کہا تا کہ وہ اس کا معائنہ کر سکے۔ غور سے تلاشی لینے کے بعد اس نے مجھ سے بہت سے ذاتی سوالات پوچھے۔ سب سے پہلے اس نے مجھ سے پوچھا: ''میں اسرائیل میں کیا کر رہا تھا؟'' میں نے جواب دیا: ''میں نے خاص طور سے چھٹی لی تھی اور میں مقدس مقامات کی سیر کرنا چاہتا تھا۔''

اس نے پوچھا: ''کیا میری ملاقات اسرائیلیوں سے ہوئی تھی؟'' میں نے جواب دیا: ''ہاں! میری ملاقات بہت سے اسرائیلیوں سے ہوئی تھی، لیکن میری کسی ایک کے ساتھ بہت زیادہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔'' اس نے پوچھا: ''کیا میری ملاقات کسی فلسطینی سے ہوئی تھی؟'' میں نے کہا: ''ہاں! تھوڑی بہت القدس کے پرانے حصے میں ہوئی تھی۔'' اس نے پھر مجھ سے پوچھا: ''کیا آپ مغربی کنارے پر (دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع فلسطینی مقبوضہ علاقہ) گئے تھے؟'' میں نے بے تکلفی سے کہا: ''ہاں! بس مقامات مقدسہ کی سیر کے دوران وہاں سے گزر ہوا تھا۔''

اس کے بعد مجھ سے وہ سوال پوچھا گیا جس نے میرے لیے مشکلات پیدا کر دیں اور سخت پریشانی کا سبب بنا۔ اس نے پوچھا: ''کیا ان فلسطینیوں نے آپ کو کچھ دیا تھا؟'' میں ویسے ہی ہر سوال کے بعد مزید گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا کہ اگر میں اپنے مغربی کنارے دورے کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے معلوم تھا کہ وہ عورت میرے بیگ کی تلاشی لے گی جس میں بہت سی ایسی دستاویزات تھیں جو کہ میں نے انسانی حقوق کی تنظیموں سے اکٹھی کی تھیں اور جن کے ساتھ میں رابطے میں تھا۔ اگرچہ میں نے اکثر دستاویزات کو اچھی طرح سے چھپا دیا تھا، لیکن مجھے معلوم تھا کہ کچھ نہ کچھ تو ضرور پکڑی جائیں گی، اس لیے میں نے ان دونوں طرح کے خوف کو مدنظر رکھ کر ایک درمیانہ سا جواب دیا۔ میں نے کہا: ''مجھے چند سیاسی پمفلٹ ایک فلسطینی شہری نے دیے تھے جس سے میری ملاقات ٹیکسی میں ہوئی تھی۔'' اس عورت نے اس پمفلٹ کو دیکھا اور اس پر نظر دوڑانے کے بعد اس کو اپنے اعلیٰ عہدیداروں کے حوالے کر دیا اور یہیں سے میرے لیے مشکلات کا آغاز ہوگیا۔

اس وقت میں چکرانا شروع ہوگیا جب مجھے دو مسلح سیکورٹی آفیسر نے پوچھ گچھ کے لیے ایئرپورٹ ٹرمینل کے پیچھے لے گئے۔ کمرے میں موجود تین افسروں نے مجھ سے (بغیر مارے پیٹے) جارحانہ انداز میں تفتیش شروع کر دی اور سخت الفاظ استعمال کیے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے: ''یہ پمفلٹ مجھے کس نے دیا ہے؟'' میں نے کہا: ''اس کا نام سعید یا پھر صیام تھا اور میں اس کا پورا نام نہیں جانتا کیونکہ میری اس کے ساتھ ملاقات ایک یا پھر دو مرتبہ ہوئی تھی نہ ہی اس کا کوئی پتا مجھے

معلوم ہے۔'' اس پر انہوں نے مجھ سے پوچھا:''میں نے زمین ضبط کرنے کے متعلق، گھروں کو سیل (SEAL) کرنے کے متعلق اور غزہ میں علاقوں کی ناکہ بندی کے متعلق دستاویزات اور مواد کیوں جمع کر رکھے ہیں؟'' میں نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے اداکاری شروع کر دی اور کہا: ''اسی لیے کہ میں اسرائیلی ریاست کا بہت بڑا حامی ہوں اور میں اپنے دوستوں کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ کس طرح فلسطینی معلومات کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں، بالخصوص مغربی کنارے کے متعلق۔''

اس سب کے باوجود اسرائیلی مطمئن نہیں ہوئے اور مجھ سے پوچھنے لگے:''میری ملاقات اور کس شخص سے ہوئی تھی؟'' میں نے جواب دیا:''میری ملاقات اور عربوں سے نہیں ہوئی تھی، لیکن اس عرب صحافی نے مجھے چند اور کاغذات دیے تھے۔'' جب ان لوگوں نے میرے بستے کی مزید تلاشی لی تو انہیں فلسطینی انسانی حقوق کی تنظیم (PHRIC) کے مزید صفحات ملے، جس میں انتفاضہ کے دوران فلسطینیوں کی اموات کا ذکر تھا۔ انہوں نے مجھے کہا:''اس طرح کے مواد کی وجہ سے تمہیں گرفتار کیا جا سکتا ہے۔''

دوسری طرف میں اس فکر میں پڑ گیا کہ میں کس طرح سے ان لوگوں کو یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ مواد جعلی ہے جبکہ PHRIC کی اصل رپورٹ کی ایمنسٹی انٹرنیشنل (AMNESTY INTERNATIONAL) اور امریکی کمیشن برائے ممالک (US COUNTRY COMMISSION) نے تصدیق کی تھی۔ انہوں نے مجھ سے اس فلسطینی صحافی کے بارے میں بہت پوچھا:''اس کا چہرہ اور حلیہ کس طرح کا تھا؟ وغیرہ۔'' میں نے ان لوگوں کو ایک فرضی سا حلیہ بنا کر بتا دیا اور فوراً یہ بحث چھیڑ دی کہ ایسی رپورٹیں یہودی مخالف دماغوں کی پیداوار ہیں۔

اس وقت تک وہ لوگ میرے سامان کی تین مرتبہ تلاشی لے چکے تھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں پی ایل او (یاسر عرفات کی تنظیم) کا ایک ہمدرد یا پھر میں PLO کے لیے کام کر رہا ہوں۔ اس وقت اسرائیلی آفیسر جو میری تفتیش کی نگرانی کر رہا تھا اس نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ جن فلسطینیوں کو میں نے دیکھا تھا، ان کا حلیہ وغیرہ بتاؤں۔ دوسری طرف ایک دوسرا آفیسر ایک موٹا سا ڈنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر میز پر ہلکے ہلکے مار رہا تھا اور اس کا ساتھی مجھ سے پوچھ رہا تھا:''کیا تمہیں معلوم ہے کہ

PLO کے حامیوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟'' میں نے اسے جواب دیا: ''مجھے کچھ معلوم نہیں۔'' اس وقت جس آفیسر کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اس نے ڈنڈے کو اپنی گردن پہ علامتاً رکھا اور اشارہ کیا کہ انہیں اس طرح مار دیا جاتا ہے۔ چیف سیکورٹی آفیسر نے کہا: ''PLO کے حامیوں کو کئی مہینوں اور سالوں تک قید رکھا جاتا ہے اور اسرائیلی جیلوں کے آفیسران کے اس دورانیے کو انتہائی تکلیف دہ بناتے ہیں اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔'' یہ حقیقت تھی کہ میں سرے سے PLO کا حامی تھا ہی نہیں اور یہ کہ یہ سراسر ایک جھوٹا الزام تھا اس کے باوجود میں دہشت کا شکار ہو گیا۔

سب سے زیادہ خوفناک میرے لیے وہ وقت ثابت ہوا جب انہوں نے مجھ سے سوال کیا: ''کیا میں نے اپنے اسرائیل میں قیام کے دوران کوئی ڈائری رکھی تھی؟'' مجھے معلوم تھا کہ وہ بڑی آسانی سے میرے دستی بیگ سے وہ ڈائری نکال سکتے تھے، اسی لیے میں نے فوراً اقرار کر لیا۔ دراصل میری ڈائری میں تمام انٹرویو اور نوٹس وغیرہ چھپائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے جیلوں کے بارے میں رپورٹیں اور سیاسی قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات بھی لکھے ہوئے تھے۔ اگر ان کو وہ دستاویزات اور رپورٹیں مل جاتیں تو وہ ضرور مجھے کسی تفتیشی مرکز لے جاتے اور مجھے کافی لمبے عرصے تک قید رکھتے۔

اب میری تفتیش چار گھنٹوں کی ہو چکی تھی۔ فلائٹ کو چھوٹے ہوئے بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی ڈائری نکالی اور میں نے وہ صفحہ کھول کر دیا جس میں میں نے چند خطوط لکھے ہوئے تھے جو میں بھیج نہیں سکا تھا۔ اس میں زیادہ تر مقامات مقدسہ کی عمارتوں اور ان کی آرکیٹیکچر (ARCITECTURE) کا ذکر تھا جن کو میں نے دیکھا تھا اور ان مقامات کا ذکر تھا۔ اسرائیلی سیکورٹی آفیسروں نے کل دس صفحات کا مطالعہ کیا جبکہ میں نے پوری کوشش کی کہ اپنی شکل کم از کم مطمئن رکھ سکوں اور گھبراہٹ کی کوئی علامت سامنے نہ آنے دوں لیکن میری حالت تقریباً نیم بے ہوشی جیسی تھی۔ میں یہ سوچنے لگا کہ مجھے کس طرح سے اذیت دی جائے گی؟ اور کس طرح سے مار کٹائی کی جائے گی؟ یا پھر بجلی کے جھٹکے دیے جائیں گے اور بھوکا رکھا جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے سکھ کا سانس لیا، کیونکہ اس اسرائیلی آفیسر نے میری ڈائری پڑھنا چھوڑ دی اور مجھے

واپس پکڑا دی۔ اگر وہ ایک صفحہ بھی آگے پلٹ دیتا تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا اور اسے وہ سارے نوٹس وغیرہ مل جاتے جو کہ میں نے لیے تھے اور جس کی بنیاد پر میں نے اس آرٹیکل کے آخری حصے کو لکھا۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں پکڑا جاتا تو میں آج یہاں ہوتا بھی کہ نہیں۔

مزید تین گھنٹوں کی سخت تلاشی کے بعد مجھے یہ بتایا گیا کہ میں جا سکتا ہوں۔ اگرچہ بہت سی دستاویزات اسرائیلی آفیسروں کو دینی پڑیں جو انہوں نے ڈھونڈ نکالی تھی۔ خوش قسمتی سے میں نے ان سب کو پہلے ہی کوڈز میں لکھ لیا تھا کیونکہ مجھے ایسی صورت حال کا اندازہ تھا۔

ایئرپورٹ کے تفتیشی مرکز سے جب میں نکلا تو اس وقت تک آٹھ گھنٹے گزر چکے تھے اور میں تھکن سے چور چور تھا، لیکن پھر بھی میں مطمئن تھا کہ ایک عفریت سے تو جان چھوٹی۔ اسرائیلی ایئر لائن ایل آل (EL AL) نے مجھے یہ پیش کش کی تھی کہ میں تل ابیب کے شیرٹن ہوٹل میں آرام کر سکوں تاکہ اگلے روز کی فلائٹ کے ذریعے لندن روانہ ہو سکوں لیکن پھر مجھے دوبارہ سے اسرائیلی سیکورٹی سے گزرنا پڑتا جس کا خطرہ میں دوبارہ نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے لندن کی اگلی فلائٹ پکڑی اور کینیڈا پہنچنے پر انتہا سے زیادہ خوش تھا۔

آخری جنگ

جیسے ہی ہوائی جہاز نے اسرائیل کے بن گوریان کے بین الاقوامی ہوائی اڈے سے پرواز کی، میں اپنے اسرائیل کے دورے کے بارے میں سوچنے لگا۔ یک دم سے البرٹ پائیک (ALBERT PIKE) کی پیش گوئیاں میرے سامنے شیشے کی طرح شفاف طریقے سے سامنے آنے لگیں۔ اس فری میسن لیڈر نے حیران کن وضاحت کے ساتھ پہلی جنگ عظیم کی پیش گوئی کی تھی اور اس کے بعد ایک روسی کمیونسٹ ریاست کے قیام کی تفصیل بتائی تھی۔ اس نے دوسری جنگ عظیم کی بھی پیش گوئی کی تھی جو کہ جرمن قوم پرستوں اور صہیونیوں کے درمیان پیش آئی تھی جس کے بعد اسرائیل کے قیام کا اس نے اعلان کیا تھا...... پائیک نے یہ بھی کہا تھا کہ تیسری عالمی جنگ اسرائیل اور عربوں کے درمیان پیش آئے گی جبکہ اس کے بعد دنیا کو مکمل تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا اور عالمی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ جس طرح اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں دوبارہ آباد ہوتے ہی چلے جا رہے ہیں اور ان عربوں کو جو کہ وہاں کے آبائی رہائشی تھے ان کو دھکیلتے چلے جا رہے ہیں (جن میں ان صہیونی ظالموں کے خلاف نفرت بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے) اس سے یہ تو صاف نظر آ رہا ہے کہ باقی دنیا بھی اس کوشش میں لگتی چلی جائے گی اور اس میں شامل ہو جائے گی حتیٰ کہ البرٹ پائیک کی تیسری پیش گوئی بھی پوری ہو جائے گی۔

صلیبی جنگوں کے وقت سے لے کر اب تک تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی عرب دنیا پر حملہ کیا وہ بالآخر بھاگ گئی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ فلسطینی اور عرب کبھی بھی صہیونی ریاست کو دل سے تسلیم نہیں کریں گے۔ واقعی اس مسئلے کا دائمی اور فیصلہ کن حل میز کی بجائے میدان میں نظر آتا ہے جو کہ تمام فریقین کے لیے قابل قبول ہوگا۔ جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے بعد سے تو ''آخری جنگ جو کہ تمام جنگوں کا خاتمہ کر دے گی'' کی علامات تو پہلے ہی

سامنے آرہی ہیں جس کے بعد تمام معاشرتی اقدار اور ادارے (جس طرح کہ ہم جانتے ہیں) ختم ہو جائیں گے اور سارا میدان اگلے مرحلے کے لیے ہموار ہو جائے گا۔

مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟

مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے؟ کیا ہم سب شکست کا لبادہ اوڑھ لیں؟ کیا ہم صہیونیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں؟ آنجہانی Dr. Carrol iigely کا تو یہ خیال تھا کہ امریکا اور دنیا کو اب ان سازشوں کے شکنجے سے بچانا ناممکن ہے۔ اگر 1966ء سے قبل بھی کوئی تحریک چلائی جاتی تو اسے بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا..... تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ غلامی ہمارا مقدر بن گئی ہے؟

نہیں! ہرگز نہیں! ابھی سب کچھ نہیں بگڑا ہے۔ آخر میں سازشی عناصر نہیں جیتیں گے۔ یہ سازش بالآخر تباہ و برباد ہو کر رہے گی۔ [لیکن افسوس کہ امریکی عوام کو اس کی خبر نہیں کہ اس سازش کو مسلم مجاہدین حضرت مسیح علیہ السلام کی قیادت میں تقویٰ اور جہاد کی بدولت ختم کریں گے۔ شاہ منصور] چونکہ اس سازش کی بنیاد لالچ، غرور اور برائی پر مبنی ہے اس لیے شیطان کے اس منصوبے میں بہت بڑی خامی ہے۔ یہ سازش اور منصوبہ تمام روحانی قوانین کے بالکل خلاف ہے جو کہ خود خدا نے بنائے ہیں اور اسی وجہ سے یہ سازش ضرور برباد ہو کر رہے گی۔

صہیونیت سمجھتی ہے شاید مستقبل میں صرف اسی سازش کے پاس طاقت اور قوت ہوگی، لیکن یہ محض اس کا دھوکہ ہے۔ اس نظام میں ہر جگہ دراڑیں پڑی ہوئی ملیں گی اور یہ نظام خود بھی ہل چل کر ٹوٹ رہا ہے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار نہ ہونے کی وجہ سے یہ نظام انسانی فطرت کی کمزوریوں سے بھرا ہوا ہے۔ بالآخر یہ انتشار اور بدعنوانی ہی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ نظام صرف اس وجہ سے یکجا ہے کہ اس مقصد کے لیے نفرت، خوف، دہشت، ہیرا پھیری، زبردستی، دھمکیاں اور دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ ان سب کے بغیر اس نظام کے تمام اجزاء اور اس سازشی عناصر کا پورا تیار کردہ نظام ایک دم بیٹھ جائے گا۔

جس طرح ہم اکیسویں صدی کے آخر کی طرف گامزن ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہئے کہ امریکا واپس اپنے توازن کی طرف لوٹ آئے اور ترقی اور امن آسکے۔ ایک اور انقلاب کی ضرورت

ہے۔ امریکی عوام کے دل و دماغ کو ایک روحانی انقلاب کی اشد ضرورت ہے۔ [سبحان اللہ! مغربی مفکرین اسلام کے داعیوں جیسی بات کہہ رہے ہیں۔ افسوس کہ وہ روح اور روحانیت کا حقیقی مفہوم سمجھ رہے ہوتے۔ راقم] یہی روحانی بیداری امریکا کو صہیونی شکنجے سے آزاد کر سکتی ہے۔ کیا ایسا معجزہ اس وقت ممکن ہے؟ ہاں بالکل ممکن ہے بالکل اسی طرح جس طرح امریکی جرنیل مک آرتھر نے کہا تھا:

''تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ کوئی قوم اخلاقی پستی کے بعد سیاسی اور معاشی بحران کا شکار نہ ہوئی ہو، لیکن اس نازک موڑ پر یا تو ایک روحانی انقلاب برپا ہوا جس کی وجہ سے اس اخلاقی پستی کا مقابلہ کیا گیا اور دوبارہ ترقی کی راہ اپنائی گئی یا پھر قوم اور بھی زیادہ پستی کی طرف چلی گئی جس کا بالآخر نتیجہ مکمل تباہی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔''

اگر ہم نے ایک مرتبہ پھر قومی بیداری کو دیکھنا ہے تو پھر Russ Walton جیسے کہتا ہے: ''یہ صرف انفرادی بیداری ہی سے شروع ہو سکتا ہے۔''

یا پھر T.S. Filliot جیسے کہتا ہے:

''کیا میں اپنے ہاتھ کم از کم سیدھے راستے کی طرف بڑھاؤں۔''

ہم سب کو اپنے ہاتھ سیدھے راستے کی طرف بڑھا دینے چاہییں۔

[اللہ کرے کہ اس معتدل مزاج کینیڈین صحافی کی بات مغربی دنیا کو سمجھ میں آ جائے اور وہ اپنا ہاتھ اور قدم اس سیدھے راستے کی طرف بڑھا دیں جو انسانیت کی نجات کا واحد اور متعین راستہ ہے۔ آمین]

پراسرار دجالی علامات

دجالی نظام کے حق میں ذہن ہموار کرنے کے لیے پھیلائی گئی شیطانی علامات

آپ نے کبھی "سونی اریکسن" کا موبائل آن کیا ہے؟ اس میں آپ کو کیا نظر آتا ہے؟ ایک سبز آنکھ جو آہستہ آہستہ سرخ ہوتی ہے۔ پھر آگ کے مختلف رنگ بدلتی ہوئی چاروں طرف پھیلتی ہے اور موبائل زندگی کی حرارت پکڑ کر جھرجھری لیتا اور بیدار ہوجاتا ہے۔ یہ سبز، سرخ اور زرد رنگ کی آتشیں آنکھ جو خاص انداز سے رنگ بدلتی، پھیلتی اور اسکرین پر چھا جاتی ہے، پھر "حیات بخش قوت" یا "توانائی کے منبع" کا تاثر پیدا کرتی ہے، کیا ہے؟ کبھی آپ نے غور کیا؟

آپ نے سگریٹ کے پیکٹ دیکھے ہوں گے۔ ان کے سائز اور ڈیزائن ملتے جلتے ہوتے ہیں، لیکن کبھی غور کیا کہ ان میں ایک ایسی قدر مشترک بھی ہے جس کی بظاہر سگریٹ سے کوئی مناسبت نہیں، لیکن وہ سگریٹ کے علاوہ شراب کی بعض اقسام پر بھی یکساں طور پر ثبت نظر آتی ہے، خاص طور پر تمباکو اور شراب کی ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے برانڈ پر جو امریکا یا برطانیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے ٹریڈ مارک میں ایک عجیب وغریب قدیم جنگلی حیات کی نقال ایک "شبیہ" ہوتی ہے، جس کی آج کل کی روشن خیال کمپیوٹرائزڈ دنیا میں کوئی عقلی توجیہ ممکن نہیں، لیکن روشنیوں کی دنیا کے باسی اسے صبح وشام دھواں نگلنے اور اگلنے سے پہلے روزانہ بیسیوں مرتبہ دیکھتے اور اپنے ذہن پر نقش کرتے ہیں اور بتا نہیں سکتے کہ یہ دور قدیم کی جنگلی حیات کی یادگار عجیب وغریب چیز کیا ہے؟ یہ تین مختلف جانداروں پر مشتمل شبیہ ہے، جس کے بیچ میں ایک "نیم انسانی نیم جناتی" قسم کا ہیولی ہے۔ اس کو دونوں طرف سے دو عجیب الخلقت جانوروں نے پکڑ کر سہارا دیا ہوا ہے۔ دائیں طرف کا جانور گھوڑے سے اور

قیمت -/150 روپے

بائیں طرف کا شیر سے ملتا جلتا ہے۔ بیچ میں موجود مرکزی شبیہ کے سر پر تاج ہے اور تاج کے اوپر چھوٹا سا شیر بنا ہوا ہے۔ کچھ یاد آیا؟ آپ کو یہ چیز یقیناً دیکھی بھالی محسوس ہوگی۔ جی ہاں بالکل ویسا شیر جیسے کہ حبیب بینک یا بینک الحبیب کے مونوگرام میں ہوتا ہے۔ اس پوری شبیہ کی تلخیص اور علامتی نمائندگی اس تاج سے کی جاتی ہے، جو اس ''نیم انسانی نیم شیطانی'' شبیہ کے سر پر موجود ہے۔ چنانچہ بہت سی مصنوعات پر تو مکمل شبیہ ہوتی ہے اور کچھ پر فقط یہ تاج جو اس کے مرکز میں بلند مقام پر مخصوص انداز میں چمتکار دکھا رہا ہوتا ہے۔ مثلاً: پیپسی کے ڈسپوزایبل ٹن کو غور سے دیکھیے۔ اس میں جہاں اس ڈبے کو عارضی استعمال کے بعد ٹوکری میں پھینکنے کی علامت دی گئی ہے، وہاں اوپر تاج بھی بنا ہوا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے...... اور وہم ومفروضے یا بے جا تجسس کے بجائے عقل ومنطق کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ...... کچرے کی ٹوکری کے اوپر تاجِ شاہانہ کا کیا کام؟

آپ کبھی امریکا و یورپ گئے ہیں؟ نہیں گئے تو خدارا (نقل مکانی کر کے) وہاں جانے کی سوچ دل سے نکال دیجیے۔ وہاں عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ آپ اپنے تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ ساتھ لے کر نہ نکل سکیں گے۔ اگر آپ وہاں گئے ہیں یا آپ نے دنیا کے مشہور شہروں کی سیاحت کی ہے تو کیا آپ نے محسوس کیا، آزاد خیال اور آزادروی کی آخری حد تک پہنچنے کے باوجود عریانیت اور مادیت پرستی مزید بڑھتی جارہی ہے اور بے تحاشا بڑھتی جارہی ہے؟ شہرت اور دولت کے حصول اور من چاہی خواہشات کی تکمیل کے لیے لوگ جائز وناجائز کی تفریق تو بھلا ہی چکے تھے، اب وہ جادوٹونے اور غیر مرئی طاقت سے ماورائی اعانت کے حصول کی طرف راغب ہورہے ہیں۔ ہیری پورٹر جیسے ناولوں، فلموں، کارٹونوں اور ویڈیو گیمز نے چھوٹے بچوں کے ذہن میں یہ راسخ کردیا ہے کہ دنیا میں جادوٹونا اور ماورائی مخلوقات [یعنی شیطان اور اس کے نمائندہ اعظم دجال، خبیث جنات اور ان کے چیلوں] کی طاقت ہی اصل طاقت ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا بن دیکھے انکار کرنے والوں کی نئی نسل شیطان کے ان دیکھے جال میں پھنستی جارہی ہے۔

چلیے رہنے دیجیے! شاید آپ کے مشاہدے میں یہ بات نہ آئی ہو۔ یہ وہاں کی خفیہ سوسائٹی میں ہو رہا ہے۔ اس کو ابھی منظرِ عام پر آنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اگرچہ وہ وقت کچھ زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ بتائیے! آپ نے کبھی وہاں محسوس کیا کہ ایک آنکھ آپ کو گھور رہی ہے یا وقت بے وقت، جا بے جا، اکلوتی آنکھ مختلف شکلوں میں، مختلف انداز میں پیش کی جا رہی ہے۔ اگر آج تک آپ نے اسے محسوس نہیں کیا تو اب مشاہدہ شروع کر دیجیے۔ کتابوں، رسالوں کے سرورق پر، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اشتہارات میں، اہرام کی طرز پر بنی ہوئی عمارات میں، بچوں کے کھلونوں اور کارٹونوں سے لے کر فلموں اور گانوں کے ٹائٹل پر، مشہور زمانہ کمپنیوں کے لوگو اور مونوگرام میں ''ایک آنکھ'' یا اس کی شبیہ، حقیقی تصویر یا مصور کی دستکاری کے متنوع اندازوں میں، امریکا اور یورپ کے روشنیوں سے بھرے شہروں پر تاریکی کا راج قائم کرنا چاہتی ہے اور باخبر امریکی اور باعلم یورپین قطعاً اور حتماً بے خبر اور لاعلم ہیں کہ یہ اکلوتی آنکھ ان کے مذہب کے پیغمبر جناب ''مسیحِ صادق'' سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے ''مسیح کاذب'' سے ان کو مانوس اور قریب کرنے کے لیے طاقت اور روحانیت کا سمبل بنا کر پھیلائی جا رہی ہے۔

آپ کو کبھی حرمین شریفین حاضری کی سعادت نصیب ہوئی؟ اللہ مجھے، آپ کو، ہر صاحبِ ایمان کو وہاں بار بار لے جائے اور حرمین کی عقیدت اور اس پر مر مٹنے کا جذبہ نصیب فرمائے، کہ وقت ہی ایسا آنے والا ہے جب وہاں فدائیوں کے فنا فی اللہ کی تہہ سے بقا کا راز دنیا کے سامنے آشکارا ہوگا۔ آپ نے مناسکِ حج کی ادائی کے دوران شہری دفاع کے محکمے کو متحرک دیکھا ہوگا۔ ٹریفک کنٹرول کے محکمہ کی طرف سے حجاج کرام کی سہولت اور گاڑیوں کے ہجوم کو کنٹرول کرنے کے لیے مختلف اشتہارات، ہدایات وغیرہ ملاحظہ کی ہوں گی۔ ان محکموں کے مونوگرام میں آپ کو کوئی چیز غیر متعلق اور عجیب تو نہیں لگی؟ آپ نے محسوس کیا وہی آنکھ جو رنگ اور شکلیں بدل بدل کر یورپ و امریکا پر چھائی نظر آتی ہے، یہاں بھی جھانکتی دکھائی دیتی ہے۔ وہی تکون جو شیطان اور دجال کی متحدہ طاقت کی علامت ہے،

دجال (3)

یہاں بھی مختلف جگہوں پر جھلملاتی اور مختلف چیزوں پر نقش دکھائی دیتی ہے۔ آپ اگر سفر حرمین کے دوران بیمار ہوئے ہیں تو میڈیکل اسٹور ضرور گئے ہوں گے یا کم ازکم کسی ''صیدلیۃ'' کے سامنے سے تو ضرور گزرے ہوں گے۔ وہاں کبھی سانپ کی شبیہ دیکھی؟ بیماروں کے لیے مسیحائی بانٹنے کے مرکز میں سانپ کی موذی شکل کا کیا کام ہے؟ لیکن آپ حافظے پر زور دیں تو سانپ کی شکل ''عالمی ادارۂ صحت'' کے مونوگرام اور طب وصحت سے متعلقہ بہت سی اشیا پر بھی موجود ہے۔ گزشتہ دنوں راقم الحروف پنجاب کے ایک شہر کی ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک میڈیکل اسٹور پر نظر پڑی۔ یہ چیز تو بڑی خوش آئند تھی کہ اس کے مالک نے تیس سال سعودی عرب میں رہ کر آنے کی وجہ سے اپنی دکان کا نام ''صیدلیہ'' رکھا تھا اور اندازِ آرائش بھی ویسا ہی تھا جیسا سعودی عرب کے صیدلیہ، یعنی دوا فروشوں کا ہوتا ہے، لیکن یہ دیکھ کر نہایت دکھ ہوا کہ بے خبری میں اس نے سانپ کی مخصوص علامت بھی واضح طور پر بنائی ہوئی تھی، جو عموماً بلاد حرمین کے میڈیکل اسٹوروں کی پہچان بن چکی ہے اور بغیر سوچے سمجھے بن چکی ہے۔ آخر تریاق وعلاج اور زہر وایذا میں مناسبت کیا ہے کہ موذی شکل کا یہ جانور سنہرے اور دیدہ زیب رنگوں اور معصوم شکل کے ساتھ اپنی فطرت اور روایت سے بالکل متضاد اشیا کے ساتھ لہراتا دکھائی دیتا ہے؟ کہیں یہ بچوں کے کپڑوں، جوتوں اور ٹوپیوں پر محبوبیت اور معصومیت کی علامت بنا کنڈلی مارے بیٹھا ہوتا ہے اور کہیں ہیرو قسم کے اداکاروں، کراٹے کھیلنے والے جنگجو کھلاڑیوں کی وردیوں پر طاقت اور قوت کے نشان کے طور پر پھن پھیلائے نظر آتا ہے۔

عالم مغرب اور عالم عرب کے بعد آپ اپنے ملک کو لے لیجیے! بہت سی جگہوں پر آپ کو ایسی چیزیں نظر آئیں گی جن پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک نامانوس چیز کو دھیرے دھیرے، رفتہ رفتہ مانوس کیا جارہا ہے۔ اس طرح ''ناخوب'' آہستہ آہستہ ''خوب'' ہوتا جارہا ہے۔ مثلاً: آپ جیو اور پی ٹی سی ایل کے مونوگرام کو تاڑ لیے۔ ایک آنکھ آپ کو تاڑتی دکھائی دے گی۔ ''LG'' مشہور بین الاقوامی کمپنی ہے۔ اس کے مونوگرام میں واضح انسانی

شبیہ ہے، جو یک چشم ہے۔ ونڈوز xp2007 کھولیے۔ ”ACDC“ یا ”ایڈوب فوٹو شاپ، ایڈوب ایکروبیٹ ریڈر“ کے لوگو کو توجہ سے دیکھیے۔ پراسرار قسم کی آنکھ آپ کو گھور رہی ہوگی۔ آج کل ”کمپیوٹر وائرس“ کو روکنے کے لیے ایک پروگرام "NOD32" آیا ہے۔ اس کی علامت ایک آنکھ ہے جس سے روشنیاں پھوٹ رہی ہیں اور یہ آنکھ تن تنہا ہر طرح کے وائرس سے دفاع کررہی ہے۔ بچوں کے ویڈیو گیمز میں سب سے طاقتور ہیرو کی جو شبیہ ہوگی، غور کریں تو اس کی ایک آنکھ ہوگی۔ بچوں کے ایک مشہور کارٹون میں ایک آنکھ والی شبیہ کو سب سے طاقتور وجود کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اب تو ہمارے ہاں ایک معروف اخبار اور چینل کے ”ہر خبر پر نظر“ کے اشتہار میں ایک آنکھ ہر چیز پر نظر جمائے اور نگرانی کرتے دکھائی دینا شروع ہوگئی ہے۔ یہ اکلوتی آنکھ آپ کو کمپیوٹر اور ٹی وی کی اسکرین پر جھلملاتی نظر آئے گی، آپ کے دماغ میں بجلیاں کوندیں گی اور یہ ذہن کے پردے پر انمٹ نقش کی طرح جم جائے گی۔ رفتہ رفتہ کچھ ہی عرصے بعد اس کا ایسا تأثر دنیا کے ذہن میں بیٹھے گا کہ عوام الناس دو آنکھوں کو کمزوری اور ایک آنکھ کو طاقت اور ذہانت کی علامت سمجھنے لگ جائیں گے۔ کھیل ہی کھیل میں یہ نوبت آجائے گی کہ ایک یا تین آنکھیں بھلی اور دو آنکھیں بری معلوم ہوں گی۔ ”جیو“ کے موسیقی چینل ”آگ“ میں ایک ”آتشی تکون“ ہے یعنی مثلث کا نشان جس کے بیچوں بیچ آگ سینگوں کی شکل میں جل رہی ہے۔ یہ اسی طرح کا مثلث ہے جیسا مصر کے مشہور زمانہ فرعونی اہرام میں بھی ہوتا ہے اور اس کی چوٹی پر روشنی پھٹاتی ایک آنکھ ثبت ہوتی ہے۔ چوٹی پر موجود روشنیاں بکھیرتی یہ آنکھ ڈالر کی پشت پر دنیا بھر میں سفر کرتے ہوئے پوری دنیا کو پیغام دے رہی ہے کہ امریکا اور مغرب کی ترقی کے بل بوتے پر زور دکھانے والے اس فتنے کو سمجھو، جو اپنی مخصوص علامات دنیا بھر میں پھیلا کر انسانی ذہنوں کو تاریخ کے عظیم ترین فتنے کے لیے ہموار کررہا ہے۔

امریکی ڈالر کی طرح برطانوی پاؤنڈ بھی شیطانی علامات یا دجالی نشانات سے خالی نہیں۔ اس کو اُلٹا کر کے غور سے دیکھیں تو 666 کا مخصوص شیطانی ہندسہ جلوہ گر نظر آئے گا۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات پر چھپے ''کوڈ بار'' میں بھی آپ کو چھ سو تین ہندسے مختلف شکلوں میں دکھائی دے ہی جائیں گے۔ آزاد خیال نوجوانوں کی شرٹس اور بچوں کی ٹوپی یا استعمال کی دیگر اشیا پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا مخصوص نشان بھی آپ سے چھپا نہ رہا ہوگا۔ کسی کو اگر آج کے دور کی ''اُم الخبائث'' یعنی ٹیلی ویژن دیکھنے کی لت لگی ہوئی ہے تو اسے وقفے وقفے سے کسی نہ کسی شکل میں پروگراموں، اشتہارات اور کارٹون میں، ایک آنکھ یا تکون وقفے وقفے سے کسی نہ کسی شکل میں انگریزی حروف تہجی A، c، ()، یا () کے مختلف ڈیزائنوں میں جھلملاتی اور اپنا آپ منواتی نظر آئے گی۔ ان حروف سے بنے ڈیزائن جہاں پائے جائیں، وہ تجارتی کمپنیاں ہوں یا تعلیمی ادارے، شعوری یا لاشعوری طور پر A کے ڈیزائن میں تکون اور بقیہ حروف میں آنکھ کی تمثیل پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے بغیر ان کے ذوق زیبائش کی تسکین نہیں ہوتی نہ انہیں کوئی اور طرز سوجھتا ہے۔ تاج، تکون، آنکھ، سانپ، کھوپڑی اور ہڈیاں، چھ سو چھیاسٹھ اور تین سو بائیس کے ہندسے..... آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ ایک طلسم ہے جس کے آگے ٹنگا پردۂ زنگاری ہے۔

''دجال I'' کے آخر میں دی گئی روحانی و عملی تدابیر میں ''فتنۂ میڈیا سے حفاظت'' کا عنوان بڑھا دیا گیا ہے۔ اس میں اپنے اردگرد پھیلی دجالی علامات پر غور کرنے اور ان کے شر سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس مضمون کی تلخیص ''دجال II'' کے آخر میں بھی دے دی گئی ہے، لیکن وہاں یہ علامات مختصراً تھیں۔ آئیے! ذرا ان علامات کو بالترتیب تفصیل سے دیکھتے ہیں اور ان کے پیچھے چھپے فلسفے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید کہ ان علامات کی حقیقت سے واقفیت ہمیں فریب کے اس نادیدہ جال میں اُلجھنے سے بچنے کی سوچ پیدا کرے، جو انسانیت دشمن اور شیطان پرست قوتیں کرۂ ارض پر تاننے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ذکر کا نور، مسنون اعمال، ماثور دُعاؤں کا حصار اور تقویٰ کی برکت..... ان سب شیطانی علامات اور جادوئی نشانیوں کا اصل توڑ ہے، خیر کی یہ چیزیں اپنانے کے ساتھ ساتھ شر کی نمائندہ ان کھلی نشانیوں کے پیچھے چھپے خفیہ پیغام کو جاننا بھی ضروری ہے۔ فہرست بنائی جائے تو یہ ایک درجن کے

قریب بنتی ہیں۔ ایک دو غیر مشہور بھی ہیں جن کو ہم آخر میں ضمناً ذکر کریں گے۔ اصل بحث کے آغاز سے پہلے چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

(1) یہ علامات یا ان کی شبیہ جہاں حقیقی یا قریب بہ حقیقت ہو، ہماری بحث اسی سے ہے۔ بعض چیزوں میں خیالی یا وہمی طور پر قسماقسم فرضی شکلیں یا تصوراتی شبیہیں بن جاتی ہیں، جن میں حقیقت سے زیادہ قوت واہمہ کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ یہ ہماری بحث سے قطعاً خارج ہے۔ سمجھداری کی بات یہ ہے کہ حقیقت سے آنکھیں نہ چرائی جائیں اور وہم یا احتمال کی بنیاد پر کسی کو موردِ الزام بھی نہ ٹھہرایا جائے۔ اعتدال اور میانہ روی ہی زندگی کے ہر موڑ پر...... دینی ہو یا دنیاوی...... تحفظ اور سلامتی کی ضامن ہے۔

(2) یہ علامات دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ جو شیطان کے ساتھ ایسے خاص الخاص انداز میں مخصوص ہیں کہ ان کا کوئی اور مطلب بنتا ہی نہیں، ان کا استعمال کرنے والا یہ عذر کرے کہ میں ان کی اصلیت اور پس منظر سے ناواقف ہوں تو اس کا عذر سو فیصد مقبول ہے کہ ان علامات یا نشانات کی حقیقت اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ بھی نہیں جانتے، لیکن اگر وہ اس کی کوئی اور تاویل کرکے جان چھڑانا چاہے تو وہ قطعاً مقبول نہیں ہوسکتی کہ کوئی لاکھ تاویل کرے ان کا دوسرا احتمالی معنی متصور نہیں، مثلاً: پہلی علامت جس میں ''عجیب الخلقت جانوروں'' کی نقالی کرتی ہوئی شبیہ اور اس شبیہ کے سر پر سنہرا تاج، یا شعبہ صحت کے مونوگرام میں سانپ، یا سینگ، کھوپڑی، ہڈیاں اور مخصوص پراسرار ہندسے۔ ایسی علامات کو مٹا کر متبادل شناخت بنانا، یا ان کی طرف توجہ دلا کر انہیں بدلنا بہرحال ضروری ہے۔

دوسری قسم ان علامات کی ہے جن کی تاویل ممکن ہے۔ ان کے دوسرے مطلب بھی ہیں یا انہیں کسی مطلب کے بغیر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے تکون، پنج گوشہ ستارہ یا ایسے انگریزی حروف (o ، e ، Q وغیرہ) جن سے آنکھ یا تکون بنتی ہے۔ بلاشبہ یہ عام استعمال کے نقوش، اشکال اور حروف ہیں۔ ان کی ایک مخصوص شکل کے علاوہ اصرار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بالیقین ہی شیطانی علامات ہیں یا ضرور ہی غلط مطلب میں استعمال ہوتی ہیں۔ ایسا کرنا

خصوصاً غیر مغربی معاشروں میں اس بات پر زور دینا نا انصافی ہوگی۔ ان مشترک اور مبہم علامات کو اکثر ڈیزائنر کسی خاص مطلب کے بغیر آرائشی شکل سمجھ کر ڈیزائن کر لیتے ہیں اور استعمال کرنے والے بھی بے خیالی اور بے دھیانی میں استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے اس مضمون میں اس طرح کے لوگوں پر تعریض بھی ہرگز مقصود نہیں، چہ جائیکہ ہم ایسی تصریح کریں۔ نیتوں کا حال جاننے والا اس پر گواہ ہے۔ قارئین بھی احتیاط کریں۔ افراط و تفریط سے بچیں۔ غیر واقعی اور فرضی بحثوں میں نہ الجھیں۔ نہ کسی کو بلا وجہ مورِدِ الزام ٹھہرائیں۔ ہمیں فتنے کے خاتمے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ نیا فتنہ کھڑا کر کے نئے مسائل میں الجھنا دانشمندی ہے نہ دین داری۔

(3) ان علامات کی طرح انہیں استعمال کرنے والے بھی دو طرح کے ہیں: مغرب کے کچھ ادارے اور کمپنیاں بلاشبہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ ان کے چلانے والے ان علامتوں کو اپنے مونوگرام یا پیشانی پر سجا کر شیطان کی مدد حاصل کرنے کے ساتھ دنیا کو شیطانی اثرات سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ امریکا و یورپ میں بنی اسرائیل کے سامریت زدہ افراد اس مہم کو مقصد بنا کر چلا رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں زیادہ تر لوگ اور کمپنیاں ناسمجھی میں اور دوسروں کی دیکھا دیکھی یہ سب کچھ کرتی ہیں۔ ان کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا، بلکہ اکثر کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ اتنی بے جا حرکت کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ لہٰذا ان کا ہم پر حق بنتا ہے کہ ہم انہیں حقیقت سے آگاہ کریں، نہ کہ پہلی مرتبہ ہی ان پر اعتراضات کی لاٹھی لے کر برس پڑیں۔ اہل علم اور داعیانِ دین اور دیندار حضرات کو انسانیت کے لیے رحیم و شفیق ہونا چاہیے نہ کہ بدمزاج و غضب ناک۔

(4) زیر نظر تحریر میں شیطان اور دجال یا شیطانی علامات اور دجالی علامات ہم معنی اور ہم مطلب ہیں۔ ایک کے ذکر کا مطلب دوسرے کا تذکرہ ہے اور ایک سے منسوب علامت دوسرے کی پہچان ہے۔ قارئین کے لیے یہ بات تشویش کا باعث نہیں ہونی چاہیے کہ کسی علامت کے ضمن میں شیطان کا تذکرہ ہے اور کہیں دجال کی طرف وہی چیز منسوب کی گئی

ہے۔اس لیے کہ یہ صرف بڑے چھوٹے کا فرق ہے، ورنہ انجیل کی تصریح کے مطابق دجال کی ساری غیر معمولی قوتوں کا راز یہ ہوگا کہ شیطان نے اپنی ساری طاقتیں اسے سونپ دی ہوں گی۔اس لیے زیرِنظر تحریر میں جب کسی چیز کی ان میں سے کسی ایک کی طرف نسبت کی جائے تو وہ دوسرے کے لیے بھی خود بخود سمجھی جائے۔ان میں سے ایک تاریکیوں کی طرف بلاتا ہے تو دوسرا تاریکیوں میں پھنسانے کا جال ہے۔ایک بنی آدم کو جہنم کے گڑھے میں گرانا چاہتا ہے تو دوسرا اس میں اس کا معاون اور دستِ راست ہے۔کتاب وسنت میں دونوں سے اللہ کی پناہ چاہنے اور دونوں کے فتنے سے اپنے آپ کو بچانے اور ان کے خلاف جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

اب آیئے! ان علامات کی فہرست شروع کرتے ہیں۔ان کا پس منظر، ان کے پیچھے چھپا فلسفہ اور مثالیں تو ساتھ ساتھ ذکر ہوں گی، البتہ ان علامات کو پھیلانے کا مقصد اجمالاً ساتھ ساتھ اور تفصیلاً آخر میں ذکر ہوگا۔وہیں ہم یہ بھی سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ان پراسرار علامات کی بھرمار اور شیطانی نشانات کی یلغار کے سامنے بند کیسے باندھا جائے؟ ان کا توڑ کیسے ہو؟ اور ان کے شر سے بچنا اور بچانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

تاجِ زرّیں وحیوانِ عجیب

پہلی علامت ۔ سنہرا تاج اور عجیب الخلقت جانور:

تاج عرفِ عام میں شان وشوکت اور فخر وغرور کی شاہی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً جب سونے کا ہو تو اسراف، کبر اور غرور ونخوت کا متکبرانہ فرعونی اظہار ہے۔ جب مرد کو سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے کنگن کی اجازت نہیں تو تاج کی اجازت کیسے ہوگی؟ خاص کر سونے کا تاج تو کوئی ایسا شخص پہن ہی نہیں سکتا جسے آخرت میں عزت کا تاج پہننے کی ادنیٰ سی بھی خواہش ہو۔ ایک مسلمان کے لیے تو عمامہ ہی وہ خوبصورت، دیدہ زیب اور وقار وعزت کی بابرکت وپُرنور علامت ہے جو اس کے لیے کافی ہے۔ جس چیز کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، زیب تن فرمایا اور اسے ''تاج'' کہا، اس سے بڑھ کر سر کی زینت کیا ہوسکتی ہے؟ مگر شیطان نے اپنے لیے اور اپنے چیلوں کے لیے جس چیز کو پسند کیا ہے، وہ فرعونوں، دنیا پرستوں اور متکبرین کی علامت ہے۔

یہی علامت اس کے سب سے بڑے آلہ کار کی ہے جسے پوری دنیا کا بے مہار بادشاہ بنانے کے لیے شیطانی قوتیں پورا زور لگا رہی ہیں اور اس کے خروج سے پہلے اس کی مخصوص علامتوں کو کرۂ ارضی کے باشندوں کے لیے مانوس اور جانی پہچانی بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ آپ کو شاید اس پر یقین نہ آئے...... معمول کے مطابق دکھائی دینے والی چیزوں کے بارے میں غیر معمولی باتوں پر یقین آتا بھی نہیں...... لیکن معمول کے مطابق نظر آنے والی چیزیں کسی عقلی توجیہ اور فطری مناسبت کے برخلاف ہوں تو انسان سوچنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے۔ ہم آپ سے یہی اُمید رکھتے ہیں کہ آپ توجہ دلائے جانے کے بعد ایسے اجتماعی موضوعات پر غور وفکر سے لاتعلق نہیں رہیں گے، جن کا سامنا پورے عالمِ بشریت کو ہے۔

سنہرے تاج کی شیطان یا اس کے نمائندۂ اعظم (دجال اکبر) سے کیا مناسبت ہے؟ تاج کے نیچے یہ نامانوس قسم کی ناگوار حیوانی شبیہ کیا ہے؟ اس کو دونوں طرف سے سہارا دینے والے تین تین جانوروں سے مرکب فرضی حیوان کس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں؟ کیا دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے سر پر تاج ہوگا؟ ان سب چیزوں کا پس منظر سمجھنے کے لیے ہم ''سماویات'' اور ''دجالیات'' دونوں سے مدد لیں گے۔ انجیل کی آخری کتاب ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' میں چند آیات ایسی ہیں جو تاج کے علاوہ ان عجیب الخلقت جانوروں کی حقیقت سے بھی پردہ اُٹھاتی ہیں، جنہوں نے اس شبیہ کو دونوں طرف سے تھام رکھا ہے، جن کے سر پر تاج دھرا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں ہے:

''یسوع مسیح کا مکاشفہ جو اسے خدا کی طرف سے اس لیے ہوا کہ اپنے بندوں کو وہ باتیں دکھائے جن کا جلد ہونا ضروری ہے۔''

اس مکاشفہ میں سات فرشتوں کے تذکرے کے بعد شیطان کے بارے میں جو اللہ کے نیک بندے یوحنا عارف کو ''کشف'' کی حالت میں اژدھا جیسا نظر آتا ہے، کا تذکرہ ہے۔ شیطان کے تذکرے کے متصل بعد دجال کا تذکرہ ہے جو سمندر سے نکلتے حیوان کی شکل میں اس وقت کی نیک ہستی یوحنا عارف کو مکاشفہ کے دوران دکھایا گیا۔ یاد رہے کہ دجال کا مسکن سمندر میں ہے اور وہ ''نیم انسان، نیم حیوان، نیم جن'' قسم کی دوغلی مخلوق ہے۔ اب آگے چلتے ہیں۔ مکاشفہ میں ہے:

''اور میں نے ایک حیوان کو سمندر میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کی سی تھی اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا۔ اور اس اژدھا نے اپنی قدرت اور اپنا تخت اور اپنا بڑا اختیار اسے دے دیا۔ اور میں نے اس کے سروں میں سے ایک پر گویا زخم کاری لگا ہوا دیکھا، مگر اس کا زخم کاری اچھا ہوگیا اور ساری دنیا تعجب کرتی ہوئی اس حیوان کے پیچھے پیچھے ہولی۔ اور چونکہ اس اژدھا

نے اپنا اختیار اس حیوان کو دے دیا تھا، اس لیے انہوں نے اژدھا کی پرستش کی اور اس حیوان کی بھی یہ کہہ کر پرستش کی کہ اس حیوان کی مانند کون ہے؟ کون اس سے لڑسکتا ہے؟ اور بڑے بول بولنے اور کفر بکنے کے لیے اسے ایک منہ دیا گیا اور اسے بیالیس مہینے تک کام کرنے کا اختیار دیا گیا۔'' [مکاشفہ: باب 13، آیت 2 تا 8، نیا عہد نامہ: ص 251]

ان آیات میں کئی باتیں غور کرنے کی ہیں۔ حیوان کے سر پر کفر کے نام (یعنی اقوام متحدہ، یورپی یونین، جی سکس، جی ایٹ یا مغربی ممالک کے ''ناٹو'' جیسے کسی اتحاد میں شامل ممالک کے نام) درج ہونا، اژدھا (یعنی ابلیس) کی طرف سے اپنا اختیار اس حیوان کو دینا، اس حیوان کی طرف سے اپنی اور اژدہا کی پرستش کروانا، کفر بکنے (یعنی جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرنے کے لیے) کے لیے اس کو ایک منہ ملنا، [سر پر زخم کاری لگنے سے شاید اس کا ایک آنکھ سے محروم ہونا مراد ہے، واللہ اعلم بالصواب] اس کی شعبدہ بازیاں دیکھ کر لوگوں کا یہ کہہ کر اس کے پیچھے چل پڑنا کہ اس حیوان سے کون لڑسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ...... بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ''احادیث الفتن'' اور ان کی عصری تطبیق سے شغف رکھنے والوں کے لیے فکر کے بہت سے دریچے کھولتی ہیں، لیکن ہم یہاں صرف اس حیوان کی شکل وصورت اور اس کے تاج پر توجہ دیں گے کیونکہ شیطان کی آلہ کار دجالی قوتوں نے اس پر غیر محسوس طریقے سے اتنی توجہ دی ہے کہ اس کی شبیہ بہت سی چیزوں پر شیطانی علامت کے طور پر دجال کی آمد سے پہلے اس کے لیے ذہن سازی کے حوالے سے موجود ہوتی ہے۔ اس علامت کی تشہیر میں سب سے زیادہ حصہ ''برٹش کالج آف ہیرالڈری'' (British College of Heraldry) کا ہے۔ یہ برطانیہ کا قومی ادارہ ہے جو سرکاری افسران اور ملازمین کے لیے وردیاں ڈیزائن کرتا ہے۔ اس نے اپنی گزشتہ کئی صدیوں کی تاریخ کے تناظر میں ''رائل کوٹ آف آرمز'' ڈیزائن کیا ہے۔ اس میں وہ شبیہ ہے جس کے سر پر تاج اور جس کے دائیں جانب گھوڑے کی شکل کا اور بائیں جانب شیر سے مشابہ جانور نظر آتا ہے۔

یہ شبیہ برطانوی افسران کی وردیوں، شاہی اداروں اور تعلیمی جامعات کے مونوگرام

سے ہوتی ہوئی سگریٹ کے پیکٹوں اور شراب کی بوتلوں پر آن پہنچی اور یہاں ایک جمی کے ان کی پہچان بن گئی۔ پھر اس نامانوس "شبیہ" کے خلاصے کے طور پر "تاج" کو مختلف اداروں کے مونوگرام اور کمپنیوں کی مصنوعات کے ذریعے "رائل آرٹ"، "کنگ اسٹائل" اور "کراؤن ورائٹی" کا نام دے کر پھیلایا اور عام کیا گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے ہاں کی بیکریوں، ہوٹلوں اور تعلیمی اداروں کو تو رہنے دیجیے بعض مسلم ممالک کے اداروں جو نجی نہیں، سرکاری ہیں، کے مونوگرام پر بھی بغیر سوچے سمجھے "سنہرا تاج" نقش کرنا شروع کر دیا گیا۔ مثلاً: راقم کے سامنے اس وقت ایک برادر اسلامی ملک کے "محکمہ امن عام" کا مونوگرام موجود ہے۔ اس کے بیچ میں آنکھ کی شبیہ اور اس شبیہ کے عین اوپر سنہرا تاج ہے۔ یہ نقش اس ادارے کی گاڑیوں پر بھی ثبت ہے اور حج و عمرہ کے زائرین اسے عام ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں بادشاہی نظام ہے۔ یہ تاج بادشاہت کی علامت ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی مملکت کے بادشاہ تو تاج پہنتے ہی نہیں، اور حرمین کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سنہرا تاج (جو ظاہر ہے سونے کا ہے اور سونا مرد کے لیے ممنوع ہے) پہننے کی اجازت ہی نہیں دی، تو اسے سرکاری مونوگرام میں لگانا غفلت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ غفلت تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ توجہ دلائے جانے کے بعد غلطی پر اصرار اچھی بات نہیں۔ چلیں مان لیا کہ اس برادر ملک میں بادشاہت کا نظام ہے اور تاج بادشاہت کی علامت ہے، لیکن پھر اس بات کا کیا جواب دیا جائے گا کہ اسی قابل احترام ملک کے ایک اور ادارے "الدفاع المدنی" (شہری دفاع) کے مونوگرام میں جزیرۃ نمائے عرب کے وسط میں تکون ثبت ہے۔ اس تکون کی یہاں کیا مناسبت ہے؟ عرب بھائیوں کے میڈیکل اسٹوروں میں جن کا نام "صیدلیہ" ہوتا ہے، سانپ کی شبیہ لازمی نمونے کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ سانپ کا دوا اور شفا کے شعبے سے کیا تعلق؟

بات "سنہرے تاج" کی ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں تو اس کی فقط شبیہ ہوتی ہے۔ جیسے شیل، ڈانیو اور والز کے لوگو میں، اس کو یقینی طور پر تاج کہنا مشکل ہے، لیکن کہیں کہیں واضح

طور پر'' تاج'' ہی ہوتا ہے، جو شیطان اکبر کی طرف سے عالمی بادشاہت کے لیے نامزد واحد امیدوار'' دجال اعظم'' کی بے بنیاد بادشاہت کے قیام کے لیے لوگوں کے ذہن ہموار کر کے ان میں دجال کی انسیت کا بیج بونے کے لیے قسما قسم شکلوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ آپ نے بلیک واٹر کے مونوگرام کو غور سے دیکھا ہے۔ یہ چیتے کا پنجہ معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت اس پنجے کو تاج کی شکل دے کر بیضوی دائرے میں دکھایا گیا ہے۔ خصوصاً ان تجارتی یا تعلیمی اداروں میں جو ہوتے تو مشرق کے باسی اور ذات کے جٹ ہیں، لیکن انہیں ''شاہی محل''، ''شاہی بیکری''، ''شاہی طعام گاہ'' غرض کہ ہر چیز کو ''رائل میڈ'' بنانے یا ''گولڈن کراؤن'' کے سائے تلے پنپتا ہوا دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں دیکھا دیکھی اور روا روی میں شاہوں کی یہ روایت فٹ پاتھیوں نے سجانی شروع کر دی ہے۔ اس عاجز کو تلاش کرتے کرتے ایسے مغربی ادارے کا مونوگرام بھی ملا جو ''تھری ان ون'' کا نمونہ تھا۔ یعنی اس میں تاج کا ڈیزائن اس طرح بنایا گیا تھا کہ دائیں بائیں دو سینگ بن جائیں، بیچ میں دو سانپ ایک عصا سے چمٹے ہوئے ہوں۔ بتایئے ''برادری'' نے کوئی کسر چھوڑی ہے؟

غور کیا جائے تو تاج کی شبیہ ملکہ برطانیہ سے تو جڑتی ہے کہ اس کی شاہی کرسی میں تخت داؤدی جڑا ہوا ہے، عجیب الخلقت جانوروں کی حیوانی طاقت سے فائدہ اُٹھانے کا وہم برطانوی سرکار سے میل کھاتا ہے کہ اس نے خون آشام حیوانوں کی طرح پوری دنیا کے وسائل چوسے ہیں، لیکن ان دونوں چیزوں کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں فرعونی تاجوں کی جگہ رحمانی عماموں کو رواج دینا چاہیے۔ اپنے دل میں بھی، اپنے سر پر بھی اور اپنے معاشرے پر بھی۔ اس سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، نبی علیہ السلام کی سنت زندہ ہوتی ہے اور شیطانی اثرات کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اکلوتی آنکھ اور تکون

دوسری علامت - اکلوتی آنکھ:

حدیث پاک کی سب سے مستند کتاب بخاری شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں دجال کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو دجال کی آمد اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے حوالے سے خبردار نہ کیا ہو، لیکن میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جو اس سے پہلے کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ بات یہ ہے کہ دجال کی ایک آنکھ ہوگی اور اللہ کی ایک آنکھ نہیں۔''

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء: 1 / 47)

ایک آنکھ والا ہونا سخت عیب ہے، لیکن دجال اس قبیح عیب کے باوجود خدائی کا دعویٰ کرنے سے نہیں شرمائے گا۔ چونکہ جھوٹ اور فریب اس کی سرشت میں شامل ہے، اس لیے وہ اپنے خروج سے پہلے اپنے چیلوں کے ذریعے اکلوتی کانی آنکھ کو دو آنکھوں کے نشیلے حسن سے زیادہ حسین، دو آنکھوں کی طاقت سے زیادہ طاقت ور اور جڑواں آنکھوں کی بہ نسبت اکلوتی آنکھ کو زیادہ آبدار و تابدار باور کروانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس غرض کے لیے اکلوتی آنکھ کو دنیا بھر میں متعارف کروایا جا رہا ہے۔ کہیں اسے تیسری آنکھ (Third Eye) کا نام دیا جاتا ہے، کہیں سب کچھ دیکھنے والی آنکھ (All Seeing Eye) کا اور کہیں پس پردہ رہ کر گھورتے رہنے والی ''میسونک لارڈ کی آنکھ'' کا لقب دیا جاتا ہے، جو کمانڈ اور کنٹرول کی علامت ہے۔ طاقت اور بصیرت کا مرکز ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بدنما چیز طاقت، ذہانت اور ناقابل شکست قوت کی علامت بنادی جائے گی۔ بچوں کے کارٹون ہوں یا اخبار کے اشتہارات، کمپیوٹر کے گرافک ڈیزائن ہوں یا فلموں، گانوں کی سی ڈیز، رسالوں کے سرورق، ویڈیو گیمز

ہوں یا ٹی وی پروگرام، آپ کو یہ آنکھ متعلقہ یا غیر متعلقہ جگہوں پر بلکہ بغیر کسی تعلق اور مناسبت کے دکھائی دے گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مونوگرام میں تو ڈیزائنرز کو گویا اس کے علاوہ کوئی ڈیزائن سوجھتا ہی نہیں، ان کی مرغوب ترین آرائشی علامت یہی اکلوتی آنکھ ہے، اور کیوں نہ ہو کہ یہ کمپنیاں جس سرمایہ دار اور سرمایہ پرست قوم کے ہاتھ میں ہیں، اس کے نزدیک آنکھ کا یہ نشان ''اکلوتے الوہی مرکز'' کی علامت ہے، جو ایک نئے اور عالمی سیکولر نظام (Novus ordo Seclorum) کی چوٹی کی طاقت ہے، جو گمنام اور وحشت ناک دور افتادہ اور ویران سمندری جزیرے میں مقید ہے، لیکن اس کے متعلق ہمیں باور کروایا جارہا ہے کہ وہ بلندی پر رہ کر چوکسی سے سب کی نگرانی کررہی ہے۔ اس کی کراہیت اور نفرت کو ختم کرنے کے لیے مختلف بھونڈی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ مثلاً: مختلف مقبول شخصیات، اداکار اور کئی ماڈلز کی ایسی تصویریں لی جاتی ہیں، جس میں ان کے بال ان کی ایک آنکھ کو چھپائے ہوئے ہوں اور زلفوں کے گھنے سائے سے بچ کر اُبھرنے والی ایک آنکھ حسن کا استعارہ بنی ہوئی ہو۔ ہیئر اسٹائل کے غیر شرعی فیشنوں میں تو گویا محبوب کی زلفیں دراز ہوتے ہی اس کی ایک آنکھ غائب ہوجاتی ہے۔ کچھ مقبول عوام شخصیات کی تصاویر ایک طرف سے (ون سائیڈ) لے کر انہیں رسالوں کے سرورق پر چھاپا جاتا ہے۔ پرندوں اور حیوانات، مثلاً: امن کی آشا ''فاختہ'' یا جارحانہ طاقت کی علامت ''عقاب'' کی ایسی تصویر یا آرٹ ورک بنایا جاتا ہے، جس میں وہ ایک طرف دیکھ رہے ہوں اور ایک جانب سے ان کی صرف ایک آنکھ نظر آرہی ہو۔ امریکا کے بیشتر سرکاری اداروں کے مونوگرام میں عقاب موجود ہوتا ہے اور چونکہ یہ عقاب ایک طرف دیکھ رہا ہوتا ہے، لہٰذا خود بخود یک چشم ہوتا ہے۔ کبوتر اور فاختہ کی ایسی شبیہیں تو شمار نہیں کی جاسکتیں جو ''تجریدی آرٹ'' کے نام پر بنائی جاتی ہیں اور ان میں صرف ایک آنکھ دکھائی جاتی ہے۔ یہ صرف آرٹس کونسلوں میں نہیں ہوتیں، بسوں، کوچوں اور ٹرکوں کے ''ٹرانسپورٹ آرٹ'' پر بھی بکثرت ہوتی ہیں۔ ٹی شرٹ، پی کیپ اور گلاسوں پیالوں میں بھی ایک آنکھ والا عقاب آپ کو بجا و بے جا ملے گا، جو دائیں یا بائیں طرف دیکھنے

کے باعث غیر محسوس طور پر یک چشم جارحانہ اور قہر انگیز حیوانی طاقت کا نشان ہے۔ بلیک وائر کے مونوگرام کو دیکھیے۔ اس میں آنکھ دے کے اندر چیتے کا پنجہ ہے۔ یہ اس شکل میں بنایا گیا ہے کہ وہ شیطانی تاج معلوم ہوتا ہے۔ گویا کہ خباثت در خباثت ہے۔ ''ویژن'' کا لفظ تو اتنی بری طرح استعمال ہوا ہے کہ اکثر و بیشتر اس کے ''()'' میں آنکھ ضرور بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مضمون کے شروع میں سونی ایریکسن کے مونوگرام کا ذکر ہوا۔ اس میں موجودہ آنکھ گلوب کی شکل کی ہے۔ اس پر پردہ رکھنے کے لیے اس کے بیچ میں سے ایک لہر گزاری گئی ہے، لیکن پاکستان میں پیٹرول اور گیس کی ایک نئی کمپنی لانچ ہوئی ہے جس کا مونوگرام ہی گول سبز دائرہ ہے۔ شیشے پر اُبھرا ہوا گول سبز دائرہ۔ مستند روایات کے مطابق دجال کی ایک آنکھ سبز شیشے جیسی ہوگی۔ (مسند احمد بن حنبل: 183، 21 و مجمع الزوائد: 1\337، التاریخ الکبیر للأمام البخاری: حدیث: 1615) اس شیشے میں روشنی جیسی چمک بھی ہوگی۔ کیونکہ دوسری حدیث میں اسے چمکتے ستارے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ان ساری کارروائیوں کی بدولت انسان ایک آنکھ سے ہر طرح مانوس ہوتا جارہا ہے۔ آپ کو اگر اس امر میں مبالغہ محسوس ہو تو آپ نیٹ پر چلے جائیں اور ''شیطانی آنکھ'' یا ''اکلوتی آنکھ والے لوگو'' جیسا کوئی لفظ لکھ دیجیے۔ آپ کو اتنی بے شمار شبیہیں اور ایسے ایسے اداروں کے لوگو دیکھنے کو ملیں گے کہ آپ کو اس تحریر میں بیان کیے گئے اکتشافی نکات مبالغے کے بجائے حقائق سے کم معلوم ہوں گے۔ کچھ مثالیں ہم چوتھی علامت ''تکونی آنکھ'' میں بھی دیں گے۔

یہ تو ایک پہلو ہوا۔ یعنی ''حقیقی آنکھ'' کی مختلف شکلوں کا۔ اب دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ تشہیری ادارے مختلف اداروں اور ان کی مصنوعات کی تشہیر کے لیے گول یا بیضوی دائرے کو تزئین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آرٹسٹ اور آرٹ ماسٹر دائرہ یا نیم دائرہ کو تزئین کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جیومیٹریکل اشکال کی اس جمالیاتی خصوصیت کو کام میں لاتے ہوئے دجالی قوتیں اسے گمنام مقام میں پوشیدہ ماورائی طاقت اور ''تباہی کے دیوتا'' کی نمایاں ترین علامت کی شبیہ کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ آپ اپنے گرد و پیش پر نظر رکھیں تو

آپ نوٹ کریں گے کہ یہ علامت اخبار، چینلز، اشتہارات، سائن بورڈز، لوگو، مونوگرام وغیرہ میں اس کثرت سے ہے گویا دنیا کو 'ایک آنکھ والے دیوتا'' کی نگرانی کا بھرپور تاثر دیا جا رہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تاثر باطل ہے۔ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں جو ہر جگہ موجود ہو۔ ہر جاندار اور بے جان کا نگران ہو۔ ہر ادنیٰ یا اعلیٰ مخلوق کا رازق و مہربان ہو۔ اکلوتی آنکھ والے جھوٹے دعوے دار کی یہ اوقات نہیں کہ وہ ساری دنیا کو اپنی نگرانی میں لے سکے۔ اس کے سیٹلائٹ، اس کے خفیہ کیمرے، اس کے لیے جاسوسی کرنے والے ''جساس'' یا ''حساس ادارے''، معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ بننے والے ''نادر'' اور ''غیر نادر'' ادارے سب دھرے رہ جائیں گے اور حاکمیت اعلیٰ ایک وحدہٗ لاشریک کی ہوگی جس کی ناقابل شکست خدائی ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

تیسری علامت۔ تکون:

ریاضی اور جیومیٹری میں مثلث کی بحث میں ''معلوم زاویوں اور ضلعوں'' سے ''نامعلوم زاویوں اور ضلعوں'' تک رسائی بڑی دلچسپ مشق سمجھی جاتی ہے۔ انجینئرز اور کاریگروں کے زیر استعمال ''پرکار اور گنیا'' دو ایسے اوزار ہیں جو پیمائش ناپنے، درست زاویے قائم کرنے اور خطوط و دائروں کو مستقیم حالت میں رکھنے کے لیے سکہ بند آلات ہیں۔ مستری لوگ کہتے ہیں ''جو چیز گُنیا میں ہے وہ درست ہے، بدگُنیا چیز درست نہیں ہوسکتی۔'' ہیکل سلیمانی کے معمار تعمیر کے وقت انہی اوزاروں کو ستون کھڑا کرنے اور ان ستونوں پر محرابوں اور چھتوں کا وزن تقسیم کرنے کے لیے مثلث کے قوانین سے کام لیتے تھے۔ ہیکل کی تعمیر میں انسانوں کے ساتھ جنات نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس تعمیر کی نگرانی اللہ کے سچے نبی سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان و جنات کو ان کے تابع کردیا تھا۔ ایک قول کے مطابق دجال اس دور کی پیداوار ہے۔ اس کی ماں ''جنّیہ'' تھی۔ یعنی جنات کی نسل سے ایک مؤنث فرد۔ آپ آں محترمہ کو بھوتنی یا چڑیل بھی کہہ سکتے ہیں جو اس کے باپ پہ عاشق ہوگئی۔ [ملاحظہ ہو: برزنجی، علامہ محمد رسول، الاشاعۃ لأشراط الساعۃ،

ص:217:" كانت أمُّهُ جنّيَة، فعشقت أباهُ، فأولدت لهُ شقا." اہل علم توجہ فرمائیں کہ عشق نامراد کے بعد نکاح بامراد کا تذکرہ نہیں ہے۔ فعشقت اور فولدت میں بیچ کی کڑی غائب ہے۔ عشق مجازی اپنی جنس سے ہو تو بھی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ خلاف جنس سے ہو تو کیا کچھ نہ کرے گا؟ خاک کا آتش سے جوڑ ہی کیا ہے؟ ایک بجھی جاتی ہے، دوسری بڑھکوں پر بڑھکیں مارے تو بھی چین نہ آئے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ نکاح کے جواز کے لیے فریقین کا ایک ہی نوع سے ہونا شرط ہے۔ خلاف جنس ونوع سے نکاح نہیں ہوتا۔ مثلاً: انسان اور جنات دو الگ الگ مخلوقات ہیں اور خشکی میں بسنے والا انسان اور پانی میں رہنے والا انسان یا جل پری دو الگ الگ نوع ہیں۔ ان کا باہمی نکاح جائز نہیں۔ (دیکھیے: شامیہ المعروف ردالمحتار: ج3، ص3) جب جناتی عاشقہ نے اپنی خفیہ طاقت کے بل بوتے پر انسانی معشوق کو رام کرلیا تو خاک و آگ کے اس ناجائز امتزاج سے "احرم الحرام"، "شر الشرور" اور "افتن الفتن" یعنی جناب دجالِ اکبر نمودار ہوئے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ حضرت آدم و حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصے کی پیداوار ہے۔ اس لیے کہ بخاری شریف کی روایت ہے" أنذره نوح والنبيون من بعده" (باب حجة الوداع، رقم الحديث: ٤٤٠٢) جس چیز سے نوح علیہ السلام اور بعد کے انبیاء علیہم السلام ڈراتے رہے، اس چیز کو ان کے دور میں موجود ہونا چاہیے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:" مابين خلق آدم إلى قيام الساعة خلق أكبر من الدجال." (صحيح مسلم، باب قصة الجساسة، رقم الحديث: ٢٩٤٠) "حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت تک کے درمیان دجال سے بڑی مخلوق نہیں۔" توجہ رہے کہ اس روایت میں دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں، کے بجائے دجال سے بڑی یعنی لمبی عمر کی کوئی اور مخلوق نہیں، کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

جادو پر تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اگر جائز روحانی عملیات میں ناجائز سفلی عملیات کو خلط کر دیا جائے تو "طلسم" وجود میں آجاتا ہے۔ یعنی خیر و شر کا ایسا گھماؤ جھرلو جس

کی کوئی توجیہ نہ کی جاسکے۔ جیسا کہ سامری جادوگر نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے مٹی لے کر بچھڑے کے بت میں پھینک دی تو طلسمی ؛ھانچہ وجود میں آ گیا تھا۔ سونے کا بے جان بچھڑا لیکن آواز دیتا تھا جاندار سے زیادہ زوردار۔ عام لوگ جب اس راز کو نہیں سمجھتے تو ضعیف الاعتقادی ان کو شرک اور توہم پرستی تک لے جاتی ہے۔ دجال جب انسان وجن، خاک وآتش کے ملاپ سے پیدا ہوا تو اس میں نیم انسانی اور نیم جناتی صلاحیتیں وجود میں آ گئیں۔ اوپر سے غضب یہ کہ خبیث شیاطین اس کی مدد کرتے اور طرح طرح کے محیر العقول کام اس سے کروا لیتے تھے۔ اس پر خلق خدا فتنے میں پڑنے لگی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے قید میں ڈال دیا۔ (حوالے کے لیے درج بالا ماخذ ملاحظہ ہو: ''وَكَانَتِ الشَّيَاطِينُ تَعْمَلُ لَهُ الْعَجَائِبَ، فَحَبَسَهُ سُلَيْمَانُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلَقَّبَهُ الْمَسِيحَ''.) اب جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی تو فتنوں کے زور کے دور میں یہ فتنوں کا فتنہ نمودار ہوگا۔ اس کے مقید ہونے کے بعد شیاطین نے لوگوں کو یہ باور کرایا کہ اس کی ساری طاقت جادو میں مضمر تھی، بلکہ وہ یہاں تک چلے گئے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانوں اور جنات سے کام لینے کی جو قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی تھی، وہ بھی خدانخواستہ جادوئی عملیات کے بل بوتے پر تھی۔ ان کے پروپیگنڈے کے مطابق ہیکل کے معمار اسی جادو کے بل بوتے پر اونچے اونچے ستونوں پر بڑی بڑی محرابیں بناتے تھے۔ بڑے بڑے چٹان نما پتھروں کو روئی کے گالوں یا پروں سے بھرے ہوئے تکیوں کی طرح اُٹھا کر بلندی تک لے جاتے اور ایک دوسرے کے اوپر جما دیتے تھے۔ جھوٹ کے اس پلندے کے مطابق مصر کے اہرام میں بڑے بڑے جناتی سائز کے پتھر اسی جادوئی تسخیر کے ذریعے ایک دوسرے پر رکھ کر تکون کی شکل میں مصنوعی پہاڑ کھڑے کرنے کے لیے استعمال کیے گئے۔ یہ سب شیاطین کا کفر ہے۔ اس کفر کے مطابق تکون، پرکار اور گنیا ''آزاد جادوئی معماروں'' کی ظاہری علامتیں ہیں اور ان کی باطنی قوتیں جادو کے وہ جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے، نقش وزائچے ہیں جو کسی قدیم نسخے میں درج

ہیں۔ یہ قدیم نسخے کہاں ہیں؟ کسی خزانے بھرے صندوق میں دفن ہیں یا متبرک اسرائیلی آثارِ قدیمہ کے ساتھ گم ہو چکے ہیں یا ''علم قبالہ'' (اس کا تلفظ ''کبالا'' بھی کیا جاتا ہے) کے ماہر یہودی سفلی عاملوں کے پاس محرّف حالت میں سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ جتنے کالے جھوٹ اتنی لمبی زبانیں۔ بیسیوں تاویلات اور فرسودہ جوابات ہیں جو اس موقع پر یہود کے جھوٹ کے عادی علمائے سوء کرتے ہیں۔ جھوٹ کو سچ بنانے کے لیے جتنی بھونڈی تاویلیں ڈھونڈی جاسکتی ہیں، تقریباً سب ہی گھڑی گئی ہیں اور چونکہ جادوئی عملیات کا قدیم مجموعہ کسی کے پاس نہیں، نہ ہوگا، کیونکہ وہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس کبھی تھا ہی نہیں، اس لیے کچھ ظاہری علامات پر گزارہ کرنے کے لیے انہیں جادوئی اثرات کا حامل قرار دے کر دنیا میں جا بجا پھیلایا جا رہا ہے۔ ان علامات میں ''مثلث'' یعنی تکون فہرست کے اوپر والے سرے پر آتی ہے۔ اس کے پیچھے چھپی ''دجالی سرّی'' روایات کو لوگ نہیں جانتے، اس لیے بیضوی آنکھ یا سہ ضلعی تکون ڈیزائنروں اور آرٹسٹوں کا پسندیدہ انتخاب ہے۔ آج کل آپ تکون کی ایک خاص شکل کو جا بجا دیکھیں گے۔ یہ تین تیر ہیں جو تکون کے تین ضلع کے طور پر ایک دوسرے کی دم کے پیچھے مثلث کی شکل میں گھوم رہے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ یہ ڈیزائن بنانے اور چھاپنے والے حضرات اس علامت کی مقصدیت سے آگاہ ہوں۔ ہمارا گمان یہی ہے کہ ان کی اکثریت تکونی ڈیزائن کو سوچے سمجھے بغیر بہت سی ایسی کمپنیوں یا اداروں کے مونوگرام میں بھی ڈال دیتے ہیں جن کا اس شیطانی سلسلے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ وہ اس دجالی علامت کی ترویج سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں۔

آپ کو اس بیان میں مبالغہ یا شدتِ احساس نظر آئے تو جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کیجیے۔ اپنے گرد اگرد غور کیجیے۔ موٹر وے پر تکون کے بیچ میں کیمرہ نصب ہوتا ہے اور نیچے لکھا ہوتا ہے: ''کیمرے کی آنکھ آپ کو دیکھ رہی ہے۔'' مجھے خدشہ ہے کہ مستقبل میں ''کیمرے کی آنکھ'' کی جگہ ''اکلوتی آنکھ'' لے لے گی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کیمرے کی ایک ہی آنکھ ہوتی ہے، لیکن عرض ہے کہ وہ تو گول ہوتی ہے، تکون نہیں ہوتی۔ تکون میں مقید اکلوتی آنکھ جو

روشنیاں بکھیرتی ہے۔ یہ مختلف امریکی اداروں کے مونوگرام میں بلاوجہ نصب نہیں ہوتی۔ امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک کے سرکاری اداروں کے مونوگرام میں کوئی چیز اتنے تکرار اور تسلسل سے بلاسبب تو نہیں ہوسکتی۔ یہ بہ مووا تلوان میں مقید ایک آنکھ والے دیوتا کا علامتی استعارہ بھی تو ہوسکتی ہے۔ آپ کو اس بات پر یقین نہ آئے گا، لیکن ہم آپ کو یہ نہیں کہیں گے کہ یہودی فلم ساز کمپنیوں نے اسے گانوں اور فلموں کے ٹائٹل پر نصب کرنے سے لے کر اہرام کی شکل میں تعمیر کردہ عمارات کی شکل میں ایک مہم کی طرح پھیلایا ہے۔ یہ عمارات امریکا و یورپ میں بھی ہیں، دبئی میں ''وافی شاپنگ مال'' کی شکل میں بھی، اور عرض کرنے کی اجازت ہو تو بتائے دیتے ہیں کہ پاکستان میں بھی بننی شروع ہوگئی ہیں۔ آپ ہم سے اس کا ثبوت طلب کریں گے۔ آپ کو حق ہے کہ ضرور طلب کریں، لیکن آپ ایسی چیز کا ثبوت اس عاجز سے طلب کر کے کیا لطف اُٹھا سکتے ہیں جو جابجا اپنا ثبوت آپ کو خود دیتی اور اپنا آپ منواتی ہے۔ یہ تحریر جس دن لکھی، شام کو احسن آباد کے سائٹ ایریا کی طرف چہل قدمی کے لیے نکلے تو ''بینک الحبیب'' کے ساتھ ہی تکونی عمارت کا جدید ترین ڈیزائن ہماری توجہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اگلے دن پی آئی ڈی سی کے پاس سلطان آباد کے پل کی کمر پر پہنچے تو سامنے ایک عمارت کی چوٹی پر تکونی اہرام سب سے اوپر تعمیر کیا گیا نظر آرہا تھا۔ خیر! آپ ان سب چیزوں کو تسلیم نہ کرنے کا حق رکھتے ہیں، لیکن ہم آپ سے زبردستی اپنی بات منوانا نہیں چاہتے۔ ہم اس کے ثبوت میں کئی درجن سے زیادہ تکونی آنکھ والی ان تصاویر کا حوالہ بھی نہیں دیں گے جو امریکا و یورپ میں مقیم مسلمانوں نے جمع کی ہیں اور میرے لیپ ٹاپ میں اس وقت موجود ہیں۔ ہم شیطان کے پوجا گھروں سے لے کر ویٹی کن سٹی میں بیٹھے صلیب کے محافظ پوپ صاحب کی نشست گاہ کی پشتی دیوار پر نصب اسی علامت کے پیچھے چھپے راز پر بھی اصرار نہیں کریں گے۔ ہم آپ سے یہ بھی نہیں کہیں گے کہ آپ نیٹ پر جائیں اور پھر ''شیطانی مثلث'' (Satanic TryEngle) کا لفظ لکھ دیں، آپ کو جواب میں خود مغرب کے غیر مسلم افراد کی جمع کردہ جو معلومات ملیں گی اس میں یہ شیطانی مثلث

سیکڑوں مختلف شکلوں میں دکھائی دے گی۔ ہم آپ سے یہ بھی نہیں کہتے کہ ڈرائنگ روموں کے فرش پر بچھے قالین سے لے کر بیڈ روموں میں بچھی چادروں اور تکیوں تک، آرائشی اشیاء میں یہ مثلث کیوں پائی جاتی ہے؟ میں آپ سے یہ سب شواہد و قرائن ماننے کو نہیں کہتا، میری آپ سے فقط اتنی درخواست ہوگی یہ مضمون مکمل ہونے تک ہمارے ساتھ چلتے رہیے۔ ہم کج بحثی سے بچتے ہوئے تحقیق و مشاہدے کے ذریعے حقیقت تک رسائی کی کوشش مل جل کر کرتے ہیں۔ اور اس غرض کے لیے دجال کی نمائندہ قوم یہود کے نزدیک "مثلث" کی حیثیت پہچاننے سے اچھا نکتۂ آغاز اور کیا ہوگا؟ تو آیئے! اسی سے بسم اللہ کرتے ہیں۔

—

مثلث کا راز

یہودی روایات اور رسوم و رواج کو دیکھا جائے تو ''مثلث'' کا ایک خاص مفہوم ومطلب ہے۔ اس کے تین کونے تین زبردست صفات کی ترجمانی کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ جھوٹی ہیں، لیکن جھوٹ کو سچ کرنا ہی تو فتنۂ دجالیت کی اصل بنیاد اور خصوصیت ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: (1) خودمختاری۔ (2) طاقت۔ (3) ذہانت۔ یہودی شارحین اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''فطرت میں موجود تمام اشیا'' خدائی صفت خودمختاری'' کا نتیجہ ہیں اور یہی وہ قانون قدرت ہے جو تمام چیزوں کو'' وجود کا جواز'' فراہم کرتا ہے۔ پھر ہر چیز کے پاس'' طاقت اور دانش'' کا ایک درجہ آجاتا ہے جو ارتقائی ترقی کو ممکن بناتا ہے۔ بالآخر صفت ذہانت کے تحت اس کو حتمی شکل مل جاتی ہے۔ جس طرح انسانی دنیا میں ایسا ہوتا ہے، بالکل ویسے ہی کائنات میں بھی ہر مخلوق چیز کے یہی تین انتسابات ہوتے ہیں۔ تمام مذاہب میں مختلف ناموں سے ان تین انتسابات کا حوالہ ملتا ہے: (1) عیسائیت میں باپ بیٹا اور روح القدس۔ (2) مصری روایات میں اوسائرس، آئسیس اور ہورس۔ (3) ہندومت میں برہما، وشنو اور شیواجی۔ (4) ہرمز، مترا اور اہرمن فارسی روایات میں۔ (5) بدھا، سنگھا اور دھرما بدھ مت میں۔ (6) زیوس، ایتھنز اور اپولو یونانی مذہبیات میں۔

''اہرام صرف ایک مثلث نہیں ہے، بلکہ یہ مربع بھی ہے کیونکہ اس کی چار اطراف ہیں۔ 7=4+3۔ سات کے عدد کو ایسوٹیریسزم (وہ نظام جس میں ایک ''مخصوص گروہ'' کو ''مخصوص علم'' کے قابل سمجھا گیا ہو) میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ وہ ''شعور ومعرفت کے سات مراحل'' کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو پہلے خدائی شعور آزادی

وخودمختاری کے ساتھ مل کر ایک خاص ترتیب سے دوبارہ ایک ساتھ آتے ہیں۔ اس خدائی شعورِ آزادی وخودمختاری کو ہندومت میں آتمان کا نام دیا گیا ہے۔‘‘

آپ نے اقتباس ملاحظہ کیا۔ اس میں جابجا ابہام اور اجنبیت ونامانوسیت ہے۔ اس میں استعمال شدہ گاڑھی اصطلاحات ذومعنی ہیں۔ اس پر مستزاد وہ الفاظ ہیں جو انتہائی معنی خیز ہیں۔ مثلاً: ’’خدائی صفت خودمختاری کا نتیجہ‘‘، ’’طاقت و دانش کا ایک درجہ‘‘، ’’شعور ومعرفت کے سات مراحل‘‘، ’’مخصوص گروہ کا مخصوص علم‘‘...... یہ سب کچھ دراصل گورکھ دھندا ہے۔ دجال کے پیروکار صہیونی دماغوں اور روحانی یہودیوں کا ڈالا ہوا بکھیڑا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ تکون تین دجالی صفات کی نمائندہ علامت ہے: (1) اللہ رب العالمین کی حاکمیت سے آزادی وخودمختاری۔ (2) شیطانی اور جادوئی طاقت۔ (3) عیارانہ ومکارانہ خصلت۔ ان تینوں کی مدد سے جھوٹے خدا کی جھوٹی خدائی کا نقارہ بجایا جارہا ہے اور اس پر پردہ رکھنے کے لیے اسے کبھی ’’مخصوص گروہ کو حاصل مخصوص علم‘‘ کہا جاتا ہے اور کبھی دوسرے شرکیہ مذاہب سے اشتراک کا سہارا لے کر دھوکا دیا جاتا ہے۔

یہودیت اور یہودی روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ’’مثلث کے بھید‘‘ سے ایک اور طرح سے بھی پردہ اُٹھتا ہے۔ اللہ کے غضب کا شکار اور دجال سے مدد کی اُمیدوار اس قوم کے جاہلانہ فلسفے کے مطابق کائنات کی حقیقت ایک مثلث ہے۔ اس میں خدا کی ذات سب سے اوپر ہے، جبکہ نیچے ایک جانب ’’تصورات‘‘ کی اور دوسری طرف ’’موجودات‘‘ کی دنیا ہے۔ یہ مثلث کی ایک سادہ سی تشریح ہے جو واضح ہے اور سمجھ میں آتی ہے۔ اس میں اُلجھن یا پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس سیدھی مثلث کے اوپر اُلٹی مثلث رکھ دی جائے جیسا کہ اسرائیل کے جھنڈے میں ہے، اس سے چھ کونوں والا ستارہ بن جائے گا جس کے متعلق سب جانتے ہیں کہ یہودیوں کا خاص نشان ہے، لیکن یہ جاننے والے بہت کم ہیں کہ یہ نشان جن دو اجزا سے مل کر بنے ہیں، ان میں دوسرے مثلث سے کیا مراد ہے؟ دوسری مثلث جو پہلے ’’مستقیم مثلث‘‘ کے اوپر ’’معکوس مثلث‘‘ کی شکل میں ثبت ہے۔ اس کا

سب سے نچلا کنارہ دجال کو، دائیں طرف کا ذہانت اور بائیں طرف کا طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ کی حاکمیت کے مقابلے میں دجال کی حاکمیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان مثلثوں کے اوپر نیچے دو نیلی پٹیاں ہیں۔

درج بالا تشریح کے تناظر میں اوپر کی نیلی پٹی آسمان کو ظاہر کرتی ہے جہاں اللہ رب العالمین موجود ہے اور نیچے کی پٹی سمندر کو جہاں کسی جگہ دجال ملعون پوشیدہ ہے۔ سچا خدا آسمان کی بلندیوں میں عرش عظیم پر اپنے جلال و جمال اور عزت و کبریائی کے ساتھ موجود ہے اور خدائی کا جھوٹا دعوے دار سمندر کی پنہائیوں میں کسی نامعلوم جزیرے کی اندھیریوں میں مقید ہے۔ اللہ پاک وحدہٗ لاشریک ہے، بے عیب اور بے نیاز ذات ہے، آسمانوں وزمینوں کا نور ہے، محبت وشفقت کا سرچشمہ ہے۔ انسانیت کو گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت کی نورانی روشنیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ معاف کرتا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ جبکہ خود کو اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم کہنے والے بنی اسرائیل نے اپنے گناہوں کے سبب اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر جسے ''مسیحائے اعظم'' اور ''نجات دہندہ'' مانا ہے، وہ خسیس اور رذیل قسم کی ایک نیم وحشی مخلوق ہے، تمام عیبوں کا عیب بلکہ عیوب کی کُھڈ ہے، اس کی ذات نفرت وضلالت کا منبع ہے، وہ انسانیت کو دجل وفریب اور دھوکا وفراڈ سے رحمت ومغفرت کی چھتری تلے سے نکال کر اندھیری تاریکیوں کی طرف، خوشحالی اور کامیابی سے محروم کر کے بربادی اور رسوائی کی طرف لے جانے کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہے۔ اللہ رب العزت، ذوالجلال والاکرام ہے۔ خالق السمٰوات والارض ہے۔ حی وقیوم ہے۔ لایزال ولایموت ہے۔ اس کی سچی خدائی کے مقابلے میں سفلی زمینی مخلوق کی جھوٹی خدائی کے ذریعے اللہ کی کائنات اور اس کی مخلوق پر اپنا جابرانہ تسلط قائم کرنا یہ سیدھی مثلث پر اُلٹی مثلث کا ''بھید'' ہے۔ کبھی یہ مثلث اکیلی ہوتی ہے اور کبھی دوسری مثلث کے ساتھ۔ کبھی یہ سیدھی ہوگی اور کبھی اُلٹی۔ ہر صورت میں یہ شر کا راز اور بدی کا پیغام اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتی ہے۔

یہاں واضح رہے کہ یہودی شارحین دھوکا دینے کے لیے کہتے ہیں: ''تین کا عدد خدا کی طرف منسوب تین چیزوں کی ترجمانی کرتا ہے''...... لیکن ان کی تحریرات میں خدا سے مراد اللہ رب العالمین نہیں، ان کا جھوٹا مسیحا یعنی دجال اعظم ہے جسے وہ ''کائنات کا عظیم ترین معمار'' "Great Arctect of Univers" کہتے ہیں۔ وہ معمار جو ہیکل سلیمانی کی تعمیر میں شریک تھا اور پھر اسے سلیمان بادشاہ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نے شیطانی کرتوتوں کی بنا پر جزیرے میں قید کردیا تھا۔ وہ اپنے اس جھوٹے مسیحا کو مختصراً ''G'' کے حرف سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ اگر نیویارک گئے ہوں (جسے جیویارک کہنا چاہیے) تو وہاں مجسمہ آزادی کے نیچے بنائی گئی پرکار، گنیا اور تکون ملاحظہ کیجیے اور پھر کسی تعلیم یافتہ امریکی سے پوچھ لیجیے گا کہ G کا حرف کس کی طرف اشارہ ہے؟ اس سے اگر God مراد ہے تو اسے ان دو اوزاروں سے بننے والی تکون کے بیچ میں کیوں لکھا گیا ہے؟ اللہ احکم الحاکمین کا پاک نام تو مجسمے کی چوٹی پر ہونا چاہیے جیسا کہ مسلمان اسے میناروں کی آخری بلندی پر عزت واحترام سے نصب کرتے ہیں۔ آپ لوگوں نے جو کہ "In God we Trust" کے دعوے دار ہوں، اور کوئی معزز جگہ نہیں ملی تو اسے اپنے نوٹ پر لکھ دیا جو دن میں ہزاروں ہاتھوں میں مسلا جاتا ہے۔ آپ لوگوں نے یہاں بھی ''G'' کی علامت کو مجسمہ کی جڑ میں مستریوں کے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ آخر کیوں؟ اس کیوں کا جواب امریکن گریجویٹوں کے پاس نہیں، کیونکہ امریکن قوم نے اپنی سوچ وفکر ان کے پاس گروی رکھوادی ہے جو اس کے اور پوری انسانیت کے دشمن ہیں۔ اسی آنکھ کے پجاریوں کے پاس جو انہیں اقتدار کی چوٹی سے گھور رہی ہے اور جس سے گندی اور حرام طاقت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہم ایک اور مشہور دجالی علامت کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں جو کہ اوپر بیان کی گئی دوسری اور تیسری دو مشہور علامتوں (آنکھ اور تکون) کے ملاپ سے وجود میں آتی ہے۔

تکونی آنکھ

چوتھی علامت۔تکون میں مقید آنکھ:

آپ نے کبھی ایک ڈالر کے نوٹ کی پشت پر نظر ڈالی ہے؟ نہیں ڈالی تو یقین مانیے کہ وہاں ایسی شیطانی اور جادوئی علامت ہے جو اپنے تئیں آپ پر نظر ڈال رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے المسیح الدجال (مسیح کاذب) کی نشانی بتائی ہے کہ وہ ''یک چشم'' یعنی ایک آنکھ رکھنے والا ہوگا۔ ڈالر کی پشت پر اہرامی تکون کی بلندی پر مصنوعی روشنیوں کی فرضی کرنیں بکھیرتی آنکھ وہی اکلوتی آنکھ ہے جسے ''یہودی دجالی اصطلاحات'' اور ''میسونک ڈکشنری'' میں ''سب کچھ دیکھنے والی آنکھ'' (All Seeing Eye) کہا جاتا ہے۔ اس کو اہرام کی چوٹی پر نصب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ طاقت واقتدار کی بلندی پر فائز ہوکر چوکسی سے سب کی نگرانی کر رہی ہے۔ تکونی اہرام کی چوٹی پر نصب تیز شعاعیں خارج کرتی یہ پُر اسرار آنکھ صرف امریکی کرنسی پر ہی نہیں، کچھ دیگر امریکی سرکاری اداروں کے مونوگرام میں بھی پائی جاتی ہے اور خوب وضاحت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ مثلاً: امریکا کا ایک سرکاری ادارہ ہے ''انفارمیشن ایورنس ڈپارٹمنٹ'' (Information Awereness Departement) اس کے مونوگرام میں گلوب دکھایا گیا ہے۔ گلوب کے ساتھ اہرام ہے اور اہرام کی چوٹی پر نصب ایک آنکھ ہے...... اکلوتی آنکھ...... جو پوری دنیا پر برمودا تکون سے حاصل کردہ حساس شعاعیں ڈال رہی ہے۔ اس طرح کا ڈیزائن متعدد امریکی اداروں کے ''لوگو'' میں پایا جاتا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے یا کسی طے شدہ منصوبے کا حصہ......؟ اس کو جانچنے کے لیے ہمیں اس بات کی کھوج لگانی پڑے گی کہ یہ آنکھ ہے کیا؟ آیئے! ذرا یہودی شارحین کی تحریرات کو دیکھتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ وہ اصل راز ظاہر نہیں کرتے،

بات سمجھا چکا کر سکتے ہیں۔ اب اہرام اور اس پر موجود اکلوتی آنکھ کے فلسفے کو یہودی قوم کے زعماء یوں بیان کرتے ہیں:

''سیاست اس تمام طریقہ کار کی ایک چھوٹی اکائی ہے اور بادشاہ یا حکمران کو اس اہرام کی چوٹی پر ہونا چاہیے جو (بادشاہ) ''آزادی وخودمختاری کا ترجمان'' ہے۔ وزراء اور اعیان حکومت، محبت اور دانش کے ترجمان (جو کہ اس حکمران کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مددگار ہوتے ہیں) اور عام آبادی جو کہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق احکامات بجالاتی ہے، ایک قوم کی صورت اختیار کرتی ہے (اس سے تیسرے شعور کی طرف اشارہ ہے یعنی ذہانت جو کہ شکل بناتی ہے) یہ ''عاقلانہ فلسفے'' کے مطابق حکومت کی بہترین شکل ہے۔''

آپ نے اقتباس پڑھ لیا؟ اس میں کچھ مبہم اصطلاحات ہیں۔ ان کا آپ کیا مطلب سمجھے؟ خوب سمجھ لیجیے کہ ''آزادی وخودمختاری'' سے یہاں مراد اللہ رب العالمین کے قوانین سے آزادی اور بے لگام شہوت پرستانہ خودمختار زندگی ہے۔ بادشاہ سے مراد برطانیہ کی ملکۂ عظمیٰ یا اسرائیل کا وزیراعظم نہیں، دجال اکبر ہے، جو گلوبل ولیج کا پریذیڈنٹ اور جدید فتنہ زدہ دنیا کا سربراہ اعظم بننے کے لیے بے تاب ہے۔ وزراء سے مراد دجال کی عالمی تنظیم ''فری میسن'' کے گرینڈ ماسٹر اور ڈپٹی ماسٹرز ہیں۔ عام آبادی جو بادشاہ کی مرضی کے مطابق کام بجا لاتی ہے، وہ ''جنٹائل'' اور ''گوئیم'' ہیں یعنی غیر یہودی آبادی جس کے متعلق 70 منتخب افراد پر مشتمل گرینڈ جیوری اور 12 منتخب سرداروں پر مشتمل سپر باڈی (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ کوہ طور پر لے جانے کے لیے ستر افراد منتخب کیے تھے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے بارہ سردار تھے جو نقیب کہلاتے تھے) فیصلہ کرے گی کہ ان میں سے کتنوں کو زمین پر رہنا چاہیے اور کتنے زمین کی کمر پر بوجھ ہیں جن کا صفایا کردینا ضروری ہے۔

تکون اور اس میں نصب آنکھ ڈالر کی شکل میں دنیا بھر میں گردش تو کررہی تھی، اب مختلف شکلوں میں مناسب اور غیر مناسب، متعلق اور غیر متعلق انداز میں، نیون سائن، ہورڈنگ بورڈ، مونوگرام، لوگو وغیرہ میں نظر آنے لگی ہے۔ کمپیوٹر پروگرامز، فلم، تھیٹر، ٹی وی

چینلز، موسیقی اور ڈراموں کے اسٹیج، اداکاروں کے لباس میں بھی یہ علامت کھدی ہوئی ملے گی۔ حد تو یہ ہے کہ پوپ صاحب کی نشست گاہ کی پشتی دیوار تک بھی اس دوآتشہ دجالی علامت (یعنی علامت در علامت...... تکون اور اس میں آنکھ) کی رسائی ہو چکی ہے اور وہاں بھی یہ آپ کو گھورتی، تاڑتی اور کچھ کہتی نظر آئے گی۔ مغرب میں تو شیطان کے ایسے چیلے بھی موجود ہیں جو ایسی منحوس علامات کو متبرک سمجھ کر اپنے جسم پر گدوا لیتے ہیں یا پھر مختلف مواقع پر انگلیوں سے یہ شکل بنا کر "طاقت کے اس اکلوتے مرکز" سے "ماورائی طاقت" حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو خود تو سمندر کی اندھیریوں میں کہیں مقید ہے اور دوسروں کو روشنیوں سے منور اور طاقت سے بہرہ ور کرنے کا جھانسہ دیتا ہے۔ انگلیوں سے مثلث بنانے کے لیے یہ فتنہ زدہ لوگ دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں کو خاص انداز میں جوڑتے ہیں۔ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر ہتھیلی کی پشت کو اپنی طرف کیا جائے تو بھی تکون وجود میں آجاتی ہے۔ اسے آپ اتفاق بھی کہہ سکتے ہیں کہ بے دھیانی میں انگلیوں سے کھیلتے ہوئے ایسی شکل بن گئی...... لیکن اس کا کیا کریں کہ وہ اس دستی تکون کو ایک آنکھ کے سامنے لاکر تصویر کھنچواتے ہیں۔ اس طرح آخری نتیجے کے طور پر فرضی تکون کی کھڑکی (window) میں سے حقیقی آنکھ جھانک رہی ہوتی ہے۔ کھڑکی کے لفظ سے آپ کے ذہن میں کوئی دریچہ تو نہیں کھلا؟ جی ہاں! ونڈوز کے معنی کھڑکی کے ہیں اور کمپیوٹر اسکرین کی کھڑکی سے دنیا بھر کو جھانک کر دیکھنے کا کام خود بل گیٹس کے مطابق اس لفظ کی اصل "وجہِ تسمیہ" ہے۔

اہل اسلام پر لازم ہے کہ شرک و کفر اور جادو ٹونے کی اس شیطانی علامت کو مٹانے اور رحمانی علامات کو فروغ دینے کے لیے کام کریں۔ ہماری یہ مراد نہیں کہ ٹریفک کے نشانات میں تکون کا استعمال درست نہیں، نہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ سوئی گیس یا سی این جی گیس کا علامتی ڈیزائن تکون اور تکون کے بیچ میں جلتی آگ کی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی ہم نہیں کہتے کہ A کے حرف کو مختلف تکونی شکلیں دے کر جو مونوگرام بنائے جاتے ہیں، مثلاً:

وارد کا یا اے آر وائی کا مونوگرام، ان کو بالقصد دجالی تکون کی شکل دی گئی ہے۔نہیں! ہم یہ نہیں کہتے۔ ہماری اس تحریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ احتمال کو بھی لازمی حقیقت مانا جائے۔ نہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تکون کی طرح کی ہر شکل مثلاً: الائیڈ بینک کا نیا ڈیزائن اسی پس منظر کے تحت بنایا گیا ہے، نہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر بیضوی تزئین مثلاً: یو بی ایل کا نیا لوگو، یا ہر گول شکل جیسے آج یا کیو ٹی وی کا مونوگرام، یہ بھی لازماً آنکھ ہی ہیں۔ ہمارا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمارے ہاں ایک معروف آئل کمپنی کے لوگو میں A کی شکل کے اندر یک چشم عقاب قصداً بنایا گیا ہے۔نہیں! دوسری جیومیٹریکل اشکال کی طرح یہ اشکال اور حروف بھی درست مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں، لیکن ڈالر کی طرح تکون میں آنکھ نقش کرنا یا جیو موسیقی چینل کی طرح اس میں شعلے بڑھکا کر آگ کو سفلی خواہشات کے ابھارنے کا ذریعہ بنا کر دکھانے کی آخر کیا تک ہے؟ انسان کو متشدد نہیں ہونا چاہیے۔ اعتدال اچھی چیز ہے۔ لیکن متساہل یا متغافل ہونا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں۔ آپ اگر وہم اور حقیقت میں فرق کرنے کے لیے انہیں کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں تو نیٹ پر جائیں اور ''شیطانی آنکھ'' (satenic eye) یا ''ابلیسی تکون'' (dole tryengle) لکھ دیں پھر تماشا دیکھیے کہ ہزاروں نہیں تو سیکڑوں شبیہیں آپ کے سامنے رقص کرتی ہیں یا نہیں؟

▬

لہراتا سانپ اور آتشیں اژدھا

پانچویں علامت- سانپ اور اژدھا:

سانپ تمام جانوروں میں موذی، ایذا پسند اور خوفناک و زہرناک سمجھا جاتا ہے۔ جانور انسان سے وفاداری میں بے مثال ہیں لیکن یہ وہ جانور ہے جو ہر ذی روح کا کھلا دشمن ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شیطان کے لیے جو بنی آدم کا کھلا دشمن ہے، اسی موذی جانور کی شبیہ پسند کی گئی ہے۔ تورات کی پہلی سورت ''پیدائش'' جس میں کائنات کی ابتدا اور اولین تخلیق کا ذکر ہے، اس کے شروع کی یہ آیات ملاحظہ فرمایئے:

''اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا چالاک تھا اور اس نے عورت سے کہا: کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا۔ عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں۔ پر جو درخت باغ کے بیچ میں ہے، اس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے کہ تم نے تو اسے کھانا اور نہ چھونا ورنہ مرجاؤ گے۔ تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے۔ بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں۔ اور انہوں نے خداوند کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے آپ کو خداوند خدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس

سے کہا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا۔ اس نے کہا تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟ آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔ تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا۔ اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔"

[پیدائش: باب 3، آیت: 1 تا 16]

اس مفہوم کی روایات مفسرین نے بھی نقل کی ہیں جو مشہور تفاسیر میں موجود ہیں۔ مثلاً دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۱۸، تفسیر طبری: ۱/ ۲۳۶، تفسیر کشاف: ۱/ ۱۲۸ وغیرہ۔

قرآن مجید میں ذکر ہے فرعون کے دربار میں جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں منتر پڑھ کر زمین پر ڈالیں تو وہ سانپ کی شکل میں بدل گئیں اور ایسا لگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تیزی سے دوڑ رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جادو کی دنیا میں سانپ کی خاص علامتی اہمیت ہے اور یہ سفلی طاقت اور شیطانی قوت کی نمائندہ شبیہ ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام قابل ذکر زبانوں کے محاروں اور استعاروں میں سانپ بدی اور تکلیف کا دوسرا نام مانا جاتا ہے۔ ماہرین تعبیر کے نزدیک خواب میں سانپ نظر آنا بہت بری علامت سمجھا جاتا ہے۔ غرضیکہ سانپ یا اس کی شبیہ شر ہی شر ہے۔ یہ شیطان کی فطری دشمنی اور زہریلی طاقت کا استعارہ ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کی نامانوس اور وحشت ناک شکل کو جسے نفرت، کراہت اور اذیت کی علامت سمجھا جاتا ہے، ان اداروں کی مانوس علامت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو انسانیت کے خادم اور محسن سمجھے جاتے ہیں۔ صحت اور

محکمہ ہائے صحت سے سانپ جیسی موذی مخلوق کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ لیکن عالمی ادارۂ صحت سے لے کر میڈیکل اسٹور، لیبارٹریز اور شعبۂ صحت سے متعلقہ اداروں تک آپ کو یہ جانور کنڈلی مارے، جسم لہراتے، بل کھاتے یا پھن اُٹھائے نظر آرہا ہوگا۔ سوچیے تو سہی مسیحائی کا مرہم بانٹنے اور بیماری کا تریاق تقسیم کرنے والوں سے اس موذی مخلوق اور کریہہ الفطرت شبیہ کا کیا واسطہ ہوسکتا ہے؟ لیکن دجل اسی کو تو کہتے ہیں کہ کھلا دشمن، محسن و مشفق ہمدرد کے روپ میں پیش کیا جائے۔ تاکہ لوگ اس سے نفرت نہ کریں، اس سے مانوس ہوجائیں۔ انہیں اس سے گھن نہ آئے، انسیت محسوس کرنے لگیں۔ سانپ کی طرح بل کھاتی لہریں جو رسیوں کی شکل میں ہوتی ہیں، بھی جادو اور شیطان سے منسوب علامت ہیں، جیسے کہ پیپسی کے لوگو میں دکھائی گئی ہیں۔ شیطان کی یہی شکل فائٹرز، ریسلرز اور ہیروز کے لباس پر اژدھا کی شکل میں پیش کی جارہی ہے اور قوت وطاقت کا سمبل مانی جاتی ہے۔ انگریزی حرف A کو جس طرح تکون کے ڈیزائن میں اور e، o یا Q کو آنکھ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح S کے حرف کو بآسانی سانپ کی علامتی شکل بنالیا جاتا ہے۔ اس S کے سرے پر ایک نقطہ بھی لگادیں تو یہ بالکل تیار سانپ ہے جیسا کہ ''سپر'' نام کے چینلز یا سپر اسٹور کی پیشانی پر بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ جس دن اس عاجز نے یہ تحریر لکھی اس کے اگلے روز ایک سی این جی اسٹیشن پر گاڑی رکی تو سامنے اسٹور کی پیشانی پر ''سپر مارٹ'' لکھا ہوا تھا اور سپر کی شکل میں سانپ اپنے سر پر موجود زہریلے نقطے کے ساتھ لہرارہا تھا۔ واپسی میں سڑک کی دوسری جانب سی این جی اسٹیشن پر رکے تو اس پر سی این جی کے نام کا مخفف ''S'' کی شکل میں جابجا سجا ہوا تھا۔ ایس کو خوبصورت شکل دینے کے لیے جو ڈیزائننگ کی گئی تھی اس میں اور سانپ میں بس زہر کی پوٹلی کا فرق تھا اور کوئی کسر نہ تھی۔ کیونکہ ایس کے شروع میں لگا ہوا نکتہ ایک نقطے والے گنجے سانپ کی ہو بہو نقالی کررہا تھا۔ سانپ دوسری دجالی علامتوں میں سے ایک اعتبار سے کچھ آگے کی چیز ہے کہ بعض جاہل اور توہم پرست فرقے اژدھا میں خدائی قوتوں کی کارفرمائی تسلیم کرکے اس کی پوجا شروع کردیتے ہیں۔ یعنی اسے دیوتاؤں کا اوتار سمجھتے

ہیں۔ درحقیقت شیطان ان سے اپنی عبادت کروا رہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کچھ بدنصیب سورج کی پوجا کرتے ہیں، تو شیطان سورج کے سامنے اس طرح کھڑا ہوجاتا ہے کہ سورج اس کے دو سینگوں کے بیچ میں آجاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی انا کی تسکین کر لیتا ہے کہ میرے ورغلانے پر جو بنی آدم سورج کی یا کسی اور چیز کی پوجا کر رہے ہیں، وہ گویا کہ میری پوجا کر رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے دشمنی کا عہد بھی پورا ہوجاتا ہے اور اس کی جھوٹی انانیت کو تسلی بھی مل جاتی ہے۔ پس ابن آدم کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے آبائی دشمن کی شبیہیں سجاتا پھرے یا اس کے شیطانی اثرات والی شکلوں کو آویزاں کر کے دشمن کی خوشی میں اضافے کا باعث بنے۔

جادو کے اوزار

چھٹی علامت۔کھوپڑی اور ہڈیاں:

جو لوگ جادو جیسا گندا کام کرتے ہیں ان کے پاس جنتر منتر کا جاپ کرتے وقت مردے کی کھوپڑی یا ہڈیاں ضرور موجود ہوتی ہیں۔ عرف عام میں جب دو ہڈیاں کراس میں بنا کر ان کے بیچ میں کھوپڑی ثبت کی جائے تو یہ خوف و خطرے کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن مزیدار سوال یہ ہے کہ دہشت اور شیطنت کی یہ علامت بچوں کی ٹوپیوں، نوجوانوں کی شرٹوں یا چائے کی پیالیوں پر کیوں چسپاں کی جاتی ہے؟ جو چیز سالہا سال سے شغلی عاملوں اور جادو ٹونے کرنے والوں کی ناپاک خلوت گاہوں کے ساتھ مخصوص تھی، وہ آہستہ آہستہ اور سینے پر کیوں سجائے جانے لگی ہے؟ جادو، خطرناک قسم کے شرکیہ ٹوٹکوں اور ایمان سلب کر لینے والے عملیات کے ساتھ مخصوص یہ علامت اپنے پیچھے مخصوص جادوئی اثرات چھوڑ جاتی ہے۔ سب سے برا اثر ذہنوں کا مسخ ہو جانا ہے۔ اللہ رب العالمین کی رحمت سے محروم ہو جانا اور دجال کے فتنے میں مبتلا ہو کر دنیا پرست، مادہ پرست اور مفاد پرست بن جانا ہے۔ کرۂ ارض کے باشندے ان علامتوں کی جادوئی تاثیر کے سبب درج بالا روحانی امراض میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں اور انہیں نہیں معلوم کہ ان میں یا ان کی معصوم اولاد میں ان باطنی بیماریوں کے جراثیم کی نمو کا سبب کیا ہے اور اس کا علاج کیسے ہو سکتا ہے؟ مردے کی کھوپڑی اور ہڈیوں (اسکل اینڈ بونز) کے ساتھ ایک عدد بھی آپ لکھا ہوا دیکھیں گے 322۔ یہ پُراسرار عدد شیطانی اثرات کا حامل اور 666 کے بعد سب سے بڑا شیطانی عدد ہے۔ کھوپڑی اور ہڈیاں اس ہندسے کے ساتھ مل کر ایسا جادوئی نقش تشکیل دیتی ہیں جو گندے اور ناپاک اثرات کا حامل ہے۔ انسان کا خالق و مالک اللہ رب العزت ہے۔ خیر اور شر صرف اور صرف

اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی اور بدی کی تمام قوتیں اس کے قبضۂ قدرت میں اور اس کے امر کے ماتحت و تابع ہیں۔ علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت سے خیر اور مدد طلب کرنے والی یا بدی اور شر سے محفوظ رہنے کی دعا پر مشتمل مقدس آیات وکلمات کو چند شرائط کے ساتھ بطور تعویذ یا برکت ساتھ رکھنا درست ہے۔ مبارک آیات اور مسنون کلمات اور ماثور دعاؤں کو چھوڑ کر جادوئی شبیہ سر یا سینے پہ سجالینا یا کھانے پینے کے برتنوں پہ نقش کر لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ (۱) انہیں مؤثر بالذات نہ سمجھے۔ مؤثر حقیقی صرف اللہ رب العالمین ہے۔ (۲) درج شدہ کلمات معلوم المعنی اور صحیح المعنی ہوں۔ اجنبی زبانوں کے غیر معلوم المعنی الفاظ یا شرکیہ کلمات نہ ہوں جن میں غیر اللہ سے مدد مانگی گئی ہو۔ (۳) جائز مقصد کے لیے ہی تعویذ کیا جائے۔ ناجائز کام کے لیے نہیں۔ اب یہ ہماری ناواقفیت ہے کہ متبرک کلمات سے استفادہ کرتے ہوئے ان شرائط کا خیال نہیں رکھتے اور دشمن کے طریق کار سے واقفیت نہیں ہوتی تو ایسے نقوش یا خاکوں کی اشاعت کا واسطہ بن جاتے ہیں جن میں رحمانی نہیں، شیطانی اثرات ہوتے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ اہل حق علمائے دین سے ربط رکھا جائے۔ زندگی کے اہم کام ان سے پوچھ پوچھ کر کیے جائیں۔ دکھ سکھ میں ان سے راہنمائی لی جائے۔ ان کے حلقے سے جڑ کر، ان کی اصلاحی تربیت سے فائدہ اٹھا کر اپنا عقیدہ اور عمل درست کیا جائے۔ تاکہ جب دنیا سے جانے کا وقت آئے تو ایمان کی قیمتی پونجی سلامت ہو۔ اسے کوئی لٹیرا لوٹ کر نہ لے گیا ہو۔

جادوئی نشانات

ساتویں علامت - بکرے کے سینگ، اُلو کے کان:

بکرے یا بیل کے دو سینگ یا اُلو کے کان بھی جادوئی نشانات میں سے ہیں۔ آج تک یہ جنات کے ساتھ مخصوص تھے یا ڈراؤنی مخلوقات، دیو، بھوت وغیرہ کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ اب یہی ڈراؤنی چیز اتنی ماڈرن ہوگئی ہے کہ صدر امریکا بھی طاقت واقتدار کے اظہار کے لیے یا عوام کے پُر جوش استقبالیہ نعروں کا جواب دینے کے لیے ہاتھ ہلا کر جواب دینا چاہے تو بیچ کی دو انگلیاں انگوٹھے سے بند کر کے کنارے کی دو انگلیاں (شہادت کی انگلی اور چھنگلیا) کھڑی کر لیتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں وکٹری سے ملتی جلتی کوئی شکل یا وکٹری کا ایڈوانس ڈیزائن بنایا ہے۔ درحقیقت وہ شیطان کی جے بول رہا ہوتا ہے اور اپنی شہرت، عزت اور منزلت کو شیطان کی عطا سمجھ کر اس کے شکریے کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ مسلمان کلمے کی اُنگلی بلند کر کے ایک عظیم اللہ کی وحدانیت کا اقرار واظہار کرتے ہیں۔ نماز میں بھی اور عام زندگی میں بھی۔ ہر نمازی دن میں کم از کم گیارہ مرتبہ تشہد کے دوران انگلی سے توحید کا اشارہ کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''یہ انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت اور بھاری ہوتی ہے۔'' (مسند احمد، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ: ۲/۴۹۸) جبکہ شیطان کے پجاری اللہ کے مقابلے میں جھوٹے خدا کے پرچار کے لیے دو انگلیوں سے شیطان کے سینگ کی طرف اشارہ کر کے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے، اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''فتنہ وہاں

سے ہوگا جہاں سے ''شیطان کا سینگ'' نکلے گا۔'' (بخاری شریف، باب ما جاء فی بیوت أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث ۳۱۰۴)

حدیث شریف میں سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے: ''فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَتَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ'' کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ یعنی طلوع اور غروب کے وقت سورج کی طرف پشت اور کرۂ ارض کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ سورج کی ٹکیہ اس کے سینگوں کے بیچ میں آ جائے۔ سورج کے پجاری جب ''سن گاڈ'' سے منتیں مانتے اور مرادیں مانگتے ہیں تو شیطان کو دل بہلانے کا موقع مل جاتا ہے کہ چلو مجھے کچھ وہمیوں نے بڑا مان لیا، کہ بلاواسطہ نہ سہی تو بالواسطہ میری عبادت کر رہے ہیں۔ اگرچہ شیطان کی بلاواسطہ عبادت کرنے والے بھی اس فتنہ زدہ دور میں کم نہیں، زمانہ قدیم کے جاہلی دور سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ اس کو یہ عاجز انشاء اللہ ایک مستقل مضمون میں بیان کرے گا، لیکن شیطان جیسے خود فریب کی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے بالواسطہ عبادت ہی کافی ہے۔ جو وہ اپنے سینگوں کے درمیان سورج پھنسا کر کروالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''سینگ'' شیطان کی مخصوص علامت اور پہچان ہے۔ یہ سینگ بکرے کے ہوں یا بیل کے، بہرصورت علامتی تشبیہ کے طور پر ایک ہی چیز کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ چیز کسی بھی طرح خیر نہیں، ''شرِ کثیر'' سے عبارت ہے۔

اب ذرا دجل کی انتہا ملاحظہ کیجیے۔ خبیث شیاطین اور کریہہ المنظر جنات کے دو سینگ جہالت اور نفرت کی علامت تھے، لیکن شیطان سے حرام طاقت اور ناجائز مدد حاصل کرنے کے خواہش مند طاغوت کے پجاریوں نے اسے کامیابی اور شہرت کا ٹوٹکا بنا دیا ہے۔ کبھی آپ کسی فوڈ ریسٹورنٹ پر جائیں تو دائیں بائیں غور سے نظر ڈالیے گا۔ سائن بورڈ پر یا اس کے قریب ہی انسانی ہاتھوں سے بنائے گئے سینگ بلاوجہ، بلاموقع اور بغیر کسی مناسبت کے منہ چڑاتے نظر آئیں گے۔ اگر ایسا ہو تو ریسٹورنٹ کے مالک کو کم از کم ایک مرتبہ سمجھانے کی

کوشش کیجیے کہ اللہ خیر الرازقین کا پاک نام اور خانہ کعبہ، روضۂ اطہر یا مسجد اقصیٰ کی مقدس شبیہ کو چھوڑ کر تم نے یہ کس کی نمائندہ شبیہ یہاں ٹانگ لی ہے؟ کم از کم ایک مرتبہ سمجھانا تو آپ پر فرض ہے۔ اس کے بعد بھی جب تک اسے بات سمجھ نہ آئے، سمجھانے کی کوشش کرتے رہنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ و رسول سے محبت کی علامت اور شیطان لعین اور دجال کے پیروکاروں سے نفرت کی علامت ہے۔ یاد رکھیے! اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت ایسی چیز ہے جو اس دن عرش کا سایہ نصیب کروادے گی جس دن عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اور ابن آدم اس دن سے زیادہ سائے کا محتاج کبھی نہ ہوا ہوگا۔

شطرنج کی بساط

آٹھویں علامت - ڈبل اسکوائر:

آج کل اصلی اور مصنوعی ہر طرح کی ٹائلوں کا بہت رواج ہوگیا ہے۔ رنگا رنگ قدرتی پتھروں کے ساتھ طرح طرح کی رنگ برنگی مصنوعی ٹائلوں کی بیسیوں اقسام بھی "زُخْرُفَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا" (دنیا کی بناوٹی زیب و زینت) کی عکاسی کرتی ہیں۔ مسلم اُمہ کے سرمایہ دار اصحابِ خیر کی دولت کا بہت سا حصہ بیت الخلاؤں کی آرائش و تزئین یا دوسرے لفظوں میں خبیث جنات کے مسکن کو سجانے سنوارنے پر خرچ ہو رہا ہے۔ کمروں کی دیواریں اور صحن کا فرش تو رہنے دیجیے، بیت الخلا اور غسل خانے جس شان سے سنوارے جا رہے ہیں، اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں فکر و غم سے آزاد اور اضافی اموال کو خرچ کرنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ اور تیار اگر کوئی ہے تو بس اہل اسلام ہیں جنہیں نہ کسی دشمن کی دشمنی کا سامنا ہے اور نہ حال یا مستقبل میں انہیں کسی قسم کا چیلنج درپیش ہے۔ غور فرمایئے! فتنے میں مبتلا ہونے کی اس سے زیادہ افسوسناک اور قابل رحم صورت اور کوئی ہوگی......؟

آج کل تو متنوع اقسام و انواع کے قدرتی پتھروں اور مصنوعی مواد کی بنی ہوئی اتنی ٹائلیں وجود میں آگئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے، لیکن ایک زمانہ تھا کہ ایک خاص طرح کی دو رنگی ٹائلیں بہت مقبول تھیں۔ جی ہاں! صرف دو رنگی۔ یعنی سیاہ اور سفید خانوں پر مشتمل۔ آج سے تیس چالیس سال قبل فرش کی تزئین کا یہ انداز بہت مقبول تھا۔ اب یہ پٹرول پمپوں اور فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹس کی پیشانی سے لے کر گاڑیوں کے مڈگارڈ اور بونٹ تک میں رنگ اور شکل بدل کر نظر آتا ہے۔ کچھ عرصے بعد شاید اصل رنگ (کالے اور سفید چوکور خانے) میں دوبارہ آجائے گا۔ ٹوپیوں اور ٹی شرٹوں اور شاپرز میں بھی نمودار ہونا شروع ہوگیا ہے۔

فی الحال یہ کم یا متروک ہوگیا ہے۔ اب سیاہ اور سفید کی جگہ سرخ اور سفید یا نیلے اور سفید چوکور خانے تزئین کے لیے استعمال ہوتے ہیں، لیکن دنیا میں دو قسم کی جگہیں ایسی ہیں جہاں اسی خانے دار ڈیزائننگ کا چلن ہے اور وہاں اب تک شطرنج کے بساط جیسے دو رنگے چوکور خانوں کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ ایک تو شیطان کی عبادت گاہیں اور دوسری شیطان کے چیلوں کی اجتماع گاہیں یعنی فری میسن لاجز۔ ان دونوں جگہوں میں دو قسم کے رنگوں پر مشتمل فرش کے ساتھ دوستون بھی لازماً دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم فرش پر بچھے ان دو رنگوں اور فرش پر سامنے کھڑے ان دو ستونوں کی غرض و غایت سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ یہاں ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلتے ہیں کہ مذکورہ بالا دو جگہوں کے علاوہ بعض امریکی سرکاری اداروں کے فرش پر بھی یہی "سادہ ڈیزائننگ" پر مشتمل نشان موجود ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس کے جواب کی تلاش آپ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

دنیا میں ازل سے خیر وشر، حق و باطل اور نور و ظلمت یعنی ہدایت و ضلالت میں جنگ چلی آرہی ہے۔ ہدایت کی دعوت دینے والے نیک بخت لوگ جتنے نیک اعمال کرتے اور ان کی ترغیب دیتے ہیں، دنیا میں اتنا ہی اللہ کی رحمت برستی ہے۔ خیر و برکت بڑھتی ہے۔ جتنا اللہ کا نام لیا جاتا ہے، کائنات میں بھی اور انسان کے دل میں بھی نور اور روشنی (انرجی) میں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے، گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، شیطان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے، اتنا ہی خیر و برکت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے دوری ہوتی ہے۔ شیطان کا ابن آدم سے انتقام پورا ہوتا ہے۔ زمین پر شر و ظلمت پھیلتی ہے۔ انسان کے اندر سے ہدایت کا نور کم ہوتا اور اس کی روحانی طاقت کمزور ہوتی ہے۔ پھر جو آدمی اپنے نیک اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب ہوتا ہے، اتنا اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔ زندگی کے کٹھن مراحل میں اس کی غیبی نصرت ہوتی ہے۔ اس کے دل پر سکینہ واطمینان نازل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرامت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے

برعکس جو شخص شیطان کی پوجا کر کے اس کے قریب ہونا چاہتا ہے، جادو یا سفلی عملیات سے شیطان کی خوشنودی، فانی اور باطل طاقت سے مدد لینا چاہتا ہے تو شیطان اپنی محدود طاقت اور قیامت تک ملنے والی محدود مہلت کے بل بوتے پر اس کی حرام خواہشات کی تکمیل اور ناجائز مقاصد میں ایک حد تک (یعنی جتنی قادر مطلق نے اسے چھوٹ دی ہے) مدد کرتا ہے۔ ایسے شخص کے ہاتھ پر غیر معمولی شعبدے بھی کبھی ظاہر کرواتا ہے۔ اسے ''استدراج'' (مہلت اور ڈھیل) کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی مدد حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ ترین روحانی اقدار اپنانی پڑتی ہیں۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت اور خیر خواہی کرنی پڑتی ہے، جبکہ شیطان کی مدد حاصل کرنے کے لیے نفس پرستی پر مشتمل حیوانی کام کرنے پڑتے ہیں۔ سنگدلی اور خود غرضی پر مبنی شر اور فساد پر مشتمل کرتوت دکھانے پڑتے ہیں۔ ''کالی ماتا'' یا ''لونا چماری'' کے قدموں میں بے گناہ انسانی خون کی بھینٹ چڑھانی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر شیطان کسی کو اپنا چیلہ بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنا ولی بناتے ہیں تو اسے اپنی رحمت سے کبھی مایوس نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا، وفادار اور مروت و لحاظ رکھنے والا کون ہوگا؟ لیکن شیطان جب کسی کو چیلہ بنا لیتا ہے تو اس سے کبھی وفا نہیں کرتا۔ وہ اس سے مزید گندی حرکتیں کروانے کے لیے اس کی مدد روک دیتا ہے یا اگلے درجے میں ترقی پانے کے لیے اسے مزید گندی حرکتوں پر اکساتا ہے۔ اور پھر لذت، شہوت اور حیوانیت کا عادی یہ بدنصیب شخص اپنا مقام پھر سے حاصل کرنے کے لیے نئی نئی سفلی تدبیریں اور حرام ٹونے ٹوٹکے کرتا ہے۔ ان میں سے بہت سی رسومات سیاہ اور سفید خانے دار فرش پر کی جاتی ہیں۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ ان سفلی حرکتوں میں انسانیت اور اخلاق سے عاری ہو کر ہر ایسا کام کیا جاتا ہے جو شیطان کو خوش اور متوجہ کرے۔ ننگے مرد و زن کا رقص، تیز موسیقی کی شہوت انگیز دھن، گھپ اندھیرے میں شیطانی حرکتیں، بدکاری، نجاست کی حالت میں کالے کرتوت اور سب سے زیادہ خطرناک یہ کہ سب سے قیمتی انسانی جانوں کی بھینٹ ...... یہ آخری عمل سب سے زیادہ

خطرناک، شیطان کو سب سے زیادہ خوش کرنے والا اور شیطان کے چیلوں کو سب سے زیادہ شیطانی قوت فراہم کرنے والا ہے۔ پاکستان میں یہ عمل بلوچستان میں ہنگلاج کے پہاڑوں میں قائم استھانوں میں ہوتا ہے اور مغرب میں شیطان کی عبادت گاہوں میں۔ فرق یہ ہے کہ پاکستان و ہندوستان اور بنگلہ دیش میں حقیقی انسان کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے جبکہ مغرب میں قوانین کی سختی کے باعث ''ڈمی'' سے کام لیا جاتا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب، یہ عمل سیاہ اور سفید خانوں والے فرش پر ہوتا ہے۔ اس کو ''ڈبل اسکوائر'' کہتے ہیں یعنی ''دہرا مربع''۔ ایک مربع کے اوپر دوسرا مربع۔ خفیہ دجالی سوسائٹی کی زبان میں پہلے مربعے سے روشنی اور دوسرے سے اندھیرا مراد ہے۔ ایک مربع کا مطلب ہے کہ اس چیز کا مکمل احاطہ کر کے اس پر قابو پالینا جو ٹھیک اور جائز ہے۔ ایک مربع پر دوسرے مربع کا ہونا اس بات کی عکاسی ہے کہ ان سب پر کنٹرول حاصل کرنا جو ٹھیک ہے اور جو غلط ہے۔ وہ سب کچھ جو جائز ہے اور جو ناجائز ہے۔ وہ سب کچھ جو مثبت ہے اور جو منفی ہے۔ بہ الفاظ دیگر خیر اور شر، بدی اور نیکی، دونوں چیزوں پر کنٹرول کا دعویٰ جو ظاہر ہے۔ میں خدائی کے جھوٹے دعوے کے مترادف ہے۔ انگریزی زبان کی دو اصطلاحات "Fair and Square" اور "Square Deal" اسی مفہوم سے اخذ کرتے ہوئے مرتب کی گئی ہیں۔ برطانوی پارلیمنٹ کی لابی کے عین وسط میں ''ڈبل اسکوائر'' کا مخصوص نشان ہے اور اس کے اردگرد دنیا بھر کی پولیس فورسز کے بیجز اس نشان کے گرد ثبت ہیں۔ یہ ڈیزائن اتفاقیہ نہیں، اسی مفہوم کے پیش نظر ہے کہ دنیا میں ہر چیز پر ہمارا کنٹرول ہے۔ جو ٹھیک ہے اس پر بھی اور جو غلط ہے اس پر بھی۔ ان دو مربعوں کے سامنے دو ستون بھی ہوتے ہیں۔ یہ بھی اسی مفہوم و مطلب کی علامتی عکاسی ہے۔ یعنی جو چیز فرش پر پڑی ہے وہی چیز سامنے کھڑی ہے۔ روشنی اور اندھیرا۔ نیکی اور بدی۔ خوبی اور خامی اور پھر ان دونوں پر مکمل کنٹرول کا جھوٹا دعویٰ۔ پھر جھوٹی طاقت حاصل کرنے کے لیے ناجائز کام حتی کہ بے گناہ انسانی خون کی بھینٹ۔ روشنی یعنی سفید مربع سے خیر اور اندھیرے یعنی سیاہ مربع سے شر مراد ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ

کیوں ہیں؟ اندھیرے کے پجاریوں کا روشنیوں کی کرنوں سے کیا تعلق؟ اس کے لیے پراسرار دنیا کی خفیہ زبان سے استفادہ کرنا ہوگا۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ آج کل کی مہذب مغربی دنیا میں کسی انسان کو شیطان کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے جیسی خوفناک جاہلانہ حرکت کہاں اور کیونکر ہوتی ہوگی؟ یہ عاجز ان شاء اللہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں ان جگہوں کی نشان دہی کے علاوہ دنیا میں سب سے بڑی شیطانی قربان گاہ کا تذکرہ بھی ہوگا جو امریکی ریاست ''کیلی فورنیا'' کے شہر سان فرانسسکو میں ایک جنگل میں جھیل کے قریب قائم ہے۔ یہ البتہ ضرور ہے کہ قانون کی گرفت اور میڈیا کی نظر میں آنے سے بچنے کی جدوجہد میں اسے اگر اصل انسانی جسم نہ ملے تو پتلے سے بھی کام چلا لیا جاتا ہے۔ اس پر قرائن وشواہد کے ساتھ گفتگو ان شاء اللہ ''بوہیمین گرووُ'' والے مضمون میں ہوگی۔ اب ہم قربان گاہ کے فرش کے مخصوص رنگ کی حقیقت، پس منظر اور مخصوص فلسفہ کی وضاحت کی طرف واپس آتے ہیں۔

اس طرح کے گندے اعمال کی طاقت بڑھانے میں دیگر ناجائز مؤثر عناصر مثلاً: جنابت کی حالت میں ہونا، شراب اور دوسری گندی چیزوں کے حرام نشے میں ہونا، حرام جانوروں یا ذبح شدہ انسان کے خون سے چھینٹے دینا وغیرہ وغیرہ...... اس طرح کا ایک مؤثر عنصر یہ خانے دار فرش بھی ہے جس کا علامتی مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ گندے کام کرنے والے بزعم خود خدا اور اس کے نور سے دور ہوکر شیطان اور اس کی تاریکی سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کے مطابق شیطان لعین دراصل جنت سے نکالی گئی طاقتور روح (فرشتہ) ہے اور (معاذ اللہ) اللہ رب العالمین، ارحم الراحمین نے اسے جنت سے نکال کر اس کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔ اب وہ اپنی غیر معمولی طاقت کو استعمال کر کے اس ناانصافی کا بدلہ لینا چاہتا ہے اور ہم اس کی طاقت سے استفادہ کر کے اپنی تقدیر سے ناگوار چیزیں ختم کر کے اپنی مرضی کی زندگی بنانا اور من چاہی خواہشات پوری کرنا چاہتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ہے وہ دھوکا جس میں ''شیطان کے پجاری'' اپنی کم عقلی اور بدنصیبی کی

وجہ سے گرفتار ہیں۔ اس دشمن کو دوست سمجھتے ہیں جو دو منہ والے کڑیالے سانپ کی طرح ہے۔ ایک سے پچکارتا ہے تو دوسرے سے ڈستا ہے۔ شیطان کو انسانی دنیا میں دخل اندازی کا محدود اختیار ہے۔ یہ اختیار اس وقت کسی قدر وسیع ہو جاتا ہے جب شیطان کے چیلے مخصوص جادوئی یا شیطانی رسوم ادا کرتے ہیں۔ ان رسومات کے لیے مخصوص وقت، مخصوص ماحول اور مخصوص کیفیات کی طرح مخصوص جگہ بھی چاہیے۔ چوکور خانے دار فرش انہی مخصوص جگہوں میں سے ایک جگہ ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چوکور خانے دار مخصوص جگہ فری میسن لاجوں اور علم ''کبالا'' کے ماہر یہودی ملحدوں کی زیرنگرانی چلنے والے جادوگھروں کی طرح ''وائٹ ہاؤس'' میں بھی پایا جاتا ہے۔ آپ حیران نہ ہوئیے! وہائٹ ہاؤس کی طرح کیمپ ڈیوڈ میں بھی جادوئی حصار باندھ کر انسانی ذہنوں کو مسخر کرنے والے جادو اور ہپناٹزم کے ماہرین اس طرح کے فرش کو اپنے خفیہ جادوئی ٹوٹکوں کی کامیابی کے لیے روبہ عمل لائی جانے والی ''سرّی روایات'' کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔ انور سادات، یاسر عرفات اور پرویز مشرف جیسے حکمرانوں کا استقبال کیمپ ڈیوڈ میں اسی ذہنی دباؤ کی سوغات کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کے متعلق ہمارے ماہرین کا کہنا ہے کہ وہاں آکسیجن کی کمی سے ہونے والے ذہنی دباؤ کے تحت ایسے فیصلے کرتے ہیں۔ الغرض اس نشان اور اس طرح کی دیگر علامات کے اندر ناپاک جادوئی اثرات ہیں۔ جن سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کی پناہ میں آنے، معوذتین پڑھ کر خود پر دم کرتے رہنے، تعوذ کے کلمات پر مشتمل مسنون دُعاؤں کا ورد کرنے اور گناہوں سے بچتے ہوئے، اپنے گرد مسنون اعمال کا حصار قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

بھڑکتے شعلے اور پُراسرار ہندسے

نویں علامت - آگ اور شعلے:

شیطان اور تمام جنات آگ سے بنے ہیں۔ آگ کی فطرت میں بھڑکنا، تعلّی، لمعانا، برتری ظاہر کرنا اور اپنا آپ منوانا ہے۔ شیطان انسان کا ایسا دشمن ہے کہ اس کی طرف جو چیزیں بھی منسوب ہیں، اس نے انسان کو گمراہ کر کے تقریباً ان تمام چیزوں کی پرستش کروائی ہے۔ دنیا میں بہت سے فرقے آگ، سانپ، اژدھا، بیل، اُلو وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں ورنہ کم از کم ان حقیر وخسیس اور فانی و عاجز چیزوں کو مقدس یا عظمت کے قابل جانتے ہیں۔ مجوسی ہزاروں سال سے اس آگ کی پرستش کرتے آئے ہیں جس کو وہ اپنے ہاتھوں جلایا کرتے تھے اور پھر اسے بجھنے سے محفوظ رکھنے کے لیے جتن کیا کرتے تھے۔ ہندوستان اور افریقہ کے بہت سے قبائل سانپ یا اژدھے کو طاقت وقوت کا منبع اور دیوتاؤں کا اوتار قسم کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ شیطان کی طرف سے انسان کو گمراہ کرنے اور اسے بہکا کر دھوکا دینے کے بعد اس پر ہنسنے کا سلسلہ زمانۂ قدیم کے تاریک دور پر ختم نہیں ہوا، آج کی متمدن اور ترقی یافتہ سمجھی جانے والی دنیا میں بھی شیطان سے منسوب علامتوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے اور اس طرح شیطان کی تعظیم کر کے اس سے اپنی خواہشات کے حصول میں مدد مانگی جاتی ہے۔ فلم انڈسٹری اور پاپ میوزک کی کالی دنیا میں تو خصوصیت سے اداکاروں اور گلوکاروں کے منہ سے شیطان کی پوجا یا اس کی تعظیم پر مشتمل گانے کے بول یا مکالمے کہلوائے جاتے ہیں۔ یہ بول آہستہ آہستہ زبان زد عام ہو جاتے ہیں۔ شائقین اور ناظرین تفریح تفریح میں وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جس سے شیطان اور شیطانی قوتوں کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں شیطانی علامات بھی مختلف انداز سے رنگ اور ہیئت بدل بدل کر پیش کی جاتی ہیں۔ ان

میں اکلوتی آنکھ اور تکون کے علاوہ آگ کی کارفرمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ آج کے دور میں انسان کی بدنصیبی ہے کہ کچھ لوگ اس علامت کو اتنا پھیلانا چاہتے ہیں کہ ''آگ'' چینل میں ہی نہیں، بہت سے دیگر مناظر بلکہ گانے اور فلموں کی کیسٹوں، سی ڈیز کے ٹائٹل میں کسی نہ کسی شکل میں آگ جلتی ہوئی یا اس کی لپٹیں بھڑکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ صرف انسان کی سفلی حیوانی خواہشات کو بھڑکتا ہوا دکھانے کا استعارہ نہیں، بلکہ شیطان کے مرکزی مادۂ تخلیق کو انسان کے لیے معظم ومکرم بنا کر دکھانے کی علامتی کوشش ہے۔ اس کوشش کے نتائج سے آخری فائدہ بدی کی طاقتوں کا منبع ومحور ''دجال اکبر'' اٹھائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور کے والدین پاپ میوزک سنتے اور فلمیں دیکھتے وقت یا اپنے بچوں کو اس کی اجازت دیتے وقت صرف عملی گناہ ہی نہیں کر رہے، عقیدے سے انحراف اور شیطان کے پجاریوں کے آلہ کار بھی بن رہے ہوتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل ہم اللہ کی مدد سے ''دجال II'' میں بیان کر چکے ہیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے جدید تہذیب میں فیشن سمجھی جانے والی یہ چیزیں صرف فسق وفجور ہی نہیں، شرک وشیطان پرستی کی تعلیم بھی دے رہی ہیں۔ متمدن دنیا کی ان روشنیوں میں قدیم جاہلیت کی خوفناک تاریکیاں چھپی ہوئی ہیں۔ صرف انداز بدل گیا ہے، شیطان کی انسان دشمن اصلیت اور اس کی شرکیہ مہم نہیں بدلی۔ وہ آج بھی آدم کے بیٹوں سے انتقام لینے کے لیے انہیں خلافِ شرع چیزوں میں لگا کر اپنی جھوٹی انا کی تسکین کر رہا ہے۔ اس فتنہ زدہ دور میں تو شریعت کے خلاف جو بھی چیز ہو، اس سے سخت احتیاط کرنے اور اللہ کی پناہ میں آنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً مغربی تہذیب جو جاہلیت جدیدہ کی بودی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ مغربی موسیقی، مغربی فنون لطیفہ، آرٹ، ادب، کلچر وغیرہ مغربی فلمی دنیا کی بے ہودہ روایات اور نت نئی شیطانی ایجادات تو ہیں ہی سراپا فتنہ۔ فتنوں کے اس دور میں اور گناہوں سے بھری اس دنیا میں، انسانوں کو اللہ کی رحمت کے نور کی ضرورت ہے نہ کہ آگ کی لپٹوں کی۔ وہی آگ جس کے بارے میں حکم ہے جس چیز کو چھوتی ہو اسے قبر میں نہ لگایا جائے تاکہ جنت کے باغ میں جہنم کی تختی نہ

آئے۔ اس آگ سے اور نفسانیت اور شہوانیت کی اس علامت سے ہمیں دور رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی رحمت اس کی یاد سے، اس کا دھیان جمانے سے اور اس کی طرف دل کی توجہ جمانے سے اُترتی ہے۔ جو لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں ان پر تو اس رحمت کی برسات اُترتی ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں سے جڑنا چاہیے۔ ان کی صحبت کی برکت سے استفادہ کرنا چاہیے۔

شیطانی ہندسے

دسویں علامت۔ پراسرار ہندسے:

ماہرین لسانیات کے مطابق ایک ہی زبان کو لکھنے کے ایک سے زیادہ رسم الخط ہو سکتے ہیں۔ نیز ایک ہی زبان کو حروف اور ہندسوں دونوں کی مدد سے لکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے کہ ہر حرف کی کوئی قیمت مقرر کر لی جائے جو ظاہر ہے ہندسے کی شکل میں ہوگی۔ مثلاً: عربی زبان کو لے لیجیے۔ اس کے ہر حرف کے لیے آپ اگر کوئی ہندسہ مقرر کر لیں تو حروف کے بجائے ہندسوں کے ذریعے مافی الضمیر کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: عربی کے 29 حروفِ تہجی ہیں۔ اگر پہلے نو حروف کے لیے اکائی کے ہندسے، اگلے نو حروف کے لیے دہائی کے ہندسے اور اس کے بعد والے حروف کے لیے سیکڑے کے ہندسے مقرر کر لیے جائیں تو جو بات الف، ب، ج...... حروف کے ذریعے کی جا رہی تھی وہی 1، 2، 3...... ہندسوں کے ذریعے بھی بولی یا لکھی جا سکتی ہے۔ اس کو "ابجد کا نظام" کہتے ہیں۔ یعنی حروف کے بجائے ہندسوں میں لکھنا۔ ایک آیت یا جملے میں اگر دس حروف استعمال ہوتے ہیں، ان حروف کے قائم مقام دس ہندسوں کو اگر ترتیب دے کر جمع کر لیا جائے تو جو حاصل آئے گا، وہ ایک طرح کا کوڈ ہوگا جس میں ان حروف کی تاثیر جمع ہوگی جنہیں مختصر کرنے کے لیے اعداد کی شکل میں لکھ لیا گیا تھا۔ صحیح العقیدہ اور متبع شریعت عامل حضرات جو تعویذ لکھتے ہیں، اس میں مختلف خانوں میں لکھے ہوئے اعداد مختلف کلمات کے حروف کا متبادل ہوتے ہیں۔ یہ کلمات اگر صحیح المعنی ہیں یا کسی آیت یا دُعا کا مخفف ہیں تو یہ تعویذ انہی اثرات کا حامل ہوتا ہے جو اثرات ان اصل کلمات یا دُعاؤں میں پائے جاتے تھے۔ تعویذ چونکہ بار بار لکھنے ہوتے ہیں، اس لیے طوالت سے بچنے کے لیے یہ مختصر طریق کار اپنا لیا جاتا ہے۔ یہ تو ہوا رحمانی عملیات کا طریق

کار۔اس کے برعکس شیطانی یا سفلی کام کرنے والے جواعداد استعمال کرتے ہیں ان کے
پشت وہ گندے جادوئی جنتر منتر ہوتے ہیں، جن میں شیطان یا بد روحوں یا دیوی دیوتاؤں
سے مدد مانگی جاتی ہے۔ یہ کفروشرک کا وہ گورکھ دھندا ہے جس میں اس کائنات کی ان مافوق
الطبعی سفلی طاقتوں سے ناجائز مقاصد میں تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جنہیں
اللہ تعالیٰ نے اپنی پوشیدہ حکمت کے تحت انسانی دنیا میں کسی حد تک مداخلت کی چھوٹ دے رکھی
ہے۔ پھر جس طرح رحمانی عملیات میں مشہور متبرک کلمات کے اعداد مشہور ہو گئے ہیں۔ مثلاً:
بسم اللہ شریف کے اعداد ''یا اللہ'' اور ''محمد'' کے پاک ناموں کے اعداد، اسی طرح سفلی عملیات
میں کچھ اعداد مشہور ہیں۔ مختلف شرکیہ کلمات کے تناظر میں ترتیب دیے گئے یہ اعداد مختلف
شیطانی اور جادوئی اثرات رکھتے ہیں۔ آج ہم اس طرح کے چند ابلیسی ہندسوں کا تذکرہ کریں
گے جسے شیطان کے پجاری چپکے چپکے مذموم مقاصد کے تحت پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

پہلا شیطانی ہندسہ-666:

ان اعداد میں سب سے مشہور شیطانی عدد چھ سو چھیاسٹھ (666) ہے۔ اس کا پس منظر
اور ابلیس کے ساتھ اس کے تعلق کو بیان کرنے کے لیے ہم کوشش کریں گے کہ قدیم ترین
مذہبی حوالوں کے ساتھ جدید مغربی مصنفین کی تحریرات سے بھی اقتباسات پیش کریں تاکہ
بات کو استناد میں گوندھ کر توثیق سے منتھی کر کے آگے بڑھایا جاسکے۔ تو آیئے! سب سے
پہلے انجیل کا ایک حوالہ دیکھتے ہیں۔ پھر اس میں موجود چند اہم اشاروں کا مطلب اور ان کی
تطبیق وتشریح سمجھنے کی کوشش کریں گے، جن سے تاریخ اور عصری اکتشافات آہستہ آہستہ
پردہ اُٹھا رہے ہیں اور جن کی طرف یہ عاجز اپنے کالموں میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہے۔
انجیل کی آخری کتاب ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' میں درج ہے:

''پھر میں نے ایک اور حیوان کو زمین میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ''برّہ'' کے
سے دو سینگ تھے اور اژدھا کی طرح بولتا تھا۔ یہ پہلے حیوان کا سارا اختیار اس کے سامنے
کام میں لاتا تھا اور زمین اور اس کے رہنے والوں سے اس پہلے حیوان کی پرستش کراتا تھا،

جس کا زخم کاری اچھا ہو گیا تھا۔ اور وہ بڑے بڑے نشان دکھاتا تھا۔ یہاں تک کہ آدمیوں کے سامنے آسمان سے زمین پر آگ نازل کر دیتا تھا۔ زمین کے رہنے والوں کو ان نشانوں کے سبب سے جن کے اس حیوان کے سامنے دکھانے کا اس کو اختیار دیا گیا تھا، اس طرح گمراہ کر دیتا تھا کہ زمین کے رہنے والوں سے کہتا تھا جس حیوان کے تلوار لگی تھی اور وہ زندہ ہو گیا اس کا بت بناؤ۔ اور اسے اس حیوان کے بت میں روح پھونکنے کا اختیار دیا گیا تا کہ وہ حیوان کا بت بولے بھی اور جتنے لوگ اس حیوان کے بت کی پرستش نہ کریں، ان کو قتل بھی کرائے۔ اور اس نے سب چھوٹے بڑوں، دولت مندوں، غریبوں، آزادوں اور غلاموں کے داہنے ہاتھ یا ان کے ماتھے پر ایک ایک چھاپ کرا دی۔ تا کہ اس کے سوا جس پر نشان یعنی اس حیوان کا نام یا اس کے نام کا عدد ہو اور کوئی خرید و فروخت نہ کر سکے۔ حکمت کا یہ موقع ہے۔ جو سمجھ رکھتا ہے وہ اس حیوان کا عدد گن لے کیونکہ وہ آدمی کا عدد ہے اور اس کا عدد چھ سو چھیاسٹھ ہے۔''

[مکاشفہ: باب 13، آیت نمبر 11 سے 18]

اس عبارت میں دو حیوانوں کا ذکر ہے۔ ''پہلے حیوان'' کا تذکرہ ہم پہلی علامت ''تاج پوش شبیہ'' کے ضمن میں کر چکے ہیں کہ اس سے مراد دجال ہے۔ دوسرے حیوان سے کون مراد ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔ اس کا جواب اگر ہم مسیحی شارحین کے ہاں تلاش کریں تو وہ زبردست کنفیوژن کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ 1957ء کا چھپا ہوا انجیل کا جو نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کے حاشیے میں ہمیں درج بالا دو حیوانوں کے متعلق یہ تشریحات لکھی ہوئی ملتی ہیں:

O...... ''یہ حیوان بے ایمانوں کا لشکر ہے جو شروع سے دنیا کے آخر تک خدا کے بندوں کو ستاتے ہیں۔ سات سو سات بادشاہ یعنی سات زور آور بادشاہتیں ہیں۔ ساتویں بادشاہت ''گناہ کے اس شخص'' کے ساتھ دنیا کے آخر میں ظاہر ہو گی۔''

O...... ''یہ دوسرا حیوان بت پرست، کاہن اور جادوگر لوگ ہیں، کیونکہ وہ بت پرستی کو تھامتے اور بادشاہوں کو بہکاتے تھے۔''

O...... ''وہ حیوان یا بت پرست روح ہے جو سات پہاڑوں پر بستا تھا یا شیطان کا اختیار

ہے جو مسیح کے دنیا میں آنے سے پہلے نہایت بڑا تھا، لیکن مسیح کے ظاہر ہونے کے بعد کم ہوا، مگر دنیا کے آخر میں جب وہ ''گناہ کا شخص'' آئے گا شیطان پھر ساری طاقت سے اُٹھے گا۔''

ان عبارات میں ''گناہ کے شخص'' سے ''دجال اکبر'' مراد ہے۔ اسے مذکورہ بالا آیات سے قبل کی آیات اور بعد کی آیات میں پہلا حیوان کہا گیا ہے۔ دوسرے حیوان سے جو اس پہلے حیوان یعنی ''المسیح الدجال'' کی مدد کرے گا، وہ طاقت مراد ہے جو دجالی تہذیب کی علمبردار ہوگی۔ اس کے ہراول دستہ کے طور پر کام کرے گی، اس کے نکلنے سے پہلے اس کے لیے راہ ہموار کرے گی اور اس کے نکلنے کے بعد اس کی بنیادی طاقت اور دست و بازو ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ قوم یہود کی تشکیل کردہ ''صہیونی طاقت'' ہے جس کا مرکز امریکا، برطانیہ اور اسرائیل کی تکون میں ہے۔ مسیحی شارحین وحی کے سچے علم سے محرومی کے سبب اپنی مسیحی برادری کو انجیل کی ہدایات اس تفصیل و تشریح سے نہیں پہنچا سکے جیسا کہ اہلِ اسلام کے علمائے کرام نے فریضہ انجام دیا ہے اور دیتے چلے آئے ہیں۔ حیوان سے ''بت پرست روما'' ہرگز مراد نہیں، روم والے انجیل کے نزول کے وقت بت پرست تھے مگر اب تو وہ عیسائی ہو چکے ہیں، لہٰذا اس سے لازمی طور پر شیطانی قوتیں مراد ہیں جو دجال کی مدد کریں گی۔ ان کی مدد سے جب دجال دنیا کے وسائل پر اختیار حاصل کرے گا تو وہ ہر فرد کو اور دولت کی ہر اکائی کو اپنے تسلط اور نگرانی میں رکھنے کے لیے جو دو کام کرے گا، ان کی طرف انجیل کی ان آیات میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ انجیل کے مطابق ان میں سے پہلی چیز ہے، ہر شخص کے داہنے ہاتھ یا ماتھے پر چھاپ اور دوسری وہ نشان یعنی اس حیوان کا نام یا اس کے نام کا عدد کہ جس کے بغیر دنیا میں کوئی لین دین نہ ہو سکے گا۔ اگر آج کی دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ان دو چیزوں میں سے پہلی چیز کا مطلب وہ ''ڈیوائس'' ہے جو ہر شخص کے جسم میں کہیں لگی ہوگی یا شناختی کارڈ میں چسپاں ہوگی۔ اس کا رابطہ سیٹلائٹ سے ہوگا اور کوئی بھی شخص دنیا کے سات براعظموں میں جہاں بھی ہوگا، وہ ''خفیہ آنکھ'' کی نظر اور نگرانی میں ہوگا۔ دوسری چیز وہ ''چپ'' ہے جو کریڈٹ کارڈ یا الیکٹرونک منی کی کسی ترقی یافتہ شکل میں نصب ہوگی اور پوری دنیا میں اس کے بغیر لین دین نہ ہو سکے گا اور اس کے ذریعے وہی لین دین کر سکے گا جو اس

شیطانی حیوان یعنی دجال اعظم اور اس کے یہودی ہرکاروں کی نظر میں ''شفاف'' ہوگا۔ یہ فقط ہمارا تجزیہ نہیں، مغرب کے کچھ بیدار مغز قلم کار بھی یہی کچھ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر جان کولمین مشہور محقق مصنف ہیں، ان کی کئی کتابیں شہرت عام و مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''Conspirators Hierarchy'' میں مستقبل کی دنیا اور اس پر نافذ عالمی حکومت کا نقشہ کچھ اس انداز میں کھینچتے ہیں:

''ہر شخص کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا جائے گا کہ وہ (مرد یا عورت) ایک عالمی حکومت کی مخلوق ہے اور اس کے اوپر ایک شناختی نمبر لگا دیا جائے گا۔ یہ شناختی نمبر برسلز، بلجیم، کے نیٹو کمپیوٹر میں محفوظ ہوگا [جی ہاں! اسی سپر کمپیوٹر میں جہاں نادرا اور دیگر اداروں کے پاس جمع شدہ ڈیٹا محفوظ ہوتا ہے۔ راقم] اور عالمی حکومت کی کسی بھی ایجنسی کی فوری دسترس میں ہوگا۔ سی آئی اے، ایف بی آئی، ریاستی اور مقامی پولیس ایجنسیوں، آئی آر ایس، فیما، سوشل سیکیورٹی وغیرہ کی ماسٹر فائلیں وسیع کر کے ان میں لوگوں کے کوائف کا اندراج امریکا میں تمام شہریوں کے ذاتی ریکارڈ کے انداز میں کیا جائے گا۔''

''معاشی نظام، حکمران طبقے کا مرہون منت ہوگا۔ وہ صرف اتنی خوراک اور خدمات کی اجازت دے گا جس سے عوام یعنی غلاموں کی زندگی برقرار رہے۔ تمام دولت کمیٹی آف 300 (فری میسنری) کے ممتاز ارکان کے ہاتھوں میں دی جائے گی۔ ہر فرد کو ذہن نشین کرا دیا جائے گا وہ اپنی بقا کے لیے ریاست کا محتاج ہے۔''

''طبقۂ اشرافیہ کے علاوہ کسی کے ہاتھوں میں نقدی یا سکے نہیں دیے جائیں گے۔ تمام لین دین صرف اور صرف کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ہوگا۔ (اور آخر کار اسے مائیکرو چپ پلانٹیشن کے ذریعے کیا جائے گا۔) ''قانون توڑنے والوں'' کے کریڈٹ کارڈ معطل کر دیے جائیں گے۔ جب ایسے لوگ خریداری کے لیے جائیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ ان کا کارڈ ''بلیک لسٹ'' کر دیا گیا ہے۔ وہ خریداری یا خدمات حاصل نہیں کر سکیں گے۔ پرانے سکوں سے تجارت کو غیر معمولی جرم قرار دیا جائے گا اور اس کی سزا موت ہوگی۔ ایسے قانون شکن عناصر جو خود کو مخصوص مدت کے دوران پولیس کے حوالے کرنے میں ناکام رہیں، ان

کی جگہ سزائے قید بھگتنے کے لیے ان کے کسی گھر والے کو پکڑ لیا جائے گا۔''

ان تین اقتباسات میں سے پہلے اقتباس میں ''چھاپ'' کی اور دوسرے میں اس نشان یا ''عدد'' کی تشریح ہے جس کے بغیر کوئی آٹھ آنے کی مونگ پھلی یا دو روپے کی گاجریں بھی نہ خرید سکے گا۔ آپ کو اگر کہیں سے برطانیہ کا پونڈ ہاتھ لگے تو اسے اُلٹا کر کے غور کریں۔ اس پر 666 کے ہندسے کی شبیہ ملے گی جو آہستہ آہستہ مستقبل میں وضع کیے جانے والے ڈیزائن میں مزید واضح ہو جائے گی۔ مختلف ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات پر جو ''کوڈ بار'' چھپا ہوا ہوتا ہے اسے بھی توجہ سے دیکھیں۔ ''6'' کا ہندسہ تین مرتبہ تکرار کے ساتھ آپ کو دنیا کی معیشت پر دجالی تسلط کی دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی گرفت کی طرف متوجہ کر رہا ہوگا۔

دوسرا شیطانی ہندسہ:

666 کے بعد سب سے بڑا شیطانی ہندسہ 322 ہے۔ یہ عموماً جادوگروں کے مشہور ہتھیار ''کھوپڑی اور ہڈیاں'' کے ساتھ درج ہوتا ہے۔ یہودیوں کے خفیہ جادوگری علم ''کبالا'' میں اس کی خاص اہمیت ہے اور اسے انتہائی کارگر اور مؤثر اثرات کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ 666 اور 322 کے بعد شیطانی جادوئی اعداد کی فہرست میں 13 اور 33 آتے ہیں۔ ان اعداد کو بھی فری میسن کے سامراجی جادوئی ماہرین نے اپنے لیے خفیہ نشان ٹھہرایا ہے۔ قوم یہود کی سرّی جادوئی روایات اور ان اعداد کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہ تعلق امریکا کے سرکاری اداروں اور نجی کمپنیوں کے نشانات میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً: امریکی اسٹیٹ آف ڈپارٹمنٹ کے نشان میں دو چیزیں آپ کو واضح اور ممتاز نظر آئیں گی جو امریکی ڈالر کی طرح امریکی اداروں کی پہچان ہیں: عقاب اور ستارے۔ ان دونوں میں کسی نہ کسی طرح 13 کا عدد پایا جاتا ہے۔ عقاب کے دائیں پنجے میں تیر اور بائیں میں ٹہنی ہے۔ تیر 13 ہیں اور ٹہنی کے پتے بھی 13 ہیں۔ ستاروں کو گنیں تو ان کا عدد بھی 13 ہے۔ فلموں اور گانوں میں بھی دوسری دجالی علامات کے ساتھ ساتھ اس عدد کی کارفرمائی دکھائی دے ہی جاتی ہے۔ مثلاً: امریکا میں بسنے والے کچھ مسلمان محققین کے مطابق مشہور امریکی گلوکارہ میڈونا جس کو امریکی میڈیا کے نامور نام (جو ظاہر ہے کہ شیطانی صہیونی گروہ سے تعلق

رکھتے ہیں) سحر انگیز شخصیت بتاتے ہیں، اس کے گانوں کی مقبولیت میں اس کی صلاحیت اور یہودی میڈیا کی حمایت کے علاوہ ''کبالا'' کے ''سرّی علم'' کے ماہر یہودی ساحرین کا بھی خاص عمل دخل ہے۔ امریکا میں مقیم وہ مسلمان جو دجال کی شیطانی مہم سے آگاہی رکھتے ہیں، ان کے مطابق یہ عورت خود بھی شیطانی مذہب کی پیروکار ہے۔ اس کے شوہر سے جدائی کا سبب اس کا شیطانی مذہب ہی تھا اور یہ دوسروں کو بھی شیطان کی غلامی میں مبتلا کرنے کی تگ ودو میں لگی رہتی ہے۔ اس کے گانوں میں شیطان کی پوجا پاٹ ہوتی ہے اور ایک سے زیادہ ایسے شواہد اور قرائن پائے جاتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی آلہ کار یہ ساحرۂ عالم شیطان کی پوجا کی طرف سامعین اور ناظرین کو غیر محسوس طور پر مائل کر رہی ہے۔ اس کے گانوں کے لیے تیار کردہ اسٹیج کے لیے اتنے ہی قدمچے ہوتے ہیں جتنے فری میسنری کے جادوئی گھروں کی سیڑھیوں میں یعنی تیرہ عدد۔ 52 سال کی عمر میں لٹکے ہوئے بدن کی کھنچی ہوئی سرجری کرواکر شیطانی حرکتوں کو پھر سے زندہ کرنے والی یہ کم نصیب خاتون گانے میں کبھی کتا بن جاتی ہے، کبھی کوا، کبھی کالی مائی جیسی مخلوق۔ اس کے مشہور گانوں کے (Back) بیک ٹریک پر شیطان کو پکارنے کی آواز صاف سنائی دیتی ہے یعنی سامنے کے الفاظ (فارورڈ ٹریک) کچھ اور ہیں اور پیچھے گانے کے الفاظ کچھ اور ہیں جس میں شیطان کو مدد کے لیے پکارا جارہا ہوتا ہے۔ ''دجال II'' میں ''دجالی ریاست کے قیام کے لیے ذہنی تسخیر کی کوشش'' کے عنوان کے تحت اسے تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔ یہ سارا گورکھ دھندا یہودی میڈیا نے فلم اور موسیقی کی دنیا کو کنٹرول کرنے والے یہودی ماہرین کے ساتھ مل کر بنایا ہے اور ان کے پھیلائے ہوئے یہ جادوئی اور شیطانی اعداد در حقیقت خدا کے مقابلے میں شیطان کی عبادت اور اس سے استعانت کا بھونڈا استعارہ ہیں۔ چونکہ شیطان کی قوتیں فریبی اور فانی ہیں، اس کا جال مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے، اس لیے اللہ رب العزت پر کامل یقین اور اس کی مدد کو حاصل کرنے والے شرعی اعمال اس شیطانی سلسلے کے تارو پود کو یوں بکھیر ڈالتے ہیں گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

اوندھا ستارہ

گیارہویں علامت - اوندھی نوک والا ستارہ:

مضمون کے شروع میں ہم نے عرض کیا تھا کچھ علامتیں ضمنی ہیں۔ ان کو ہم آخر میں بیان کریں گے۔ ضمنی کا ایک مطلب یہ ہے اس کو شیطان کے پرستار مخصوص مطلب میں بھی استعمال کرتے ہیں اور عام استعمال بھی یکساں طور پر ہوتا ہے۔ گویا یہ آدھو آدھ کا معاملہ ہے۔ ان علامات میں سرفہرست پانچ کونوں والا اوندھا ستارہ ہے۔ یہ اگرچہ دیگر جیومیٹریکل اشکال کی طرح ایک خوبصورت اور جچتی ہوئی شکل ہے جو بے دھڑک مختلف عنوانات اور حوالوں سے استعمال ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے کہ کسی چیز کو بلا وجہ مشکوک یا متروک قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اس کی ایک خاص صورت یہ پس پردہ رہ کر ''نیو ورلڈ آرڈر'' نافذ کرنے والوں کے پراسرار جادوئی ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ ضمنی علامات میں شمار کیے جانے کی وجہ یہ ہے اس عاجز کی تحقیق کے مطابق یہ صرف اسی صورت میں شیطانی نشان قرار دیا جاتا ہے اور جادو کی رسومات میں استعمال ہوتا ہے جب یہ پنج گوشہ ستارہ ''اوندھا'' ہو۔ اوندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی پانچویں نوک بالکل نیچے کی طرف ہو۔ اس صورت میں خود بخود اس کی اوپر کی دو نوکیں بکرے کی سینگ کی شکل میں اوپر اٹھ جاتی ہیں، دو بکرے کے کان کی شکل میں دائیں بائیں مڑ جاتی ہیں اور پانچویں میں بکرے کی ٹھوڑی سما جاتی ہے۔ اس مخصوص ہیئت میں یہ شیطان کے چہرے کی شبیہ بن جاتی ہے اور شیطانی روحوں کو حاضر و غائب کرنے یا اندھیرے کی طاقتوں سے مدد لینے اور طلسماتی کاموں میں مافوق الفطرت حرام تاثیر پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ سفلی جادوگروں کی ساحری روایات کے مطابق: ''جب اس کے گرد دائرہ

کھینچا ہو تو یہ علامت عناصر اربعہ (زمین، پانی، ہوا اور آگ) کی نمائندگی کرتی ہے جن کا ایک روح (جنت سے نکالی ہوئی بدروح یعنی شیطان) احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے۔ تب یہ مضبوط علامت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کی پکڑ سے نکلنا ماہر روحانی شخصیات یعنی عملی عاملین کے علاوہ مشکل ہوتا ہے۔" شیطان کے چیلے برائی کو علامتی طور پر ظاہر کرنے اور شیطان سے مدد حاصل کرنے کے لیے اس کی ایک نوک نیچے رکھ کر استعمال کرتے ہیں، چاہے اس کے گرد دائرہ ہو یا نہ ہو، جبکہ عام لوگ جن کا اس شیطانی چکر سے واسطہ نہیں، اسے ایک نوک اوپر رکھ کر یا بغیر کسی خاص سمت میں رخ دیے، اسے استعمال کرتے ہیں، نوک یا دائرے کے فلسفے کا انہیں علم نہیں ہوتا، وہ تو محض آرائشی علامت کے طور پر اسے مختلف شکلوں میں سجاتے ہیں۔ انہیں اس میں مضمر متضاد حقیقت کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ شیطان اور اس کے چیلوں کی ذلت اور رسوائی کی انتہا ملاحظہ کیجیے کہ اہل ایمان تو اللہ کی توحید اور بڑائی ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرتے ہیں، تلواروں کے سائے تلے اور سنگینوں کی نوک پر اس کی گواہی دیتے ہیں، شیطان کے پجاری اس کے برعکس چوری چھپے، لوگوں کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر اس کی کسی علامت کو چور ضمیروں کی طرح پیچھے رہ کر پھیلاتے ہیں، ان میں اتنی سکت نہیں کہ اپنے جھوٹے معبود کا کوئی وصف اگر حقیقی ہے تو اسے حق سمجھ کر حقیقت کی طرح کھل کر بیان کر سکیں۔ ذلت بلکہ لعنت کی اس سے بدترین صورت اور کیا ہوگی جو شیطان کے پیچھے چلنے والوں کا مقدر ہے۔

■

انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

بارہویں علامت - الو کے کان:

اردو کے ایک مشہور شعر کا مصرع ہے جو کسی قوم کے اسباب زوال کی مختلف وجوہ میں سے ایک اہم وجہ بیان کرتا ہے۔ آپ نے بھی سنا ہوگا ع

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے، انجام گلستان کیا ہوگا؟

الو کو ہمارے ہاں حماقت، غباوت اور حقارت کا دوسرا نام سمجھا جاتا ہے۔ ''ہما'' نامی پرندہ کسی کے سر پر بیٹھ جائے تو اس کی خوش نصیبی کی انتہا اور الو کا کسی گھر میں بسیرا کرنا بدنصیبی کی علامت قرار دیا جاتا ہے، لیکن اہل مغرب کے پیمانے جس طرح ہم مشرق کے باسیوں سے لین دین میں مختلف ہیں، اسی طرح یہاں بھی ان کا عرف و دستور ہمارے رواج اور زبان سے الگ ہے۔ خصوصاً وہ اہل مغرب جو اسلامی دنیا کو تو قدامت پرستی کا طعنہ دیتے ہیں، لیکن خود بدترین قسم کی توہم پرستی میں مبتلا ہیں۔ الو کی خلقت چونکہ کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے دن کو کچھ نظر نہیں آتا، رات ہوتی ہے تو اندھیرا اس کے لیے روشنی کا کام کرتا ہے، اس لیے یہ دن کو ویرانوں میں بسیرا کرتا اور رات کو اپنی سرگرمیوں پہ نکلتا ہے۔ بس اسی چیز نے اسے جادوگروں اور شیطنت پرستوں کے لیے پراسرار اور منفی سرگرمیوں کے لیے کارآمد بنادیا ہے۔ اس غریب کو خبر بھی نہ ہوتی ہوگی کہ اس کے بصری عیب اور تنہائی پسندی کو فریبی اور وہمی ساحریت پرستوں نے کیسا رنگ دے دیا ہے؟ توہم پرستوں کے نزدیک اس کی مقبولیت، تاثیر اور تقدس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ وہ اسے یا اس کے مختلف اعضا کو جادوٹونے میں تاثیر کے لیے استعمال کرنے کے علاوہ اسے ماورائی طاقت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ امریکا جیسے مہذب ملک میں ان وہمی تصورات کی کارفرمائی اس

حد تک اونچی جگہ پر جب امریکہ کے ڈالر کے ایک نوٹ پر ایک چھوٹا سا الو (دیکھیں تصویر) جو کہ تہہ تک رہا ہے۔ امریکہ کے نیشنل پریس کلب کے مونوگرام میں ایک درمیانے درجے کا الو پوری شان حماقت کے ساتھ براجمان ہے، جبکہ واشنگٹن ڈی سی کی عمارت کا آرکیٹیکچر فضا سے ملاحظہ کیا جائے تو ایک دیوہیکل الو یعنی ٹھیک ٹھاک قسم کا عظیم الجثہ الو آنکھیں مٹکاتے دکھائی دیتا ہے۔ امریکا میں شیطان پرستوں کا ایک گروہ ہے جس نے اپنے کلب (بوہیمین گروو، سان فرانسسکو، کیلی فورنیا) کا تعارفی نشان ہی الو کو قرار دیا ہے۔ دنیا میں کچھ عمارتیں ایسی بن رہی ہیں جن کے بارے میں اہل نظر کی رائے ہے کہ وہ الو کے کان اور آنکھوں کی شبیہ کو مدنظر رکھ کر ڈیزائن کی گئی ہیں۔ گویا کہ الو بے چارے کے دو ہی اعضا ہمارے ہاں مضحکہ خیز اور نامبارک سمجھے جاتے تھے۔ لمبوترے کان اور ذہانت سے محروم، حماقت سے بھرپور گول مٹول آنکھیں۔ خیر سے دونوں ہی کو مغرب میں وہ قدر و منزلت ملی ہے کہ کم ہی کسی کے حصے میں آئی ہوگی۔ شیطان پرستوں اور دجل کاروں کی یہ علامت ہمارے مخصوص عرف اور رواج کی بنا پر ہمارے ہاں کم استعمال ہوتی ہے، لیکن مغرب میں اس کا استعمال بھی زوروں پر ہے۔ اس لیے ہم نے اسے ضمنی اور غیر معروف نشانیوں میں شمار کیا ہے، ورنہ تو مغرب میں الو کے پٹھے تو باقاعدہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اس پر ہم ''بوہیمین گروو'' پر لکھے گئے مضمون میں انشاءاللہ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

بین السطور سے سطور کی طرف

بارہ شیطانی علامات کا تذکرہ تو مکمل ہوا۔ دس اصلی اور دو ضمنی۔ یہ قصہ ہم نے کیوں چھیڑا اور اس ساری دردسری کا مقصد کیا ہے؟ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس شیطانی مہم کا شکار ہونے سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟ رحمان کا بندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس شیطانی قسم اور دجالی فتنے کے مقابلے کے حوالے سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں یا ہم یونہی خود کو اور انسانیت کو شیطانی مہمات کے سامنے بے دست و پا ہدف بنتا دیکھتے رہیں؟ ان سوالات کا جواب ہم ان سطور کے بین السطور میں دیتے رہے ہیں۔ اب موقع آگیا ہے کہ اس کی تفصیلی وضاحت کردینی چاہیے۔ لیکن اس سے بھی پہلے ایک اور سوال نہایت اہم اور ضروری ہے۔ اس پر حسب مقدور گفتگو کرنے کے بعد ہم ان شاء اللہ درج بالا نکات کی طرف لوٹ آئیں گے۔

ان علامات کے پھیلانے سے دجالی قوتوں کا مقصد:

قارئین کے دل میں مضمون کی ابتدا سے بلکہ عنوان پڑھ کر ہی قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوا ہوگا۔ یعنی شیطانی قوتوں کی طرف سے ان دجالی علامات کو پھیلانے کا مقصد کیا ہے؟ یہودی میڈیا اور صہیونی منصوبہ ساز اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ پس پردہ رہ کر ان مشتبہ علامتوں کو رواج دینے کی مہم سے یہ دشمن انسانیت دجالی گروہ چاہتا کیا ہے؟

شیطان کے پجاریوں اور شیطان کے سب سے بڑے ہتھیار اور شیطانی قوتوں کے سب سے بڑے حمایت یافتہ کارندے "دجال اکبر" کے چیلوں کی طرف سے ان علامات اور نشانات کو اشاروں کنایوں میں پھیلانے کے دو بڑے مقاصد ہیں۔ پہلا طبعیاتی ہے اور دوسرا ماوراء الطبعیاتی۔ ایک کا تعلق ظاہری اسباب سے ہے اور دوسرے کا باطنی تاثیرات سے۔ ہم بساط بھر کوشش کریں گے کہ دونوں کی آسان تشریح کرسکیں۔

(1) دجال کے لیے میدان ہموار کرنا:

پہلا مقصد ہے کرۂ ارضی کے باشندوں خصوصاً ترقی یافتہ مغربی ممالک اور بالخصوص مسلم ممالک میں دجال کے خروج کے لیے ذہنوں کو ہموار کرنا تاکہ جب سراپا دجل وفریب اس فتنۂ عظمٰی کا ظہور ہو تو مہذب انسانی دنیا اس غیر مہذب حیوانی شتونگڑے سے نامانوس نہ ہو، نہ اسے اجنبی یا اپنے احساس وشعور سے دور محسوس کرے۔ اس کے ساتھ مخصوص علامتیں اتنی مرتبہ ان کی نظروں سے گزری ہوں، کان میں پڑی ہوں، دل ودماغ میں جگہ بنا چکی ہوں کہ انہیں سب کچھ اپنا اپنا، دیکھا بھالا اور شعور واحساس سے قریب قریب محسوس ہو۔ خاص کر وہ علامتیں جو درحقیقت عام انسانی عقل اور عرفِ عام میں عیب سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً: اندر کو دھنسی ہوئی یا باہر کو اُبھری ہوئی آنکھ...... یا ان سے نفرت کی جاتی ہے، مثلاً: سانپ، سینگ، کھوپڑی اور ہڈیاں وغیرہ...... یا ان کے جادوئی وشیطانی پس منظر کی بنا پر لوگ ان سے کراہت محسوس کرتے ہیں، مثلاً: جادوئی اعداد یا آگ وغیرہ......... ان سب سے آج کی مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا ایسی آشنا اور مانوس ہوجائے اور دجال کے خروج سے پہلے ہی ہر طرف دجالیات کا ایسا چرچا ہوجائے کہ ہر بڑا چھوٹا اس فتنے کی حشر سامانیوں کو معمول کی چیز اور انسانیت کے اس دشمن کو بنی نوع انسان کے لیے خیرخواہی کا مجسم روپ سمجھنے لگے۔ اس کی ایک مثال ہم دوسری علامت ''اکلوتی آنکھ'' میں دے چکے ہیں۔ ایک آنکھ کو اتنا مشہور کیا جارہا ہے کہ رفتہ رفتہ دو آنکھیں حسینوں کا حسن اور مہ جبینوں کا استعارہ نہیں بلکہ ایک آنکھ حسن کی علامت اور طاقت کا منبع سمجھی جانے لگے گی۔ یہی وہ دجل وفریب ہوگا جس کا شکار انسانیت اپنی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔

(2) شیطان سے مدد حاصل کرنا:

دوسرا مقصد پراسرار ہے اور ماوراء الطبعیات سے تعلق رکھتا ہے۔ شیطان کے چیلے ان علامات سے نہ صرف یہ کہ شیطانی طاقت اور شیطان کی حمایت حاصل ہونے کا یقین رکھتے ہیں بلکہ اس میں ایسی شیطانی تاثیر کے قائل ہیں جو شیطان کی توجہ کھینچتی ہے اور اسے خدا کی

طرف سے بطور آزمائش ومہلت دی گئی، گندی طاقت کو شیطان کے پجاریوں کے حق میں استعمال کرنے کی درخواست کرتی ہے۔ یوں سمجھیے جس طرح مسلمان مقدس مقامات کی شبیہ یا متبرک کلمات کا عکس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی طرف سے نازل شدہ برکت کے حصول کے لیے شائع کرتے، پھیلاتے اور آویزاں کرتے ہیں، شیطان کے چیلے بالکل اسی طرح اس لعین کو خوش یا متوجہ کرنے کے لیے ان علامات کو پھیلانے اور ان کی تشہیر کر کے لوگوں کو ان سے مانوس کرتے ہیں تاکہ شیطان اپنی اوقات کے اندر رہتے ہوئے ان کی ناجائز سفلی خواہشات کی تکمیل میں ان کی مدد کرے اور اس کے بدلے یہ زیادہ سے زیادہ دولت وشہرت حاصل کر سکیں اور حتی الوسع حیوانی لذت اور شہوت پوری کر سکیں۔

O.....O.....O

اصل مقصد کی طرف:

اس سوال کے جواب سے فارغ ہونے کے بعد ہم اس تحریر کے اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ شر کا تذکرہ شر ہی پھیلاتا ہے، یہ خیر صرف اسی وقت بن سکتا ہے جب شر کی تردید کی جائے، حق کا گُرز باطل کے سر پر اس زور سے مارا جائے کہ اس کا بھیجا نکل جائے، جب ہم نے یہ سمجھ لیا اور محض اندازے قیافے سے نہیں، شواہد وقرائن کی رُو سے سمجھ لیا کہ ان پراسرار علامات کے پیچھے ''اسرار'' وغیرہ کچھ نہیں، محض شیطان کی رسوائی اور بنی آدم سے انتقام کی داستان ہے تو اب ہمیں جس علامت کے بارے میں یقین ہو...... مضمون کے آغاز میں کہہ دیا گیا تھا کہ یقینی بات کا اعتبار ہے، وہمی شک وشبہات کی کوئی حیثیت نہیں،......تو جو علامات یقینی ہیں ان سے بچنا چاہیے۔ انسانیت کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے...... لیکن کیا ایک منظم مہم کے سامنے اتنا کافی ہوگا؟ کیا ہم ہمیشہ دفاع ہی کرتے رہیں گے؟ اس طرح تو یہ دنیا اندھیری وارداتوں کا شکار ہو کر شیطان کی بستی بن جائے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے یا شیطنت کو دھتکارنے اور اس کے آلہ کاروں کو ناکام بنانے کے لیے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ وہ بندے کے اس عمل سے راضی ہوتے ہیں جو خلوص سے بھرا ہوا اور مشقت

وآزمائش کا سامنا کرتے ہوئے جگہ اور ماحول کی مناسبت سے اختیار کیا جائے۔ فتنوں کے اس دور میں انسانیت کو فتنوں سے بچانے کی کوشش (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی۔ اس کے لیے ہمیں مرحلہ وار درج ذیل ترتیب اختیار کرنی چاہیے تاکہ نہ ہم خوفزدہ ہوں اور نہ کسی اور کو مرعوب وخوفزدہ کریں۔ ہم حق کے علمبردار ہوں اور بلاخوف وجھجک اپنا فرض انجام دیں۔ اس سلسلے میں ہم برادران اسلام کی خدمت میں چند باتیں عرض کریں گے۔ یہ گزارشات دراصل فتنوں کے اس دور میں ایک طرح کا مربوط اور مرتب لائحہ عمل ہیں جس کے مطابق زندگی کا معمول بنانے سے ان شاء اللہ تعالیٰ فتنوں سے حفاظت بھی رہے گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت ونصرت بھی حاصل ہوگی۔ دجال I اور II میں اس طرح کی تدابیر بیان کی جاچکی ہیں۔ یہاں اسلوب کچھ الگ ہے اور نوعیت بھی ایک طرح سے الگ ہے۔ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔

پہلی اور آخری بات

اس شیطانی منصوبے اور دجالی مہم کے خلاف اہلِ ایمان کے نکات ترتیب وار پیش ہوئے ہیں۔ ان میں سے پہلی اور آخری بات پوری بحث کا خلاصہ اور جان ہیں۔

پہلی بات: سچی توبہ نہایت ضروری ہے:

سب سے پہلے تو ہمیں ہر طرح کے گناہوں سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔ اس فتنہ زدہ دور میں سچی توبہ اور رجوع الی اللہ ہی ہمیں آزمائشوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے اب تک بے خبری میں اگر کسی شیطانی علامت کو اپنے لباس، جوتے، اشتہار یا کسی اور شکل میں برتا ہو، زبان سے اس کا اظہار کیا ہو تو اس کو اللہ پاک معاف فرمادیں۔ آیندہ کے لیے ایسے اعمال کی توفیق مل جائے جو ان شیطانی اعمال کو دفع کرنے اور ان کے خلاف جدوجہد کا ذریعہ ہوں۔ شیطان کا مکروفریب مکڑی کے جالے کی طرح انتہائی بودا اور اس کے منصوبے اور چالیں انتہائی کمزور ہیں۔ دل کی توجہ سے ایک مرتبہ اللہ کی طرف رجوع کرنے، اس کی کبریائی بیان کرنے یا ایک لاحول پڑھنے کی دیر ہوتی ہے، یہ واویلا کرتا ہوا، سر میں مٹی ڈالتا ہوا بھاگتا ہے۔ مغربی دنیا تو وحی الٰہی کی مقدس و مبارک تعلیمات اور اس کے نور و حفاظتی حصار سے محروم ہے۔ اس لیے وہ شیطانی قوتوں کی یلغار کے سامنے بہتی چلی گئی۔ اہلِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت کتاب اور سچی تعلیمات دی ہیں۔ مسلم اُمہ کے پاس اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اصل حالت میں موجود ہیں، جن میں آخر زمانوں کے فتنوں کی وضاحت خوب تفصیل سے کی گئی ہے۔ اسے چاہیے کہ ساری دنیا کے لیے خیر اور سلامتی کی داعی بن جائے اور مغرب کے شیطان گزیدہ اور ستم رسیدہ انسانوں کو گناہوں اور گمراہیوں کے اس گڑھے سے نکالنے کی کوشش کرے جس میں شیطان کے پیروکاروں اور دجال کے آلہ

کاروں نے اسے دھکیلنے کی کوشش جاری رکھی ہوئی ہے۔ جب اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے سچی توبہ نصیب ہو جائے تو اس کے بعد اس پر قائم رہنے کے لیے دو کام کیجیے۔

(2) اصلاحی حلقے سے جڑ جائیے:

توبہ کے بعد اگلا کام یہ ہے اپنے ''علم وعمل'' کو شریعت وسنت سے قریب تر لانے کی جدو جہد کیجیے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے ایسے علمی واصلاحی حلقوں سے جڑ جائیے جہاں اہل حق علمائے کرام اور مشائخ عظام شریعت وسنت کا نور پھیلا رہے ہیں اور فتنوں کے اس دور میں اپنے پروں تلے آنے والے امتیوں کے ایمان کی یوں حفاظت کرر ہے ہیں جیسے مرغی اپنے نادان اور کمزور بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ ایک نومسلم پادری سے راقم الحروف نے پوچھا: ''جب آپ کفار کی صف میں تھے اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کرر ہے تھے تو مسلمانوں میں سب سے زیادہ کس طبقے کو اپنے کام میں رکاوٹ سمجھتے تھے یا ہماری کس تحریک سے خطرہ محسوس کرتے تھے؟'' انہوں نے برجستہ کہا: ''دو قسم کے مسلمانوں کو۔ ایک وہ جو مسلمانوں کو مسجد سے جوڑے۔ جو مسجد سے جڑ جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑ جاتا ہے اور ہم تو لوگوں کو اللہ اور رسول سے دور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ جو جہاد کی بات کریں۔ یعنی عملاً جہاد کریں یا نہ، لیکن صرف جہاد کو فرض عین بتائیں، لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ قتال فی سبیل اللہ شرعی فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ یہ ہمارے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ ان کا کوئی علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔''

محترم قارئین! دراصل ان علمی واصلاحی حلقوں، جو مساجد و مدارس اور خانقاہوں میں قائم ہوتے ہیں، سے جڑنے کی بہت سی برکات ہیں۔ ایک اہم فائدہ اور عظیم برکت یہ ہوتی ہے، انسان کی سب سے قیمتی متاع یعنی اس کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔ اس کو مسنون اعمال سے شناسائی پیدا ہوتی ہے۔ مسنون زندگی اپنانے کا شوق اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی برکت سے انشاء اللہ آپ شر وفتن اور شیطانی مہمات کے باطنی ونفسیاتی جراثیم سے محفوظ رہیں گے۔

(3) جدیدیت کے جھانسے میں نہ آئیے:

اس کے بعد جدیدیت کے فتنے سے بچنے کی کوشش کیجیے۔ نئی چیزوں سے متاثر ہونے کے بجائے اپنے اس قدیم اور اصلی دین اور اس کی مبارک تعلیمات سے چمٹے رہنے کی فکر کیجیے جو برحق اور سراپا صدق ہے۔ جدیدیت کا لیبل لگی چیزوں خصوصاً مغرب سے آئی ہوئی چیزوں اور مغرب زدہ لوگوں سے بچیے۔ ان کے نظریات و افکار سے بھی اور ان کی تہذیب و روایات سے بھی۔ یہ لوگ باتوں باتوں میں انسان کو فتنے میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثلاً مغرب زدہ دینی اسکالر ہمیں ''ماڈرن اسلام'' سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ماڈرن اسلام کوئی چیز نہیں۔ انسان یا تو مسلمان ہے یا کچھ اور ہے۔ بیچ کا دوغلا راستہ نفاق ہے۔ اسی طرح ناول، کارٹون اور فلموں کے ذریعے اہل مغرب اپنے دجالی نظریات ہمارے ذہنوں میں انڈیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جادوئی اعتقادات کی ترویج کے لیے فرضی مخلوق اور وہمی شخصیات کے قصے کہانیاں لکھتے اور ان پر فلمیں بناتے ہیں۔ اڑنے والا اژدھا، سینگوں والا ناقابل شکست ہیولا، پَروں والی خلائی مخلوق، نچلا دھڑ گھوڑے جیسا اور اوپر کا انسانوں جیسا، ماورائی طاقتوں کی حامل پراسرار فرضی شخصیات، یہ سب کچھ دراصل انسان کو ذہنی طور پر مرعوب کرنے اور نفسیاتی شکست اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار کرنے کے بعد اس پر قابو پانے کی کوششیں ہیں۔ لہٰذا خود کو اور اپنے متعلقین کو فرضی ناول، کہانیاں پڑھنے اور فلمیں اور کارٹون وغیرہ دیکھنے سے بچائیں۔ نیز ایسے نیم مذہبی اور نیم مغربی اسکالروں کے بیانات نہ سنیں جو خود سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ حسنہ سے محروم ہیں۔ تحریف کے نام پر جدیدیت کے فتنہ عظمیٰ کا شکار ہیں اور اس راستے سے وہ ہمیں اباحیت اور پھر دجالیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، کیونکہ اس میں شک نہیں اس طرح کی مخلوق سے متاثر انسان تاریکی کے علمبردار اور نامانوس قسم کی فتنہ باز و فتنہ پرور مخلوق ''دجال اکبر'' کا آسان ترین شکار ہوگا۔

(4) شریعت و سنت کو طرزِ حیات بنائیے:

جو اللہ کا قرب چاہتا ہے، وہ شریعت و سنت کو طرزِ حیات بنائے اور شیطانی کاموں اور

دجالی فتنے سے اپنے آپ کو بچائے۔ ان دونوں کا فتنہ شر اور باطل پرستی کا فتنہ ہے۔ اس کا علاج خیر کو پھیلانے اور خدا پرستی کو عام کرنے میں ہے۔ جہاں شریعت کا حکم زندہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہوگا، وہاں شیطان شکست کھائے گا اور واویلا کرتے ہوئے بھاگے گا۔ جہاں انسان گناہ کرے گا، حیوانات کی طرح نفس پرستی میں مبتلا ہوگا، وہاں شیطان کا کام آسان ہوگا اور انسانیت فتنہ دجال کے پھندوں میں پھنستی چلی جائے گی۔ اللہ و رسول سے محبت کرنے والوں کے لیے یہ امتحان کا وقت اور غیرت دکھانے کا لمحہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک رب کے دین اور اپنے محسن و مشفق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کی ہدایت اور استقامت کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں اور اپنے اور ساری دنیا کے دشمنوں اور ان کے چیلوں کے مقابلے میں کتنی مشقت اُٹھاتے اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

(5) مسنون اعمال اور مسنون دُعاؤں کا اہتمام کیجیے:

علاوہ ازیں: دجال کا فتنہ شیطان کا عظیم فتنہ ہے۔ اس سے دفاع کے لیے رحمانی حصار میں آنا ضروری ہے۔ رحیم و رحمان ذات کی مدد اور اس کی حفاظت کے حصار میں آنے کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر عمل، متبع سنت مشائخ کرام کی صحبت اور مسنون اعمال ہی واحد ذریعہ ہیں۔ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات اور آخری رکوع کے بارے میں حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ فتنہ دجال اور اس کے زہریلے اثرات و جراثیم کے خلاف مضبوط ترین حصار اور مؤثر ترین ہتھیار ہے۔ ان کا صبح شام ورد کیجیے۔ اسی طرح ان دعاؤں کا بھی اہتمام کیجیے جنہیں محدثین کی اصطلاح میں ''تعوذات'' کہا جاتا ہے یعنی جن میں ''اعوذ'' کا لفظ آتا ہے اور ان کے ذریعے ہمارے محسن حقیقی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فتنوں اور ناگوار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین و تعلیم کی ہے۔ یہ دُعاء:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسَلِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ.''

نیز "أَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ." (صحیح بخاری، کتاب الدعوات: 2/ 944)

آخری بات: نظریۂ جہاد کو زندہ کیجیے:

آخری بات یہ کہ منحوس شیطانی علامات اور مکروہ دجالی نشانات کی روک تھام کیجیے۔ اس کی جگہ اللہ کی تسبیح اور تقدیس کو عام کیجیے۔ رحمانی شعائر کا احترام کیجیے۔ گناہ چھوڑنے اور چھڑوانے کی ترغیب دیجیے اور دجالی فتنے کے واحد حل "جہاد فی سبیل اللہ" کے عظیم فرض کی ادائی کی فکر کیجیے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے حلال کمائیے اور اپنی جان کو اللہ کے لیے قربان کرنے کے لیے تیار رکھیے۔ نظریۂ جہاد کو زندہ کیجیے اور قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں جڑ جائیے۔ جان، مال، زبان...... دامے، درمے، سخنے...... کسی نہ کسی شکل میں فرضِ "قتال فی سبیل اللہ" ادا کیجیے۔ اس سے غافل رہنا اجتماعی خودکشی ہے۔ یہ ذلت والی زندگی کو قبول کرنے حسرت ناک موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہر حال میں اس میں کسی نہ کسی شکل میں اس سے جڑے رہنا ضروری ہے۔ یہ کسی بھی اشکال کی بنا پر ساقط نہیں ہے۔ روزِ قیامت یہ سوال نہیں ہوگا کہ نیکی کی جدوجہد میں کتنی کامیابی حاصل کی؟ سوال یہ ہوگا کہ نیکی پھیلانے اور بدی کے خاتمے کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کیوں نہیں کی؟ ہم سب کو وہ لمحہ یاد رکھنا چاہیے جب ہم سے یہ سوال ہوگا، لازماً ہوگا اور برسرِعام ہوگا۔ پھر ہمارے سامنے خیر کے داعیوں اور اسلام کے سپاہیوں کو اعزازات وانعامات ملیں گے اور خیر وشر کے معرکے میں پھسڈی پن دکھانے والوں کو حسرت اور ارمان کے علاوہ چارہ نہ ہوگا۔ ہمیں اس وقت کی حسرت اور ندامت سے بچنے کے لیے آج کی مہلت سے فائدہ اُٹھالینا چاہیے۔ فتنۂ عظیم کے مقابلے میں قلیل عمل کا اجر ان شاء اللہ بہت عظیم اور ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔

بیک واٹر سے آرٹی فشل واٹر تک

دجالی ریاست کے قیام کے لیے فطری قوتوں کو مسخر کرنے کی ابلیسی کوششیں

فارسی کا مشہور شعر ہے: "خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید" یعنی خاموشی کی بھی ایک زبان ہوتی ہے جو بولتی زبانوں سے زیادہ معنی خیز اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے مریدین اور دوست احباب کی بھری محفلوں میں خاموش بیٹھے رہا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا: "حضرت! آپ بولتے نہیں کہ حاضرین کو فائدہ ہو۔" فرمایا: "جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہ سمجھا وہ ہمارے بولنے سے بھی کچھ نہ سمجھے گا۔" سیلاب جب تباہیوں کے دوران بڑھتا چلا جا رہا تھا تو جواب کی ایک محفل میں عزیزم سید عدنان کاکاخیل نے پوچھا: "یہ سمجھ نہیں آتی کہ سیلاب خراب ہے تو اس حصے اور جنوبی پنجاب میں زیادہ کیوں آیا ہے؟ یہ دونوں علاقے تو دینی مدارس کے حوالے سے معروف ہیں۔" کچھ دوستوں نے اس عاجز کی طرف دیکھا کہ کچھ بولے گا۔ میں خاموش رہا تو ایک اور صاحب نے اس سوال پر دوسرے سوال کی تھیلی لگا دی: "بات یہ ہے کہ سخت حیرت میں ہیں جبکہ پنجاب کے دو بڑے شہر جو رمضان میں بھی اپنی کارستانیوں کے حوالے سے معروف ہیں، امن وامان سے ہیں۔" اب بات کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی لیکن یہ عاجز فقط اتنا کہہ کر خاموش رہا: "اللہ تعالیٰ سب کو اپنے امن وامان میں رکھے۔" بعد میں شاہ صاحب واپس جانے لگے تو کہا: "یہ سیلاب، مٹی کے زلزلے اور جوہری سیلاب کی طرح مصنوعی ہے۔ ان علاقوں کے بعد یہ آہستہ آہستہ اور آگے بڑھے گا، پھر سندھ اور بلوچستان [illegible] یورپ میں نازل ہونا شروع ہو جائیں گے۔"

عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے شاید دجال I کا متعلقہ حصہ پڑھ رکھا تھا۔ پھر انہیں اس عاجز کے مختصر طرز گفتگو سے آگاہی بھی تھی۔ مزید کچھ نہ پوچھا

البتہ استفسار بھری نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی ''عنقریب نیٹ پر اور پھر اخباروں میں یہ بات آنی شروع ہو جائے گی لیکن حسب معمول نظر انداز کر دی جائے گی۔'' اس واقعے کو تقریباً دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ اس عرصے میں ہم اہل وطن کے دکھ درد سمیٹنے اور مقدور بھر خدمت میں مصروف رہے اور بوجوہ مختلف ناموں سے ہمارے مضامین چھپتے رہے۔ انتظار تھا کہیں سے جمود ٹوٹے تو ہم کچھ بولیں ورنہ فقیروں کی کون سنتا ہے؟ حتیٰ کہ وہ خبر کل جمعہ کے دن قومی اخبارات کے پہلے صفحے پر آ گئی ہے جس کی طرف بندہ آج سے تین سال پہلے ''دجال I'' میں قدرتی وسائل پر دجالی قوتوں کے قبضے کے طریق کار اور اس کے نتائج کے عنوان سے تفصیل سے لکھ چکا تھا۔ خبر کا عکس آپ مضمون کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ پہلے ''دجال I'' کے دو پیراگراف پڑھ لیجیے، پھر اس خبر کا متن دیکھ لیجیے۔ موازنہ اور نتائج کا اخذ آپ کا کام ہے جبکہ حل اور لائحہ عمل متذکرہ کتاب کے علاوہ کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ''دجال I'' صفحہ 261 پر عرض کیا تھا:

''امریکی سائنس دانوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو موسموں میں تبدیلی سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف موسموں میں تغیر کا ذمہ دار ہے بلکہ کرۂ ارض میں زلزلوں اور طوفانوں کے اضافے کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس پروجیکٹ کا نام Haarp یعنی ''ہائی فریکوئنسی ایکٹو آرورل ریسرچ پروجیکٹ'' ہے۔ اس کے تحت 1960ء کے عشرے سے یہ تجربات ہو رہے ہیں کہ راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے بادلوں پر کیمیائی مادے (بیریم پاؤڈر وغیرہ) چھڑکے جائیں جس سے مصنوعی بارش کی جا سکے۔ یہ ساری کوششیں قدرتی وسائل کو قبضے میں لینے کی ہیں تاکہ دجال جسے چاہے بارش سے نوازے جسے چاہے قحط سالی میں مبتلا کر دے۔ جس سے وہ خوش ہو اس کی زمین میں ہریالی لہرائے اور جس سے بگڑ جائے وہاں خاک اُڑے۔ لہٰذا مسلمانوں کو قدرتی غذاؤں اور قدرتی خوراک کو استعمال کرنا اور فروغ دینا چاہیے۔ یہ ہم سب کے لیے بیدار ہونے کا وقت ہے کہ ہم قدرتی خوراک (مسنون اور فطری خوراک) استعمال کریں اور مصنوعی اشیاء یا مصنوعی طریقے سے

محفوظ کردہ اشیا سے خود کو بچائیں جو آگے چل کر دجالی غذائیں بننے والی ہیں۔''

دو صفحے بعد کی عبارت بھی دیکھ لیجیے: ''آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کرۂ ارض کے موسم میں واضح تبدیلیاں آ رہی ہیں اور موسم اور ماحول سنگین تباہی سے دوچار ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر میں اس حوالے سے مضامین اور سائنسی فیچرز شائع ہو رہے ہیں۔ مجموعی درجہ حرارت میں اضافے سے طوفان، سیلاب اور بارشوں کی شرح غیر معمولی طور پر متغیر ہوگئی ہے۔ اگرچہ اس کو فطری عمل قرار دیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت یہ تسخیر کائنات کے لیے کی جانے والی ان شیطانی سائنسی تجربات کا نتیجہ اور موسموں کو قابو میں رکھنے کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو مغرب میں جگہ جگہ موجود یہودی سائنس دان حضرت داؤد کی نسل سے عالمی بادشاہ کے عالمی غلبے کی خاطر کر رہے ہیں۔''

اب اس خبر کا مطالعہ کر لیجیے جو نیٹ سے ہوتی ہوئی بالآخر اخبارات کے صفحے پر آ گئی ہے۔

''پاکستان میں غیر معمولی بارشوں اور ان کے نتیجے میں رونما ہونے والے سیلاب کے اسباب تلاش کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ماحول کو کنٹرول کرنے والی خفیہ امریکی ٹیکنالوجیز پر نظر رکھتے ہیں۔ امریکی ہارپ ٹیکنالوجی پر حالیہ سیلاب کا الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ ٹیکنالوجی ہے جس کے ذریعے بالائی فضا میں برقی مقناطیسی لہروں کا جال بچھا کر موسم کے لگے بندھے ڈھانچے کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں موسلا دھار بارشیں ہوتی ہیں۔ سیلاب آتے ہیں اور برفباری بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسی ٹیکنالوجی کو انجینئرڈ زلزلوں اور سمندری طوفانوں کی پشت پر کارفرما بتایا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ پر مختلف ذرائع سے منظر عام پر آنے والی رپورٹس میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں بارشوں کے سلسلے کو ہارپ ٹیکنالوجی کے ذریعے طول دیا گیا۔ صرف چار دنوں میں سب کچھ بدل گیا۔ دنیا بھر کے موسمیاتی ماہرین نے بھی اس حوالے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ کوئی انتباہ بھی جاری نہیں کیا گیا تھا۔ ہارپ (ہائی فریکوئنسی ایکٹیو آرورل ریسرچ پروگرام) امریکی فوج کا ایک حساس پروگرام ہے جو کئی برسوں سے متنازع چلا آ رہا ہے۔ 1997ء میں اس وقت

کے امریکی وزیر دفاع ولیم کوہن نے بھی اس پروگرام کو متنازع قرار دیا تھا۔ باخبر ذرائع بتاتے ہیں بارپ بھی ان پروگراموں کا حصہ ہے جو 2020ء تک پوری دنیا پر امریکی تصرف یقینی بنانے کے لیے شروع کیے گئے ہیں۔ ان ذرائع کا دعویٰ ہے کہ موسمیاتی نظام کے ڈھانچے کو بدل کر بہت سے ممالک کو شدید معاشی بحران سے دوچارہ کیا جا سکتا ہے۔ روس کے معروف اسکالر اور اسٹریٹجک کلچر فاؤنڈیشن کے نائب سربراہ آندرے اریشیف نے روس کے جنگلوں میں لگنے والی بھیانک آگ کو بھی امریکی ہارپ ٹیکنالوجی کے استعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ زمینی دریاؤں کی طرح دو میل کی بلندی پر بخارات کی شکل میں بھی دریا پائے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ایسے دس فضائی دریا ہیں جن کا راستہ روک کر غیر معمولی بارش اور سیلاب کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔ ہارپ اور دیگر متعلقہ ٹیکنالوجیز کی مدد سے بارانی ہواؤں کے نظام کو غیر متوازن کر کے بارش کا قدرتی مقام اور ڈیڈ لائن تبدیل کر دی جاتی ہے۔ یہ سب ماحولیاتی دہشت گردی کے ذیل میں آتا ہے اور خود امریکی ماہرین اور سیاست دان بھی اس حوالے سے خبردار کرتے رہے ہیں۔''

(روزنامہ اُمت: جمعہ 27 اگست 2010ء)

مشکلات تو آپ نے سن لیں۔ حل کیا ہے؟ صرف ''بی اینڈ بی'' یعنی برونائی اور بحرین دو بہت چھوٹے اور انتہائی مالدار مسلم ملک ایسے ہیں کہ اپنی دولت کا خمس یعنی 20 فیصد جو معدنیات کی زکوٰۃ کا شرعی نصاب ہے، ادا کرنے لگیں تو مسلمانوں کو بیرونی امداد اور بیرونی امداد کو فوجوں کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی نہ کسی سے قرض لینے اور دنیا بھر میں امداد کی دہائی دینے اور خوار پھرنے کا خطرہ ہوگا۔ لیکن مسلمان حکمران اپنے اُڑن کھٹولوں کو نئے سرے سے سونے سے سنہرا کر رہے ہیں اور مہربان ستم گر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ وہ امدادی سامان لے کر بے دھڑک آ رہے ہیں جس کی جانچ پڑتال کی بھی کسی سیاسی اداکار کو ضرورت ہے نہ سیاسی ہدایت کار کو ہمت کہ ''بلیک واٹر'' کے بعد اب یہ ''آرٹی فشل واٹر'' کیا کچھ ساتھ لا رہا ہے اور کیا کچھ بہا کر لے جائے گا؟ خبر آئی ہے کہ برونائی کے سلطان حسن بلقیا کی ہدایت پر

233 ملین ڈالر کی مالیت کے جہازوں کو از سرِ نو تزئین کر کے سونے سے بنی ہوئی اشیا سے سجایا گیا ہے اور ہر چھوٹے بڑے فریم اور فرنیچر کو خالص سونے کی پلیٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔ موصوف 20 بلین ڈالر کی جائیداد کے مالک ہیں۔ اگر وہ اور ان کے طبقے کے مسلمان زردار امرا...... ہم وطن ہوں یا ہم مذہب...... اپنی تجوری بند، دولت کا ڈھائی فیصد یعنی صرف زکوٰۃ بھی ادا کر دیں تو ہم امریکی امداد کے تھیلوں سے گرا ہوا آٹا سڑکوں پر سے چن کر کھانے اور ''یومِ دفاع'' کی جگہ ''سالِ دفاع'' منانے سے بچ سکتے ہیں لیکن ہم تو پہلے سے موجود ''شہبازوں'' کو بچانے کے لیے ''جمال شاہوں'' کو ڈبونے سے بھی دریغ نہیں کر رہے۔ مُردوں کی قبروں پر چراغ جلائے رکھنے کے لیے زندوں کے گھروں میں اندھیرا کیا جا رہا ہے۔ این جی اوز کے مطابق 72 ہزار بچوں کی زندگی کو خطرہ ہے، اس لیے وہ امدادی کارروائیاں جاری رکھیں گی، لیکن جو بچے امدادی کیمپوں سے غائب ہو رہے ہیں یا کیے جا رہے ہیں، انہیں کس سے خطرہ ہے؟ اس کا کوئی ذکر نہیں۔ زرداروں کو زرگری سے فرصت ملنے تک، ''راز دار'' رازوں کے راز تک ہی نہ پہنچ جائیں۔ خدانخواستہ خاکم بدہن زرر ہے نہ ایٹم کا ذرہ۔ اللہ رحم کرے۔ دُعا اور دوا دونوں کی ضرورت ہے۔ رجوع الی اللہ اور خدمتِ خلق دونوں سے دریغ نہ کیا جائے۔ ہمیں اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے۔ زمین والے جو کچھ منصوبے بنائیں آسمان والے کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں پر قائم دائم ہے اور اس کی تدبیر سب تدبیر کرنے والوں کی تدبیر سے بہتر ہے۔

نیلی برف اور گرم بارش

''مصنوعی سیلاب'' والا مضمون پڑھ کر قارئین کے دلچسپ، متنوع اور مختلف تاثرات موصول ہوئے۔ آج کی مجلس میں آپ کو ان تاثرات میں شریک کرنا چاہوں گا۔

عقیدہ اور عقیدت:

بعض ٹھیٹھ قسم کے دیندار احباب کا کہنا تھا یہ تو اللہ کے کاموں میں مداخلت ہے۔ اس کا اختیار کسی کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ ان حضرات کی توجہ ان احادیث کی طرف نہیں گئی جن میں دجال کو دی گئی ان غیر معمولی شعبدہ نما صلاحیتوں کا ذکر ہے جو اس سے بھی آگے کی چیز ہیں اور جن کی بنا پر وہ اپنی جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ جس کو (یعنی منافقین کو) چاہے گا خوشحال و سرشار کر دے گا اور جس کو (یعنی مخلص مومنین کو) چاہے گا روٹی پانی بند کر دے گا۔ اس کے ساتھ خوراک کے ذخیرے بھی ہوں گے اور جنت نما باغ بھی۔ قدرتی وسائل پر بھی اس نے قبضہ کر رکھا ہوگا اور انسانی زندگیوں سے کھیلنے پر بھی قدرت حاصل کر رکھی ہوگی۔ دجال کو رہنے دیں۔ مغرب جہاں دجالی تہذیب جنم لے کر فروغ پا رہی ہے وہاں دیکھ لیں۔ بھیڑ سے شروع ہونے والا کلوننگ کا سلسلہ، گائے، اونٹنی اور انسانوں تک جا پہنچا ہے۔ تو کیا اسے خدائی اختیارات کا حصول کہیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ تو اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت اور کمالِ تخلیق کا ایک اور ثبوت ہے۔ رب تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ انسان اور دیگر جانداروں کو پیدا کیا بلکہ انسان کے جسم میں ایسے ہزاروں خلیے پیدا کر دیے جن سے ہر انسان جیسے ہزاروں انسان بن سکتے ہیں۔ کلوننگ کے ذریعے سائنس دانوں نے از خود کوئی چیز تخلیق نہیں کی۔ اللہ کی تخلیق کردہ مخلوق کے اندر پہلے سے موجود ایک پوشیدہ چیز کو ظاہر کر کے اللہ رب العزت کی قدرت کا ایک اور مظہر دنیا کے سامنے لایا ہے۔ اسی احسن الخالقین کی شانِ

خلاقیت کا ایک اور پہلو دنیا کے سامنے آشکارا ہوا ہے۔ نہ یہ کہ گِنے موتنے اور لیبارٹریوں میں پیشاب پاخانہ کا تجزیہ کر کے پیسہ کمانے والے سائنس دان معاذ اللہ خدائی میں شریک ہو گئے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر آسمان پر موجود بادلوں یا زمین پر پہلے سے جمی برف پر مقناطیسی شعاعیں ڈال کر انہیں پگھلا دیا جائے اور پانی کی ایک بڑی مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تخلیق کر رکھا ہے، کو ایک دم انسانی آبادیوں پر چھوڑ دیا جائے تو اس دجالی حرکت میں خدائی صفت کہاں سے آ گئی؟ یہ تو بے گناہ اور سادہ لوح انسانیت کو کرب واذیت میں مبتلا کرنے والی شیطانی حرکت ہوئی جو دجالی قوتوں کی ان کاوشوں کا حصہ ہے جس کے مطابق وہ اپنی جھوٹی خدائی کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان کی اس انسانیت سوز حرکت سے نہ عقیدے کے اعتبار سے کسی وہم میں پڑنا چاہیے نہ اسے خلافِ حقیقت یا خلافِ عقیدت قرار دے کر نظر انداز کرنا چاہیے۔

خوف یا اُمید؟

بعض لوگوں کا کہنا تھا اس سے خوف وہراس پھیلے گا۔ اب آپ ہی بتائیے دشمن کے آنے کی خبر دینے سے جو خوف پھیلتا ہے اس سے تو مزاحمت کی اُمید پیدا ہوتی ہے۔ اگر دشمن سے مطمئن ہو لیا جائے تو اس بے جا خوش فہمی اور شکست میں فاصلہ ہی کتنا رہ جاتا ہے؟ اور دجال تو ایسا فتنہ ہے کہ تمام انبیائے کرام نے...... حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک...... تمام انبیائے کرام نے اس سے ڈرایا ہے۔ کیا نبوی فرائض یا معمولات میں خرابی کا اندیشہ ہو سکتا ہے؟ اس سے تو ان شاء اللہ خیر جنم لیتی ہے۔ وہ خیر جو غفلت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، جستجو اور آگاہی سے ہی پھوٹتی ہے۔ ہم سے بہتر تو مغرب کے وہ محقق ہیں جو اس طرح کی چیزوں پر نظر رکھتے اور دنیا کو ان سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مغرب میں ان کی تحقیقات کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے اور ان کا تنقیدی جائزہ لینے کے ساتھ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں دشمن کے اسلحہ خانے پر نظر نہیں رکھی جاتی۔ اگر کوئی جستجو کر کے کھوج نکال لائے تو اسے دیوانہ قرار دیا جاتا ہے۔ دیوانگی کا یہ الزام اس

وقت تک تو اترے دیا جاتا ہے جب تک دشمن کی یلغار فرزانوں کے سر پر نہیں آ پہنچتی!

بعض حضرات کو جدید سائنس کی انکشافاتی شعبدہ بازیوں پر اتنا تعجب ہوتا ہے کہ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ دونوں ردِعمل محلِ نظر ہیں۔ اگر انسان کا چاند پر جانا ثابت ہو جائے تو اس میں اسلامی عقائد کے خلاف کون سی بات ہوگی یا کون سا معجزانہ قسم کا کمال ہوگا؟ کیا جنات پلک جھپکتے میں اس دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نہیں چلے جاتے؟ چاند سے بھی اوپر آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں نہیں سنتے؟ اس میں کمال کیا ہوا؟ اُلٹا پتھر کا تھپڑ کھا کر مردود ہو کر بھاگتے ہیں۔ اگر جنات بغیر کسی سواری کے خلا میں چلے جاتے ہیں تو عالمی تسخیر کے منصوبے پر عمل کرنے والے کچھ بدنیت انسانوں نے سواری پر چڑھ کر چاند تک رسائی حاصل کر لی تو اس میں اتنی بڑی کون سی بات ہے کہ ہم اس کو شرعی مسلمات کے خلاف اور اس کے انکار کو صحت اعتقاد کے لیے لازم قرار دینے لگیں؟ شیطان کو اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی عمر اور سات براعظموں میں موجود ہر شخص کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی صلاحیت دے رکھی ہے تو کیا شیطان کے چیلوں (شیطان کا سب سے بڑا چیلہ دجال اعظم) کو اس طرح کی صلاحیت نہیں دی جا سکتی؟ پھر ایمان والوں کی آزمائش ہی کیا ہوگی؟ انہیں امتحان سے گزرے بغیر جنت کس بنیاد پر ملے گی؟ مسلمان کا ایمان دوٹوک اور کھرا ہونا چاہیے۔ اس طرح کے شیطانی شعبدہ بازوں سے اس کو وسوسوں کا شکار نہ ہونا چاہیے۔ البتہ دلائل و شواہد کی بنا پر تحقیق و تجسس اور تنقید و تمحیص ہمارا فرض ہے۔ آیئے! اہلِ مشرق کے مشاہدے اور اہلِ مغرب کے تجزیے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اہلِ مشرق کا مشاہدہ:

گزشتہ دنوں آزاد کشمیر کے دور دراز علاقوں میں جانا ہوا۔ وہاں کے بہت سے لوگوں نے بتایا کہ یہاں بارشیں زیادہ نہیں ہوئیں۔ یہاں جس غیر معمولی سیلاب نے تباہی مچائی وہ پہاڑوں پر جمی "نیلی برف" کے یکدم پگھلنے اور پھر "گرم بارش" برسنے سے ہوا۔ نیلی برف اس برف کو کہتے ہیں جو ہر سال جمنے اور پگھلنے والی برف کے نیچے بیسیوں فٹ نیچے صدیوں

سے جمی ہوئی ہے۔ ''کیل'' اور'' دواریاں'' نامی دور دراز علاقوں کے بڑے بزرگوں کا کہنا تھا کہ ایک دھماکا ہوا جس سے اُڑنے والی برف کے ٹکڑے میلوں دور تک گھروں میں جا گرے۔ اس کے بعد'' گرم بارش'' ہوئی۔ اس میں بھیگنے سے انسان کو سردی نہیں لگتی، گرمی لگتی ہے۔ موجودہ سیلاب کی ابتدا کشمیر سے ہوئی تھی اور کشمیر کے سیلاب کی ابتدا'' نیلی برف'' اور'' گرم بارش'' سے ہوئی تھی۔ پورے پاکستان میں پھر جو کچھ ہوا اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ جس طرح ہوا وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ سب کیا ہے؟ قدرتی وسائل اور فطری موسم کو اپنے قابو میں کر کے جارحانہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے دجالی منصوبے کے مزید مظاہر ابھی دنیا دیکھے گی۔ نجانے اس وقت فقیر کہاں ہوگا؟ انسان سمجھنا چاہے تو تھوڑا بھی بہت ہے۔ نہ سمجھنے پر اڑا رہے زیادہ بھی کم پڑ جاتا ہے۔

اہلِ مغرب کا تجزیہ:

مغرب میں جو اہلِ نظر دجالی قوتوں کے آلہ کار نہیں وہ اس طرح کی حرکتوں پر نظر رکھتے ہیں، لیکن یہ عاجز پہلے بھی کہہ چکا ہے کہ وہ اس کی غرض و غایت کو زیادہ گہرائی سے نہیں سمجھتے نہ ان کی تحقیقات کے نتائج دجل وفریب کے اس پردے کو چاک کر سکتے ہیں جو انسانی تاریخ کے سب سے بڑے فتنے نے اپنے آگے تان رکھا ہے۔ ان کے مطابق یہ پُراسرار نامعلوم قوت جو مختلف ملکوں کے موسمی حالات کو حیران کن طور پر تبدیل کرنے میں ملوث بتائی جاتی ہے، عالمی ماہرین کے مطابق امریکی محکمہ دفاع کا ایک خفیہ ادارہ'' ہارپ'' (Haarp) ہے۔ ہارپ کا پورا نام High Frequency Active Auroral Research Program ہے۔ مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ ہارپ موسم پر کنٹرول حاصل کرنے کی جدید ترین صلاحیت ہے جس کے ذریعے بالائی فضا کے ایک مخصوص حصے کو نپی تلی مقدار میں برقی توانائی سے نشانہ بنا کر ہر قسم کے سمندری طوفان (Hurricane)، گھن گرج کے ساتھ طوفانی بارش، سیلاب اور بگولوں والے طوفان (Tornadoes) کے علاوہ خشک سالی سے بھی اہلِ زمین کو دوچار کیا جا سکتا ہے۔ عالمی سطح پر موسموں کو کنٹرول کرنے والا یہ مرکز امریکی

ریاست الاسکا میں کاکونا کے ویران مقام پر 25 کروڑ ڈالر کی لاگت سے تقریباً 20 سال کے عرصے میں مکمل کیا گیا ہے۔14 ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہارپ مرکز 360 ریڈیو ٹرانسمیٹرز اور 180 انٹینا پر مشتمل ہے۔ 22 میٹر تک بلند یہ انٹینا تباہی کے ہتھیار ہیں جہاں سے کئی ارب واٹس قوت کی برقی توانائی ہائی فریکوئنسی ریڈیائی لہروں کے ذریعے زمینی فضا سے اوپر موجود برقائی ہوئی حفاظتی تہہ کی جانب پھینکی جاتی ہے جسے Lonosphere کہتے ہیں۔کرہ زمین کے چاروں طرف 40 سے 600 میل اوپر تک موجود ہیں۔ یہ وہی حفاظتی تہ ہے جو روئے زمین پر زندگی کے لیے سورج کی بالائے بنفشی خطرناک تابکاری ہیٹر ہے۔دنیا کے جس شمالی خطے سے اسے بنایا گیا ہے، وہ اس لحاظ سے آئیڈیل ہے کہ سائنس دان وہاں سے بالائی فضا کی جانب برقی توانائی پھینکنے اور اسے زمین پر واپس لانے میں اپنی خواہش کے مطابق کامیاب رہتے ہیں۔اس منصوبے کا سب سے اہم خفیہ مقصد یہی تھا کہ Lonosphere کو کیسے اور کہاں شعاعوں کے ذریعے نشانہ بنایا جائے کہ تابکار لہریں واپس ٹھیک اسی مقام پر زمین سے ٹکرائیں جہاں سائنس دان چاہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں مطلوبہ قسم کی تباہی یا موسم کی تبدیلی کا ہدف حاصل کیا جائے؟ سونامی میں یہ شعاعیں ہدف پر تھیں جبکہ کترینا میں ہدف سے چوک گئی تھیں۔ جس دن ان شعاعوں کا حسب منشا سو فیصد درست استعمال دریافت کرلیا گیا یا جس دن برموداتکون میں کارفرما مقناطیسی شعاعوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیا گیا اس دن دنیا جھوٹی خدائی اور مظلوم انسانیت پر ناجائز تسخیر کے سفاکانہ مظاہر کا وحشت ناک مظاہرہ دیکھے گی۔

تعبیر کا فرق:

امریکا کے خفیہ موسمیاتی جنگی منصوبے ''ہارپ'' سے متعلق متعدد دستاویزی کتابیں لکھی جاچکی ہیں جبکہ دستاویزی فلمیں بھی بنائی گئی ہیں۔اس سلسلے کی سب سے مشہور کتاب ''انجلز ڈونٹ پلے دس ہارپ، ایڈوانسز ان ٹیسلا ٹیکنالوجی'' ہے۔ٹیسلا ٹیکنالوجی پر یہ عاجز ''دجال 1'' میں تفصیل سے لکھ چکا ہے۔''دجال 1'' ایسی عجیب کتاب ہے کہ اس میں لکھی گئی

اکثر باتوں کی مشاہداتی تصدیق اتنی جلد سامنے آنے پر کبھی خود مصنف کو بھی تعجب ہونے لگتا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب کے مصنف تک بیلنچ اور جن میننگ نے پوری دنیا کی ملکیت Lonsphere کو امریکی فوج کی جانب سے اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا ہے: ''جمہوری حکومتوں کو اپنی پالیسیاں بالکل صاف اور واضح رکھنی چاہییں جبکہ ہمارے ہاں خاص طور پر ملٹری سائنس کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔'' اس خطرناک امریکی پروگرام (جسے راقم الحروف ایک بار پھر دجالی پروگرام قرار دیتے ہوئے ذرہ بھی نہیں ہچکچائے گا) سے متعلق دیگر اہم کتابوں میں ''ایرا واشنگٹن'' کی تصنیف کردہ ''ہارپ۔ دی پاتھ آف ڈسٹرکشن'' اور مصنف جیری اسمتھ کی دو کتابیں ''ہارپ، دی الٹی میٹ ویپن آف کانسپریسی'' اور ''ویدر وارفیئر'' شامل ہیں۔

روس کے جنگلوں سے لے کر ہیٹی اور چلی کے زلزلے تک اور جدہ کے سیلاب سے لے کر پاکستان میں آئے طوفان تک جو قوت کارفرما ہے اسے مغرب میں ''تخریبی سائنس'' کہا جاتا ہے، جبکہ ہم اسے دجالی قوتوں کی کارستانیوں کا نام دیتے ہیں۔ آنے والا وقت بتائے گا کون سی تعبیر حقیقت کے زیادہ قریب اور واقعات پر زیادہ منطبق ہوتی ہے؟

لارڈ کے تخت کی بنیاد

مسجد اقصیٰ کے انہدام اور یہودی بستیوں کے قیام کا صہیونی فلسفہ بے نقاب

پہلی اور آخری بار:

اسرائیل کی تاریخ...... شاید...... اپنی ''آخری بار'' کی طرف جارہی ہے۔ تبھی اس کے سرپرست اعلیٰ امریکا نے تاریخ میں ''پہلی بار'' ان اسرائیلی بستیوں کی تعمیر کی مذمت کی ہے جو آج تک اس کی آشیرباد سے آباد ہوتی چلی آئی تھیں۔ امریکی وزیرخارجہ محترمہ ہیلری کلنٹن صاحبہ نے اسے امریکی نائب صدر جوزف بائیڈن کی اہانت قرار دیا ہے، کیونکہ اسرائیلی وزیراعظم نے نئی بستیوں کی تعمیر کا اعلان اس وقت کیا جب امریکی نائب صدر اسرائیل کے دورے کے لیے ''مسیحا کی سرزمین'' پر قدم رنجہ فرمارہے تھے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے حسب معمول روایتی چرب زبانی سے کام لیتے ہوئے تعمیر کے اس منصوبے کی ''انکوائری کا حکم'' دے دیا ہے۔ امریکی صدر نے ان کی معذرت قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ان کے اعلان کو امن عمل کے لیے تباہ کن اور اپنی ہتک قرار دیا ہے۔ ممکن ہے امریکی صدر اور وزیرخارجہ کے بیانات ''تجاہل عارفانہ'' نہ ہوں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ بنی اسرائیل کی ریاست کے سربراہ کا یہ اعتذار اور انکوائری ''تغافل مکارانہ'' ہے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بستیوں کی یہ تعمیر ''امن فریق'' کے خلاف ''تطہیر'' کا ''باطنی منصوبہ'' ہے جس کا تعلق ''الوہی دائرے'' میں شامل ہوکر ''نجات کے حصول'' سے بھی ہے اور ''مطلق حاکمیت'' کے قیام کے لیے ''مسیحانہ آئیڈیالوجی'' سے بھی۔ یہ ایک ایسا ''غیرمنطقی انجام'' ہے جو شیطان کی قوت اور اس کی ''ارضی تجسیم'' کو توڑ کر ''پاک کرنے کا عمل'' بھی ہے اور خدا کی ''منتخب مخلوق'' کے ''قدیم گھر'' کو دوبارہ روشنی اور زندگی کی طرف لانے کا ''الوہی عمل'' بھی ہے۔

عبرانی ادب کی گاڑھی اصطلاحات:

راقم کو احساس ہے اوپر کی آخری چند سطروں میں بہت زیادہ گاڑھی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جو اکثر قارئین کے لیے اجنبی اور نامانوس ہوں گی۔ دراصل جب تک قوم یہود اور یہودیت کے بارے میں خود کٹر یہودیوں کی عبرانی میں اپنے بارے میں لکھی گئی تحریروں کو نہ پڑھا جائے تب تک ان حقائق سے واقفیت حاصل نہیں کی جاسکتی جو اسرائیلی یہودی معاشرے میں موجود اور موجودہ بنی اسرائیل کی نفسیات پر اثر انداز ہیں۔ غیر یہودیوں کو رہنے دیجیے، اسرائیل سے باہر رہنے والے یہودی بھی اسرائیل کے یہودی معاشرے میں پائے جانے والی اس بنیاد پرستی سے جو جنون کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے، نیز اس کے پیچھے کارفرما "ماوراء الطبعیاتی عوامل" سے اس لیے واقفیت نہیں رکھتے کہ وہ جدید یہودی رجحانات کا مطالعہ عبرانی میں لکھی گئی یہودی مصنفین کی تحریروں کی روشنی میں نہیں کر سکتے۔ انگریزی میں قوم یہود کے نظریات و رجحانات پر جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ بنی اسرائیل کی حقیقی ذہنیت کے حوالے سے بنیادی حقائق کو "باقاعدگی سے نظر انداز" کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔

اختیاری اور غیر اختیاری وجوہات:

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ لکھنے والے (چاہے وہ رابرٹ فسک جیسے معتدل اسکالر کیوں نہ ہو) عبرانی مآخذ سے براہِ راست استفادہ نہیں کر پاتے، نہ ان کی توجہ ان اصل مآخذ کے مستند ترجموں پر ہوتی ہے، نہ وہ عبرانی جاننے والے فلسطینی اسکالرز کی تحریروں کو انصاف پر مبنی ترجمانی قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ بہت چھوٹے چھوٹے موضوعات پر سطحی قسم کی علمیت تو بگھار لیتے ہیں، لیکن اپنے پڑھنے والوں کو یہودی معاشرے اور قوم یہود کی نفسیات کا راست فہم عطا نہیں کر سکتے۔ یہ تو غیر اختیاری وجہ ہوئی۔ دوسری وجہ اختیاری ہے اور ہلکے سے ہلکے الفاظ میں اس کی تعبیر کی جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ انگریزی بولنے والے ممالک کی کتابوں کی دکانوں کی الماریاں جن مشہور زمانہ مصنفین کی فلسطین پر لکھی گئی کتابوں کے بوجھ تلے کراہ رہی ہیں، ان کی اکثریت (انگریزی خواں طبقے سے معذرت کے ساتھ) منافق ہے۔ وہ اسرائیل میں ظہور پذیر ہونے والے رجحانات اور اقدامات کا جامع تجزیہ نہیں کرتے اور گمراہ کن حد تک غیر واقعی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

ارضِ فلسطین پر اسرائیلی بستیوں کی تعمیر کی ''یہودی روحانیت'' کے تناظر میں ''مقصود فانیہ'' تو یہ اتنی حیران کن نہیں جتنا کہ نائب امریکی صدر کی آمد کے موقع کو اس اعلان کے لیے مخصوص کرنا۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان مبہم باتوں کے حوالے سے قارئین کو زیادہ دیر تجسس واسرار میں نہ رکھیں اور یہودی مآخذ کے حوالے سے ترتیب وار ان کی تشریح کریں۔

غاصبانہ کارروائیوں کے دو پہلو:

فلسطین کی بابرکت زمین پر یہودی بستیوں کی تعمیر کا ایک تو مادی اور سیاسی پہلو ہے جو دنیا کے سامنے واضح ہے اور یہودی بنیاد پرست راہنماؤں کے درج ذیل بیانات سے مزید واضح ہو جاتا ہے جو ہم مغربی اور یہودی پریس سے نقل کریں گے۔ دوسرا پہلو روحانی یا مابعد الطبعیاتی ہے جسے یہودی دانشوروں کی اصطلاح میں ''اسرائیل کی بازیافت کی مسیحانہ جہت'' کہا جاتا ہے۔

پہلا پہلو۔نسلی برتری کا جاہلانہ زعم:

ابتدا ہم پہلے نظریے سے کرتے ہیں۔اس کی دو مثالوں پر اکتفا کافی ہوگا۔

(1) ایلیازر والڈ مین اسرائیل کا مشہور ''رِبائی'' ہے (یہ لفظ اصل میں ''رِبّی'' ہے بمعنی خدا پرست مذہبی پیشوا، لیکن چونکہ اس کا تلفظ عام قاری ''رَبّی'' کرتا ہے، اس لیے ہم ''رِبائی'' کا لفظ استعمال کریں گے۔) یہ دریائے اُردن کے مغربی کنارے میں غاصبانہ طور پر قائم کی گئی ایک بستی ''کریت اربا'' کے مشہور ''یشیوا'' یعنی مذہبی تعلیمی ادارے کا سربراہ ہے۔ یہ اپنی مقتدر مذہبی حیثیت کے سبب مختلف یہودی جرائد میں وقتاً فوقتاً اس قسم کے مضامین لکھتا ہے جو دنیا بھر کے یہودی توجہ اور احترام سے پڑھتے اور اس کا دیا ہوا ذہن لیتے ہیں۔ 21 جون 2002ء کو نیویارک سے شائع ہونے والے مشہور یہودی جریدے ''جیوش پریس'' میں اس نے اپنے ایک مضمون میں کسی قسم کا تکلف کیے بغیر فلسطینی مسلمانوں کی زمینوں پر قبضے کے حوالے سے کھل کر لکھا:

''اسرائیل کے فرزندوں کا اسرائیل کی سرزمین سے منفرد تعلق ہے جس کا موازنہ کسی بھی قوم کے اس وطن کے ساتھ تعلق سے نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارا تعلق تو زمین آسمان کی تخلیق کے وقت وجود پذیر ہوا تھا۔ ہمارے ہاتھ کا مقدر ہے کہ یہودیوں کو زندگی دیں اور یہودیوں کا مقدر ہے کہ وہ سرزمین کو زندگی

دیں۔ جس طرح جلاوطن یہودیوں کو ''قبرستان میں موجود ہڈیوں'' سے تشبیہ دیا گیا ہے، اسی طرح یہودیوں سے خالی ارضِ اسرائیل کو ایک ''ویران مقام'' کہا گیا ہے۔ یہ فرمان ریاستِ اسرائیل کے جنم کا حقیقی سبب ہیں۔ یہ روشنی ریاستِ اسرائیل کو گھیرے ہوئے ملکوں کی تاریخ میں داخل ہو جائے گی۔

ہم جوڈیا اور سماریا میں غیر ملکی علاقوں پر قابض نہیں ہو رہے۔ یہ تو ہمارا قدیم گھر ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اسے دوبارہ زندگی کی طرف لے آئے ہیں۔ بدقسمتی سے یشا میں ہمارے کچھ قدیم شہر اب بھی غیر ملکیوں کے غیر قانونی قبضے میں ہیں [یعنی مقامی فلسطینی مسلمانوں کی آبائی ملکیت میں ہیں: راقم] جو کہ اسرائیل کی نجات کے ''الوہی عمل'' میں خلل انداز ہوئے ہیں۔ یہودی عقیدے اور نجات کے حوالے سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مضبوط اور واضح آواز میں بات کریں۔ ہمارے لوگوں کو متحد کرنے کے ''الوہی عمل'' اور ہماری سرزمین کو ''سلامتی'' اور ''ڈپلومیسی'' کے بظاہر منطقی تصورات سے دھندلانا اور کمزور نہیں کرنا چاہیے۔ وہ صرف سچ کو مسخ اور ہمارے کاز کے انصاف کو کمزور کرتے ہیں۔

ہم باعقیدہ لوگ ہیں۔ یہ ہماری ابدی شناخت کا جوہر اور ہر طرح کے حالات میں ہماری بقا کا راز ہے۔ ہم اپنی شناخت کی پوشیدگی میں ذلیل وخوار ہوئے اور لتاڑے گئے۔ ہمیں ہمارے وطن میں واپس لانے والے نجات کے عمل نے ہمیں ہماری سچی ذات واپس دے دی ہے، جس کو مزید نہیں چھپایا جا سکتا۔ ہم عالمی اسٹیج پر واپس آ چکے ہیں، ہم ایک ذمہ دار حیثیت پا چکے ہیں، جسے ہم دوبارہ کبھی نہیں گنوائیں گے۔ ہمارے موقف کا صرف ایسا ہی واضح، جرات مندانہ اور مسلسل اظہار ہی ہمارے دوستوں اور دشمنوں کو یہودیوں اور ارضِ اسرائیل کی ابدی حقیقت کا احترام کرنے پر آمادہ کرے گا۔''

(2) ''کش ایتزائیون'' ایک اور قابض بستی ہے۔ اس کے آبادکاروں یعنی قبضہ گیر رہائشیوں کا لیڈر ''مشال گولڈاسٹائن'' ہے۔ یہ عسکریت پسند آبادکار اتنے جارحیت پسند ہیں کہ یہ بدنام زمانہ اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون جیسے شدت پسند کو بھی ہلکا ہاتھ رکھنے کا طعنہ دیتے تھے اور اس نے جب 2003ء میں دنیا دکھاوے کے لیے کچھ چھوٹی چھوٹی بستیاں ختم کرنے کا اعلان کیا تاکہ ان کے رہائشیوں کو بڑی بستیوں میں منتقل کیا جا سکے تو بہت سے بنیاد پرست قبضہ کاروں کو یہ بھی برداشت نہ ہوا اور انہوں نے ''قبضے'' کا لفظ استعمال کرنے پر ایریل شیرون پر سخت تنقید کی۔ ان

کے متذکرہ بالا لیڈر نے کہا: ''میں وزیراعظم کی بات پر بہت زیادہ حیران اور غصے میں ہوں۔ میں تو اپنے آپ کو اس علاقے پر قابض نہیں سمجھتا۔ یہ تو ہمارا علاقہ، ہمارا وطن ہے۔''

یہ دو مثالیں تھیں جن سے ان اسرائیلی قابضین کی اس مجنونانہ اور مجرمانہ ذہنیت و سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے جن کا سامنا نہتے اور تنہا فلسطینی مسلمانوں کو ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان مظلوموں سے ان کی آباد زرخیز زمینیں اور انگور و زیتون کے باغات سے سجے ہوئی شاداب قطعے چھینے جا رہے ہیں بلکہ شدت پسند اور بدمزاج وخرد ماغ یہودی قابضین اسے اپنا حق اور کارِ فضیلت سمجھ رہے ہیں۔ واہ میرے مولیٰ! تیری یہ عجیب الخلقت اسرائیلی مخلوق کیسی بدبخت قوم ہے اور یہ کیسی جانگسل آزمائش ہے جو فلسطین کے مظلوموں پر آئی ہے۔

دوسرا پہلو۔ مسیح سے تعلق نجات کا ضامن ہے:

ناجائز یہودی بستیوں کو جواز فراہم کرنے کے فلسفے کا دوسرا پہلو روحانی یا مابعد الطبعیاتی تصورات پر مبنی ہے۔ ان تصورات کا تعلق ''مسیح پرستی'' یا ''مسیحانہ آئیڈیالوجی'' سے ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری نہیں ہونی چاہیے کہ یہودی تحریرات میں جب بھی ''مسیح'' یا ''طاقتور ہستی'' یا ''نجات دہندہ'' جیسے الفاظ کا ذکر آئے تو اس سے مراد کائنات کا فتنۂ اکبر ''دجالِ ملعون'' ہوتا ہے۔ لہٰذا آیندہ ان الفاظ کو خودبخود اس معنی کے تناظر میں پڑھا اور سمجھا جائے۔ اس آئیڈیالوجی میں یہ فرض کیا جاتا ہے: ''مسیح کی آمد متوقع ہے اور یہودی خدا کی مدد سے غیر یہودیوں پر غلبہ پا جائیں گے اور ہمیشہ ان پر حکومت کریں گے۔'' [اور ماشاء اللہ یہودکی غیر یہود پر یہ حکومت خود غیر یہودیوں کے لیے بہتر بلکہ ان کے حق میں نعمت ہوگی]

اس نظریے کے مطابق: ''نجات نزدیک ہے، کیونکہ مسیح کی آمد قریب ہے۔ اور مسیح کی آمد کو جو چیز التوا میں ڈال سکتی ہے، وہ اسرائیل کی وراثتی سرزمین پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہے جو روحانی اعتبار سے ''طاقتور ہستی'' سے تعلق نہیں رکھتے اور اس خامی کی بنا پر وہ نجات پانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی مسیح پرست جس کا تعلق روحانی اعتبار سے ''مقتدر ترین ہستی'' کے ساتھ قائم ہے، کسی جاندار یا بے جان چیز (مثلاً: زن، زر یا زمین) کو چھو لے یا اپنی ملکیت بنا لے تو وہ نجات پا جائے گی۔''

''نجات'' کے اس تصور اور مسیح سے تعلق حاصل کرنے ''تطہیر بخشنے'' کے اس نظریے کا اطلاق ارضِ فلسطین پر بھی ہوتا ہے بلکہ اس کا اولین اطلاق اسی مصداق پر ہوتا ہے۔ لہذا ''مسیحی نہ آئیڈیالوجی'' کے مطابق جب کوئی یہودی قابض کسی فلسطینی مسلمان سے اس کی آبائی منقسمی زمین چھینتا ہے تو یہ قبضہ گیری نہیں، یا دھونس دھاندلی سے لیتا ہے تو یہ سینہ زوری نہیں، یہ تو ''پاک کرنے کا عمل'' ہے۔ مسیح پرستوں کے مطابق اس زمین کو ''شیطانی حلقے'' سے نکال کر ''الوہی حلقے'' میں داخل کر کے نجات دلائی جاتی ہے۔ نجات کا مطلب یہ کہ جب زمین یا کوئی بھی منقولہ یا غیر منقولہ چیز مسیح سے اپنی نسبت کرنے والے یہودی سے منسوب ہو جاتی ہے تو وہ اس کائنات کی ''کُل'' اور ''واحد صداقت'' تک رسائی حاصل کر کے شر سے نجات پا جاتی ہے۔ اسرائیل کی ''الوہی فتح'' کے لیے زمین کو شر انگیز ناپاکی سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ یہ عمل انتہائی بلاکت خیز کیوں نہ ہو یعنی ایٹم بم جیسی انتہائی مہلک چیز کے استعمال کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔

درج بالا فلسفہ مبالغہ آمیز خیال یا وہم معلوم ہوگا اگر ہم یہاں بھی کچھ نامور ''ربائیوں'' کے کم از کم دو حوالے نہ دیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

''(1) شمریا ہوا ریئلی اسرائیل میں مقیم ربائیوں میں منفرد مقام اور منصب کا حامل ہے۔ وہ 1967ء کی جنگ جس میں اسرائیلی افواج نے القدس سمیت بہت سے مسلم علاقے پر قبضہ کیے رکھا، کے متعلق لکھتا ہے:

''1967ء کی جنگ ایک ''مابعد الطبعیاتی کایا کلپ'' تھی اور اسرائیل کی فتح زمین کو ''شیطانی قوتوں کے دائرے'' سے نکال کر ''الوہی دائرے'' میں لے آئی تھی۔ اس سے مفروضے کی سطح پر یہ ثابت ہو گیا کہ ''مسیحانہ دور'' شروع ہو چکا ہے۔''

(2) ''ای ہدایا'' نامی ربی اپنی تعلیمات میں اسی فلسفے کی یوں تشریح کرتا ہے:

''1967ء کی فتوحات نے زمین کو دوسرے فریق [یہ شیطان کا مہذبانہ نام ہے] سے آزاد کرا لیا۔ ایک باطنی قوت سے جو شر، ناپاکی اور کرپشن سے تجسیم ہے۔ یوں ہم یہودی ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں، جس میں دنیا پر ''مطلق حاکمیت'' قائم ہو جاتی ہے۔''

ان جنونیت پسند اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑے ہوئے انتہا پسند یہودیوں کے مطابق اگر اسرائیلی حکومت نے مفتوحہ علاقوں سے انخلا کیا تو اس کے ''مابعد الطبیعاتی'' نتائج برآمد ہوں گے یعنی خدا ناراض ہو جائے گا، روح ناپاک ہو جائے گی اور زمین پر شیطان کا اقتدار دوبارہ قائم ہوسکتا ہے۔ رہاجانوں کا ضیاع تو شیطان کی اور بدی کی حکومت ختم کرنے اور نجات کا رُخ تبدیل کرنے سے بچنے کے لیے ہلاکت انگیز عمل ویسے بھی ضروری ہے۔

عام قارئین کو یہ توضیحات نہایت عجیب وغریب دکھائی دیتی ہوں گی لیکن شاید وہ وقت قریب سے قریب تر ہوتا جارہا ہے جب دنیا ان مغضوب ومقہور جنونیوں کی برپا کردہ دجالی شورش کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔

آخری دو باتیں:

آخر میں ہم ایک بات امریکی اور یورپی عوام سے کہیں گے اور ایک عالم اسلام کے باشندوں سے۔

یہودی شدت پسندوں کی برپا کردہ یہ شورش جو تیسری جنگ عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، صرف عربوں یا مسلمانوں کے خلاف نہیں، تمام غیر یہودیوں بشمول امریکیوں کے خلاف ہے۔ ''مسیحا پرستوں'' کے نزدیک تمام غیر یہودی چاہے وہ امریکی یا یورپی کیوں نہ ہوں، ''جنٹائل'' ہیں اور تمام جنٹائل (غیر یہودیوں کے لیے سکہ بند یہودی اصطلاح) شیطان کے قبضے میں ہیں۔ چونکہ شیطان منطق خوب جانتا ہے اس لیے شیطانی قوت اور اس قوت کی ارضی تجسیم یعنی غیر یہودیوں کو صرف غیر منطقی اقدام کے ذریعے توڑا جاسکتا ہے۔ یہ اقدام ایک طرح کا جادوئی باطنی منصوبہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ آج مارچ 2009ء میں امریکی نائب صدر کے ساتھ ہوا، یہی کچھ پچھلی صدی کی آخری دہائی میں بھی یہود نواز امریکا کے ساتھ ہوا تھا جب امریکی وزیر خارجہ جیمز بیکر اسرائیل آیا تو ایک شدت پسند یہودی تنظیم ''گش ایمونیم'' یعنی ''ایمان والوں کی جماعت'' نے شیطان کی قوت اور اس کا امریکی روپ توڑنے کے لیے اس باطنی منصوبے پر عمل کیا تھا کہ ارض اسرائیل کو شیطان کے قبضے سے آزاد کروانے کے لیے نئی آبادیاں قائم کرنے کا اعلان کیا۔ آج بھی انہوں نے اس خفیہ باطنی فلسفے کے تحت یہ حرکت کی ہے جس میں فلسطینی مسلمان اور امریکی عیسائی دونوں کو یکساں طور پر شیطانی قوتوں کا

مظہر سمجھتے ہوئے ایک طرح کا سفلی عمل کیا گیا ہے۔ اسے اتفاق یا محض اپنی قوت کا سیاسی مظاہرہ سمجھنا قطعاً غلط ہوگا۔ یعنی یا یہ جہالت ہوگا اور یا تغافل دونوں کی تفصیل ہم مضمون کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔ امریکیوں کو چاہیے نہ جاہل بنیں اور نہ منافقین کے ورغلانے میں آئیں۔ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سانپ کو اپنی آستین سے نکال باہر کریں۔

برادرانِ اسلام سے یہ عرض کرتا ہے کہ خدارا! یہودی بستیوں کے قیام کو ہلکا نہ لیں۔ یہ "لارڈ کے تخت کی ارضی مدد" ہے۔ خفیہ یہودی نظریات کے مطابق ریاست اسرائیل اس دنیا میں "لارڈ کے تخت کی بنیاد" ہے۔ یہ زمین پر "آسمانی بادشاہت کی اساس" ہے۔ ان بستیوں کے ذریعے بنی اسرائیل کی "موروثی زمین کی تطہیر" کے بعد اگلا ناپاک قدم مسجد اقصیٰ کے خلاف اُٹھے گا اور اسے دو یا تین حصوں میں تقسیم کر کے تطہیر کے عمل کا "حتمی آغاز" کیا جائے گا جو اللہ نے چاہا تو نفرت کی اس ریاست کے انجام کا آغاز بھی ہوگا۔

اگر...... اللہ نہ کرے...... بیت المقدس کے دو حصے ہوئے تو نصف جنوبی مسلمانوں کے پاس رہنے دیا جائے گا جس میں مسجد اقصیٰ کا ہال ہے اور نصف شمالی یہودی قبضہ کرلیں گے جس میں دنیا کی خوبصورت ترین عمارت "زرد گنبد" ہے۔ اس کے نیچے موجود مقدس چٹان پر بے داغ زرد کھال والے بچھڑے کی قربانی ہوگی تو "مسیحا" خروج کر آئے گا اور جب مسیحا خروج کرے گا وہ "منزہ عن الخطا الوہی راہنمائی" کی بنا پر "ازلی انفرادیت" کی حامل "خدا کی محبوب قوم" کو "الوہی مقصد کی تکمیل" کے لیے ساری دنیا پر "مطلق العنان بادشاہت" قائم کر کے دے گا۔ ایسی بادشاہت جس میں ناپاک ارواح کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

اور اگر خدانخواستہ مسجد اقصیٰ کے ابتدائی طور پر تین حصے ہوتے ہیں تو وہ اس نقشے کے مطابق ہوں گے جو غامدی مکتب فکر کے بعض اسرائیلیت زدہ تحقیق کاروں نے اسلامی تاریخ کی انوکھی منطق "ارضِ فلسطین کی وراثت اور مسجدِ اقصیٰ کی تولیت یہود کا حق ہے" کے مقالے کے ساتھ ہمارے ایک رسالے (ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ) کے اندرونی ٹائٹل پر چھاپا تھا۔ ان حضرات نے اس کا حوالہ نہیں دیا تھا، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روس سے نقل مکانی کر کے اسرائیل

جا بسنے والے ایک یہودی پروفیسر ''آشرکوف'' کا تجویز کردہ تھا جس میں موجودہ مسجد اقصیٰ کے تین حصے کر کے دایاں یا بایاں حصہ یہود کو دینے کی ''پُرخلوص'' تجویز دی گئی تھی۔

اینٹ نہ سہی تو ذرّہ:

الغرض خاکم بدہن! مسجد اقصیٰ کے دو حصے کرنے کی تجویز ہو یا تین، عالم اسلام کو اس حوالے سے یک جان و یک زبان ہو جانا چاہیے کہ وہ دجال اور اس کو ''مسیح السلام'' سمجھنے والے انسانیت دشمن جنونیت پسند یہودیوں کے ہاتھ مسجد اقصیٰ کی ایک اینٹ تک بھی نہ پہنچنے دیں گے۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا، ہماری غیرت کا امتحان اور مستقبل قریب میں ہماری بقا اور نجات کی کسوٹی ہے۔ دجال کے پیروکار اگر جھوٹے وعدوں کے موعودہ لمحات کو قریب سمجھتے ہیں تو ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کے سچے وعدوں پر یقین نہ کریں اور مطہر و مقدس ''القدس'' کی تطہیر و تقدیس کے لیے اپنی جان، مال، زبان اور اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت یا طاقت کو استعمال کرنے کا عہد نہ کریں۔ ''لارڈ کے تخت کی بنیاد'' رکھنے کی طرف تیزی سے بڑھنے والے ابدی ذلت کا شکار ہوں گے، تو ہم کیوں نہ ان لوگوں میں شامل ہونے کا عہد کرلیں جو پورے کرۂ ارض پر قائم ہونے والی خلافت الٰہیہ کی اینٹ یا ذرے کے طور پر استعمال ہوں گے۔

دجالی ریاست کا خاتمہ: وجہ اور وجوہات

18 جون 2010ء کو دو گرما گرم خبریں قارئین کی نظر سے گزری ہوں گی۔ ایک زیرِ نظر مضمون کے شروع میں اور دوسری آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلی خبر کچھ یوں ہے:

''اسرائیل آیندہ 20 سال کے دوران دنیا کے نقشے سے مٹ جائے گا اور لاکھوں فلسطینی مہاجرین مقبوضہ علاقوں میں اپنے گھروں میں واپس آجائیں گے۔ یہ پیش گوئی امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کی ایک رپورٹ میں کی گئی ہے۔ امریکی سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی کے بعض ارکان کو بھی اس رپورٹ کے مندرجات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے امریکی عوام گزشتہ 25 سالوں سے فلسطینی باشندوں پر اسرائیلی مظالم کا مشاہدہ کر رہے ہیں، وہ اب مزید خاموش نہیں رہیں گے۔ جنوبی افریقہ میں نسل پرست حکومت کا خاتمہ اور سابق سوویت یونین کی تحلیل جیسے حقائق یہ واضح کر رہے ہیں کہ اسرائیل جو نوآبادیاتی طاقتوں کا ایک منصوبہ تھا، تاریخ کے ہاتھوں جلد یا بدیر اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے صورتِ حال تیزی کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ کے مسئلے کے ''دو ریاستی حل'' سے ''ایک ریاستی'' حل کی طرف جا رہی ہے جس کے نتیجے میں آیندہ 15 سال کے دوران 20 لاکھ یہودی امریکا جبکہ 15 لاکھ سے زیادہ روس اور یورپ کے دیگر حصوں کو منتقل ہو جائیں گے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے نسل پرستی کے اصول پر قائم اسرائیلی حکومت کے خلاف امریکا میں رائے عامہ تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ امریکی ذرائع ابلاغ کے مطابق اس وقت امریکا میں 15 لاکھ کے قریب یہودی آباد ہیں۔'' (18 جون 2010ء کے قومی اخبارات)

اس خبر میں اسرائیل کے ٹوٹنے اور ارضِ مقدس کے آزاد ہونے کی ایک ہی وجہ بیان کی گئی ہے: امریکی عوام کا خاموش نہ رہنا، لیکن کیا امریکی عوام کی خاموشی یا ناراضی اتنی قوی اور

موثر وجہ ہے جو دنیا کا جغرافیہ تبدیل کر سکے؟ شاید نہیں۔ سی آئی اے کی یہ رپورٹ غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ غیر جامع بھی ہے۔ اگرچہ اس رپورٹ کا مقصد اسرائیلی مظالم کی چکی میں پسنے والے مسلمانوں سے ہمدردی یا اسرائیل کی مخالفت نہیں، اس کی وجہ یہودی میڈیا کو اس جانب متوجہ کرنا ہے کہ وہ امریکی عوام کو ساتھ ملائے رکھنے پر محنت کرے، ورنہ لے پالک کا تیا پانچہ ہوسکتا ہے، اس وجہ کا تدارک بھی سی آئی اے اور موساد مل کر کر لے گی، لیکن ان دیگر وجوہات کا کیا ہوگا جن کی طویل فہرست ہے؟ جی ہاں! پوری فہرست۔ کیونکہ اگر غور کیا جائے تو اسرائیل کو درپیش خطرات اور القدس کی آزادی کی اور بھی متعدد وجوہ ہیں، بلکہ وجوہ کی انواع و اقسام ہیں جن کا ہم غیر جانبداری سے جائزہ لیتے ہیں۔

ایک وجہ تو تکوینی ہے۔ اللہ رب العزت نے دو مرتبہ یہود کی نافرمانیوں پر انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی۔ پہلی مرتبہ موسوی شریعت کے انکار پر عراقی بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں اور دوسری مرتبہ شریعت عیسوی کے انکار پر رومی جنرل طیطوس (ٹائی ٹس) کے ہاتھوں۔ اب شریعت محمدی کے انکار پر ان کو صرف وطن سے نہیں، دنیا سے ہی جلاوطن کر دیا جائے گا۔ یہ یہاں از خود اکٹھے نہیں ہوئے، مشیت الٰہی نے انہیں اکٹھا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے حاضر کریں گے۔'' (بنی اسرائیل:104)

دوسری وجہ تیسری جنگ عظیم کا امکان اور اس میں دنیا بھر کے مجاہدین اور منصف مزاج عیسائیوں کا فلسطین کے مظلومین ومحصورین کی امداد اور پھر ہرمجدون کے میدان میں تاریخ ساز معرکہ آرائی ہوسکتی ہے۔ اس وجہ کا تعلق چونکہ کسی درجے میں آخر زمانے کی علامت سے جڑتا ہے اور ان علامات میں حد درجے کا ابہام ہے، اس لیے ہم اس وجہ کی تطبیق یا اس کی تشریح پر اصرار نہیں کرتے۔ اللہ ہی اپنے رازوں کو بہتر جانتا ہے۔ ہم اگلی وجہ کی طرف چلتے ہیں۔

ایک بڑی وجہ یہودیوں میں پائے جانے والے حد درجہ متشدد اور انتہا پسند مذہبی گروہ اور ان کا باہمی اختلاف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: ''تم ان کو سرسری نظر سے دیکھنے میں ایک

سمجھو گے لیکن درحقیقت ان کے دل جدا جدا ہیں۔'' (الحشر: ١٤)

اس انتشار وافتراق کی حقیقت کا احساس آج کے اسرائیلی معاشرے کا جائزہ لینے سے ہوسکتا ہے۔ اس معاشرے میں مذہبی بنیاد پر تقسیم در تقسیم کا عمل روزِ اول سے جاری وساری ہے۔ ہر مذہبی گروپ کی الگ سیاسی پارٹی اور اپنے الگ ربّی ہیں۔ آگے کی بات کا تصور کرنا مشکل نہیں ہے کہ دنیا کی سیاست کی طرح آخرت میں جنت کا استحقاق بھی اسی گروہ بندی کی اساس پر تقسیم ہوتا ہے۔

ایک بڑا نسلی اختلاف اشکنازی اور سیفرڈی یہودیوں کا ہے۔ عبرانی میں سیفرڈی کا مطلب ہے: ''ہسپانوی۔'' مسلم ہسپانوی سلطنت میں رہنے والے یہودی تارکین وطن مسلمانوں کی اہل کتاب سے نرم مزاجی کی وجہ سے بہت پھلے پھولے۔ ان میں نسلی افتخار اتنا زیادہ ہے کہ وہ بقیہ یہودیوں کو حد درجہ حقیر سمجھتے ہیں۔ مثلاً: موسیٰ بن میمون نے جو خلافت ہسپانیہ کے دور میں خلفاء کے قریب رہا اور ازمنۂ وسطیٰ کا ایک مشہور ربّی اور فلسفی تھا، نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی تھی:

''اپنی روح کی حفاظت کرنا اور اشکنازی ربیوں کی لکھی ہوئی کتابیں مت پڑھنا۔ یہ لوگ صرف تب لارڈ پر ایمان لاتے ہیں جب سر کے اور لہسن میں پکایا ہوا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کا ایقان ہے کہ لارڈ ان کے قریب ہے۔ اے میرے بیٹے! صرف اپنے سیفرڈی بھائیوں کی صحبت اختیار کرنا جو ''اہالیانِ اندلسیہ'' کہلاتے ہیں۔ صرف یہی لوگ ذہین ہیں۔''

دوسری طرف اشکنازی یہود اپنے مخالف سیفرڈی یہودیوں سے رشتہ ناتا نہ کرنے سے لے کر ان پر جادو کرنے تک کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں۔ دونوں گروہوں میں نسلی تعصب وبرتری کا اظہار اسرائیلی معاشرے کو مستقلاً انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رکھتا ہے۔

ایک تیسری تقسیم مذہبی، روایت پسند اور سیکولر یہودیوں کی بھی ہے۔ یہ تقسیم مذہبی احکامات پر عمل کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے ہے۔ یورپ سے آنے والے یہودی آزاد خیال اور اباحیت پسند ہیں۔ مشرقی ممالک سے گئے ہوئے یہودی کٹر قدامت پسند ہیں۔

کچھ یہودی مخصوص روایات اور رسوم کی حد تک یہودی ہیں۔ اس طرح یہ معاشرہ مذہب پر عمل کے لحاظ سے بھی تین حصوں میں تقسیم ہے:

(1) مذہبی یہودی آرتھوڈکس ربّیوں کی تشریحوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہودی مذہب کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے یہودی عقیدے سے زیادہ عمل پر زور دیتے ہیں۔ اسرائیل میں اصلاح پسند اور قدامت پسند یہودی تھوڑے ہیں۔

(2) روایت پسند یہودی کچھ زیادہ اہم احکامات پر تو عمل کرتے ہیں لیکن زیادہ سخت احکامات سے روگردانی کرتے ہیں۔ تاہم وہ ربّیوں اور مذہب کا احترام ضرور کرتے ہیں۔

(3) جہاں تک سیکولر یہودیوں کا تعلق ہے تو ممکن ہے وہ کبھی کبھی ''سیناگوگ'' چلے جاتے ہوں تاہم وہ ربیوں کا احترام کرتے ہیں نہ مذہبی اداروں کا۔ اگرچہ روایتی اور سیکولر یہودیوں کے درمیان کھنچی ہوئی لکیر اکثر غیر حقیقی ہوتی ہے، تاہم دستیاب تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ 25 سے 30 فیصد تک اسرائیلی یہودی سیکولر ہیں۔ 50 سے 55 فیصد تک روایتی ہیں اور تقریباً 20 فیصد مذہبی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر اسرائیلی معاشرہ کبھی بھی متحد معاشرہ نہیں بن سکتا۔ یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہوئے ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور رہے گا نام صرف اللہ کا۔ تبھی تو ان اسرائیلی باشندوں نے جو دوسرے ممالک سے نقل مکانی کر کے فلسطینی مسلمانوں کی زمین پر آ بسے ہیں، اپنے پرانے پاسپورٹ ضائع نہیں کیے۔ وہ دہری شہریت کے حامل رہنا چاہتے ہیں اور ''واپسی کا سفر'' یا ''مسیحا کی آمد'' دونوں کے لیے تیار رہتے ہیں۔

یہ تو اندرونی وجوہات ہوگئیں۔ بیرونی اعتبار سے نہ صرف یہ کہ اسرائیل پڑوسی عرب ممالک سے مستقل اور دائمی وجوہات پر مشتمل تنازعات برپا کیے ہوئے ہے، بلکہ اس کی ناانصافی پر اس سے وہ ممالک بھی نالاں ہیں جو کبھی اس کی حمایت میں اقوام متحدہ میں ووٹ دیتے رہے ہیں۔ حال ہی میں جس شدت اور وحشت بھرے رویے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے ''فریڈم فلوٹیلا'' کو روکا ہے، اس نے اس کے خوفناک چہرے کے سیاہ دھندلے

نقوش دنیا کے سامنے ظاہر کر دیے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ امریکی اور مغربی دنیا اس کے روایتی شدت پسندانہ نظریات سے بیزار ہوتی جارہی ہے اور یہ بیزاری جلد یا بدیر ضرور رنگ لائے گی۔ ان شاء اللہ!

دوسری طرف افغانستان (یعنی خراسان: دریائے آمو سے اٹک تک) میں اس بے تحاشا معدنی دولت کی دریافت کی خبریں آگئی ہیں جس کا کئی سال پہلے انہی کالموں اور نقشوں میں اظہار کر دیا گیا تھا۔ اس وقت اس پر ویسے ہی تعجب کیا جاتا تھا جیسے آج دجالیات پر مشتمل تحریروں پر کیا جاتا ہے۔ حامد کرزئی اپنے گھر کی دولت یہود نواز قوتوں کو سپرد کر کے خود خیرات کا کشکول ڈونر ممالک کے سامنے پھیلاتے رہیں، لیکن اس خطۂ ہجرت و جہاد کی دولت اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اور انفاق فی سبیل اللہ کے اصول کے تحت خرچ ہوئی تو مشرق و مغرب کے فاصلے سمٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔ سعودی عرب نے مالدار ہونے کے بعد اپنی سرحد ''القدس'' سے ہٹالی اور فلسطین کی سرحد سے لگنے والی سرزمین اُردن کے حوالے کر دی، لیکن ظنِ غالب ہے افغانستان جب سعودیہ جیسا مالدار ہو جائے گا تو وہ اسلامی دنیا کا حق فراموش نہ کرے گا، کیونکہ اسلامی دنیا نے اس کی غربت کے دنوں میں اسے فراموش نہیں کیا تھا۔ اللہ کرے کہ رحمانی ریاست کے عروج کے یہ دن اور عالم اسلام کے اتحاد و ترقی کا یہ منظر ہمیں بھی دیکھنا نصیب ہو۔ آمین

دجّال (1) اور دجّال (2)
سے متعلق
قارئین کے سوالات
اور
ان کے جوابات

سورۂ کہف کی آیات کی خاصیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب سے یہ معلوم کرنا تھا کہ سورۂ کہف میں کون سی خاصیت ہے جس کی وجہ سے یہ سورۃ فتنہ دجال سے بچانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے؟

والسلام..... عبداللہ

جواب:

اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دُعاؤں اور وظائف کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ان دُعاؤں کی تلقین کی ہے جن میں خاص روحانی اور تکوینی تاثیر ہے اور اس کو قبولیت میں خاص دخل ہے۔ ان الفاظ میں بھی کچھ ایسی ہی غیبی برکت ہے۔ البتہ یہ بات مدنظر رہے کہ اُمت کو صرف دُعا کی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ دُعاؤں کے ساتھ ساتھ عمل کی تلقین بھی کی ہے۔ مثلاً: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی کہ ''...... لزمتنی وھموم یعرفون اللہ'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دُعا تعلیم فرمائی جو نہ صرف دُعا تھی بلکہ شجاعت، ہمت اور سخاوت کی تعلیم بھی تھی۔ اللھم انی اعوذ بک من الھم والغم والحزن والکسل ومن غلبۃ الدین وقھر الرجال'' سورۂ کہف بھی صرف ایک وظیفہ نہیں بلکہ اس سورۃ میں ایک اہم پیغام بھی ہے کہ فتنہ دجال سے بچنے کے لیے ہمیں اصحاب کہف کا کردار بھی دُہرانا پڑے گا۔ دین کی حفاظت کے لیے پہاڑوں کو مسکن بنانے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا اور ساتھ ساتھ سورہ کہف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مدد بھی حاصل کرنا ہے کیونکہ ذکر اللہ (تلاوت) روح کے لیے بمنزلہ آکسیجن ہے۔

ایمان کی حفاظت کے لیے جب اصحاب کہف یا اصحاب تورا بوڑا کا جذبہ بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست بھی تو پھر ان شاء اللہ دجالی قوتوں کا مقابلہ آسان ہوگا۔

حرمین میں مخصوص علامات

محترم مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ نے احقر کو اس سال حج کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دُعا فرمائیں اللہ میرے سمیت تمام مسلمانوں کا حج قبول فرمائے اور بار بار حرمین کی زیارت نصیب فرمائے۔

حج کے بابرکت سفر کے دوران ایک اہم چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے ناچیز کی توجہ مبذول کروائی۔ وہ یہ کہ پولیس، شہری دفاع اور فائر بریگیڈ کے تمام اہلکاروں کی وردیوں اور دفاتر پر دجالی نشانات (تکون، اکلوتی آنکھ اور شیطانی تاج) نمایاں طور پر واضح تھے۔ یہاں تک کہ منیٰ میں شہری دفاع کے دفتر میں جو قالین بچھے ہوئے تھے، ان پر بھی دجالی تکون بنی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ تمام میڈیکل اسٹورز پر سانپ کا نشان بنا ہوا تھا۔

کچھ پمفلٹ احقر کے ہاتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگی ہوئی نمائش میں لگے جو آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ پولیس کے کارکن اور شہری دفاع کے لوگ اپنے فرائض حرم مکہ اور حرم مدینہ کے علاوہ مشاعر (منیٰ، مزدلفہ، عرفات) میں بھی سرانجام دے رہے تھے تو دجالی نشانات تمام حرمین میں ان کے ساتھ ساتھ گردش کر رہے تھے جو کہ ایک نہایت ہی تشویش ناک بات ہے۔ یہ نشانات آپ شہری دفاع کی ویب سائٹ (www.998.gov.sa) اور ٹریفک کنٹرول کی ویب سائٹ (www.saher.gov.sa) پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ گاڑیوں کی نمبر پلیٹ پر بھی دجالی تکون بنی ہوئی تھی۔ دُعا فرمائیں اللہ رب العزت مجھے میرے خاندان اور تمام مسلمانوں کو دجال کے فتنے سے محفوظ رکھے اور اگر میری زندگی میں حضرت مہدی کا خروج ہو تو اس میں شامل ہونے کی توفیق دے۔ آمین والسلام ......عثمان احمد

جواب:

ان علامات کے حوالے سے اس کتاب میں تفصیلی بحث آ گئی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ انکشافات عامۃ المسلمین کی بیداری، دجالی علامات کو مٹانے، حرمین شریفین کو ان سے محفوظ بنانے اور رحمانی شعائر و علامات کو پھیلانے کا ذریعہ بنے۔

شکوہ نہیں شکریہ!

محترم مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے لیے انتہائی سعادت کی گھڑی ہے کہ آپ سے شرفِ خطاب سے بہرہ ور ہو رہا ہوں۔ بندہ نے جناب کی محنت، کاوش اور اچھوتی تحریر کا بغور مطالعہ کیا۔ ایک نامانوس اور غیر مشہور بلکہ متوحش قسم کے عنوان کو آپ نے امت کے ذہنوں کے قریب تر لانے کی ایک مشکور اور لائق تحسین سعی فرمائی۔ اس کی جس قدر حوصلہ افزائی کی جائے، وہ ہیچ ثابت ہوگی۔ اس پیچیدہ اور عمیق فن کی بیش بہا معلومات سے آپ نے نقاب کشائی فرمائی ہے۔ بندہ نے اس بارے میں دو درجن سے زائد کتب سے استفادہ کیا ہے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھتے ہیں ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

(1) لنگڑے جرنیل کا مصداق:

آں محترم نے اپنی کتاب ''دجال کون ہے؟'' کے صفحہ 197 پر ''ہرمجدون'' کتاب کے حوالے سے یمن کے لنگڑے جرنیل کا ذکر کیا اور اس سے مراد ''جنرل رچرڈ مائرز'' لیا۔ بندہ نے بہت سے کتب اور انٹرنیٹ سے اس بارہ میں معلومات لیں، لیکن بات واضح نہیں ہو سکی اور نیٹ پر جو ''[illegible]'' دکھایا گیا ہے، وہ نہ لنگڑا ہے اور نہ ہی بیساکھیوں پر چلتا ہے۔ اگر جناب والا کے پاس کوئی وضاحت اور تفصیل ہے تو براہ کرم اُمت کے سامنے پیش کریں تاکہ یہ بات مزید آشکارا ہو جائے اور احادیث و آثار پر ایمان و اعتماد مزید پختہ ہو جائے۔ مزید یہ کہ ''کتاب الفتن'' (حافظ نعیم بن حماد مروزی) میرے ہاتھ میں ہے اور بندہ اس کا مطالعہ کر چکا ہے۔ مگر لنگڑے جرنیل کا

وصف اس میں کہیں نہیں ملا کہ وہ تمغے وغیرہ سجا کر ظاہر ہوگا اور بے ساختہ ناظر کے منہ سے یہ نکلے گا:

''سبحان اللہ! واقعی مہدی کا ظہور قریب تر ہے کیونکہ کینیڈین لنگڑا جرنیل ظاہر ہو چکا ہے۔''

اگر آں محترم کے پاس اس کا حوالہ موجود ہو تو براہ تعاون اس سے آگاہ فرمائیں اور ''الفتن'' میں یہ روایت حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند مرفوع نہیں، یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ صحابی کی غیر مدرک بالقیاس بات حدیث رسول کے حکم میں ہے لیکن ناقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو واضح کرے کہ یہ اثر صحابی ہے۔

(2) کیا اصحابِ کہف دوبارہ زندہ ہوں گے؟

سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے بعد ان کی معاون شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے ''امام ابوعبداللہ القرطبی'' نے اپنی سند کے ساتھ ''محمد بن کعب القرظیؒ'' کے حوالے سے اصحاب کہف کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کریں گے۔ انہوں نے یہ بات تورات وانجیل کے حوالے سے نقل کی ہے۔

(التذکرہ للامام قرطبیؒ، تاریخ ابن کثیر، ج:8، ص:130)

اسی سلسلے میں یہ استفسار کرتا ہے کیا "لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوه" کے تحت ظنی طور پر اس بات کو مان لینے میں ہمارے کوئی شرعی رکاوٹ تو نہیں؟ تائیداً یہ بات بھی پیش خدمت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے بعض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک موجود تھے اور ''نصلہ بن معاویہ'' سے ان کی ملاقات ثابت ہے جس میں انہوں نے اپنا نام ''زرنب بن برتملا'' بتلایا اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میرے لیے دُعا کی تھی کہ ان کے آسمان سے نازل ہونے تک باقی رہوں۔ اس واقعے کی خبر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دی گئی تو انہوں نے تائید فرمائی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بعض وصی عراق کے کنارے اُترے تھے۔

(عبرت کا سامان، اُردو ترجمہ، التذکرہ للامام قرطبیؒ، ص234، از مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید)

(3) دجال 1 کی احادیث کی تخریج:

مؤدبانہ گزارش ہے آیندہ ایڈیشن میں حوالہ جات کی تخریج ہو جائے تو عظیم کاوش بھی ہوگی اور

اہلِ ذوق کے لیے باعثِ سہولت بھی۔

(4) دجال کس جنس سے تعلق رکھتا ہے؟

آپ نے دجال کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا ہے: ''یہ تو سیدھی سادی بات ہوئی کہ دجال جناتی قوتوں کا حامل ایک نیم انسانی، نیم جناتی قسم کی آزمائشی مخلوق ہے۔'' (ص: 147)

اس ضمن میں مزید تائید کے طور پر ایک حوالہ پیش خدمت ہے: ''علامہ محمد بن رسول البرزنجی الحسینیؒ'' نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''الاشاعۃ لاشراط الساعۃ'' ص 217 دارالحدیث قاہرہ طبع 2002ء میں لکھا ہے:'' و کانت أمه عشقت أباه، فأولدها شقا، و كانت الشياطين تعمل له العجائب، فحبسه سليمان النبي عليه السلام، و لقبه المسيح. "

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دجال واقعی جن اور انسان کی مخلوط جنس ہے۔ اس سے دجال کی جنس کے ساتھ ساتھ اس کا زمانہ بھی واضح ہوتا ہے۔

(5) 2012ء میں کیا ہوگا؟

آپ نے اپنی کتاب میں ظنی طور پر تورات کے حوالے سے اسرائیل کے خاتمہ یا خاتمے کے آغاز کا سال 2012ء لکھا ہے۔ آپ کی بات ظن اور قیاس کی حد تک صحیح اور درست ہے، لیکن عوام اس بارے میں 2012ء کو یقینی طور پر مراد لے رہے ہیں۔ اگرچہ آپ نے اپنے قارئین کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ یہ بات ظنی ہے، حتمی نہیں۔ لیکن 2012ء کے نام پر انگلش فلم (جس میں اس سال عالمی جنگ اور دنیا کا اختتام دکھایا گیا ہے) منظرعام پر آنے کے بعد مشکل میں اضافہ ہوگیا ہے۔ نوجوان بار بار آپ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ بندہ اس سلسلہ میں عرض گزار ہے کہ آپ اگر اس بابت مزید کچھ رقم فرمادیں گے تو یہ ہوا جو چل پڑی ہے، وہ صحیح سمت اختیار کرلے گی۔

(6) مدارس میں ''دجالیات'' کی تدریس:

آخر میں آپ کی وساطت سے اہل مدارس سے التماس ہے کہ دجالیات کے موضوع کو نصاب کا حصہ بنا کر معلم ومؤدب کے حوالے کیا جانا چاہیے کہ وہ باقاعدہ تدریس کے اسلوب میں طلبہ کو پڑھائے تاکہ دجال جیسے عظیم فتنہ سے اُمت کو مکمل آگاہی حاصل ہو۔ بندہ اس بابت ایک تائید بھی

رکھتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں دجال کے بارے میں مذکورہ طویل حدیث کے بعد امام ابن ماجہ کی بات پیش کرتا ہوں: "قال أبو عبداللّٰہ، سمعت أباالحسن الطنافسی یقول، سمعت عبدالرحمن المحاربی یقول: "ینبغی أن یدفع ھذا الحدیث إلی المؤدب؛ لیعلّمه الصبیان فی الکُتّاب." (سنن ابن ماجه، باب فتنة الدجال، ص:299، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ مشورہ امام ابن ماجہ کے دادا استاد کا ان کے استاد کو تھا۔ آج تو اس کی ضرورت و اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں علماء وائمہ کو خوب تیاری کرنا چاہیے تاکہ وہ عوام الناس کو پوری طرح باخبر کرسکیں۔ جتنا یہ فتنہ عظیم اور شدید ہے، اُمت بالخصوص علماء وائمہ اس کے تذکرے اور تیاری سے اتنے ہی غافل ہیں۔ مسند احمد میں مذکور ایک حدیث میں ہے: "عن صعب بن جثامة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "لایخرج الدجال حتی یذھل الناس عن ذکرہ، حتیٰ تترك الأئمة ذکرہ علی المنابر." بندہ نے اپنی بساط کے بقدر اپنے مدرسہ میں باقاعدہ دجالیات کو پڑھانا شروع کردیا ہے اور مسجد میں جمعہ کے خطبہ میں دجال کا تذکرہ بھی باقاعدگی سے کرتا ہے۔ نوجوانوں کو خاص طور پر اس سلسلے میں سرفہرست رکھا ہے۔ آپ سے دُعاؤں کا طلب گار ہوں۔ "تعاونوا علی البر والتقویٰ" کے تحت چند بے ربط باتیں کرنے کی جسارت کی ہے۔ اگر مزاج پر گراں گزریں تو بندہ معافی کا خواستگار ہے۔

والسلام..... محمد مسعود، فیصل آباد

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یاد آوری اور عزت افزائی کا شکریہ۔ احقر کسی اچھے سوال یا علمی بحث مباحثے کا دل سے خیر مقدم کرتا اور اس پر شکر گزار رہتا ہے اور اسے شکوہ نہیں، شکریے کا موقع سمجھتا ہے۔ آں جناب کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

(1) ان سطور کو سیاق وسباق کے ساتھ بغور مطالعے کی ضرورت ہے۔ یہ عبارت راقم کی نہیں۔ نہ اس کی تطبیق مراد بندہ کی متعین کردہ ہے۔ یہ حوالہ دکتور امین جمال الدین کی کتاب ہرمجدون کے

ترجمے سے بعینہٖ لیا گیا ہے اور یہ ان بارہ حوالہ جات میں سے پہلا حوالہ ہے جو راقم نے بلاکسی تائید وتردید کے محض اس لیے نقل کیے کہ اُمت مسلمہ کے زعماء مستقبل قریب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ان کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ تمام حوالہ جات بلاتبصرہ نقل کیے جارہے ہیں۔ جہاں تک رچرڈ مائرکو لنگڑا اور بیساکھیوں کے سہارے چلنے والا کہا گیا ہے، یہ دکتور امین کا اپنا مشاہدہ ہے کہ میں نے اسے افغانستان کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے کے لیے آتے ہوئے دیکھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس کا پاؤں موچ کا شکار ہو اور عارضی طور پر بیساکھیوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو۔ کتاب الفتن کے الفاظ یہ ہیں: "ثم يظهر الكندي في شارة حسنة" اس کا ترجمہ پروفیسر خورشید احمد نے یوں کیا ہے: ''پھر لنگڑا کینیڈین خوبصورت بیج لگا کر ظاہر ہوگا۔'' ''شارہ'' کے معنی "لباس رائع جميل" کے ہیں۔ اس اعتبار سے خوبصورت بیج کی بہ نسبت خوبصورت وردی کا ترجمہ زیادہ قریب الالفاظ ہے۔ بیج تو فوجی کی وردی کا حصہ ہوتے ہی ہیں۔ اس سے آگے کی عبارت جس نے آپ کو خلجان اور تشویش میں مبتلا کیا: ''اور بے ساختہ تیرے منہ سے نکلے گا...... '' یہ دکتور امین کی ہے۔ کعب احبار سے منقول اثر کا حصہ نہیں۔ اس میں دکتور امین نے عربی ادب کے مخصوص اسلوب میں قاری کو مخاطب تصور کر کے بصیغۂ خطاب یہ جملہ لکھا ہے۔ آپ واوین کو دیکھیں۔ وہ جہاں ختم ہوتے ہیں، حدیث کا ترجمہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دکتور امین کا تبصرہ ہے۔ جہاں تک حدیث اور اثر کے فرق کو ملحوظ رکھنے کی بات ہے تو یہ احتیاط کرنی چاہیے۔ دکتور محترم کی اصل عربی عبارت ہمارے سامنے نہیں، پروفیسر خورشید احمد کا ترجمہ ہے۔ اب نہیں معلوم کہ یہ فروگزاشت مصنف سے ہوئی ہے یا مترجم سے۔ اللہ تعالیٰ سب کی حسنات قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

(2) راقم نے یہ حوالہ تورات وانجیل میں تلاش کیا، نہیں ملا۔ آپ کو یا کسی اور صاحب کو یہ عبارت ملے تو مطلع فرما کر احسان فرمائیں۔ شرعی طور پر رکاوٹ سے آپ کے ذہن میں کیا خدشہ ہے؟ بیان فرمائیں تو غور کیا جائے گا۔

(3) اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ''دجال 1'' کی تخریج احادیث ومراجعت کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ چند ہفتوں میں اس کا جو نیا ایڈیشن آئے گا، اس میں ان شاء اللہ یہ اضافہ جات موجود ہوں گے۔

(4) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت عطا کی تھی کہ وہ انسان اور جنات سے بیک وقت کام لیتے تھے۔ ان کے زمانے میں انسان اور جنات کا جیسا اختلاط تھا، ویسا تاریخ انسانی میں نہ پہلے ہوا ہے نہ بعد میں ہوگا۔ اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہی یہ امتیازی قدرت اور فضیلت دی گئی تھی اور چونکہ انہوں نے دُعا مانگی تھی کہ ان کے بعد کسی کو نہ ملے تو ان کے بعد کوئی اس مرتبے تک نہ پہنچا۔ سوائے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اضعاً اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے، لہٰذا انسانوں وجنات کا اختلاط دورِ سلیمانی کا خاصہ ہے۔ مذکورہ حوالے کے مطابق اس دور میں ایک جنیہ انسان پر عاشق ہوگئی اور خاک وآتش کے ملاپ سے اس فتنے نے جنم لیا جو انسانیت کے لیے عظیم ترین ابتلا کا سبب بنے گا۔ لیکن یہ ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دجال کی پیدائش حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئی ہے تبھی تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیائے کرام اپنی امتوں کو اس فتنے کے مضمرات سے آگاہ کرتے رہے۔ اگر دجال اُن کے دور میں زندہ موجود نہ تھا تو اس کے خروج کا امکان ہی نہ تھا، پھر اس سے ڈرانے کا کیا مطلب ہوگا؟ ایک اور حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ مزید تفصیل اسی کتاب میں پُراسرار علامات میں سے تیسری علامت ''تکون'' کے ذیل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(5) اس سوال کے جواب سے پہلے تین اصولی باتیں سمجھ لیں:

1 - غیب کا یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو ہے۔ قیامت اور علاماتِ قیامت امورِ غیبیہ میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی قطعی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، ظن اور قیاس کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تخمینہ نہ تو ایسا بے بنیاد ہے کہ اسے بالکل نظرانداز کردیا جائے اور نہ ایسا حتمی ہے کہ اس کے سو فیصد درست ہونے پر اصرار کیا جائے۔

2 - یہ تخمینہ اس عاجز ہی کا لگایا ہوا نہیں، سعودی عرب کے مشہور عالم ڈاکٹر عبدالرحمٰن سفر الحوالی نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''روزِ غضب: زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت'' کا پورا ایک باب اس کے لیے مختص کیا ہے اور 2012ء کا حساب ان کا لگایا ہوا ہے۔ وہ کتاب کے آخری پیرے میں کہتے ہیں:

''اب اس بنا پر اس دور مصیبت کا اختتام یا دور مصیبت کے اختتام کا آغاز (سن 1967+45) =2012ء بنتا ہے، یعنی سن دو ہزار بارہ عیسوی۔ ہجری لحاظ سے ۱۳۸۷+۴۵= ۱۴۳۲ ہجری۔ اس کی ہم امید کر سکتے ہیں۔ مگر وثوق سے ہرگز نہیں کہیں گے، الا یہ کہ وقائع سے ہی اس کی تصدیق ہو جائے۔ تاہم عیسائی بنیاد پرست اگر ہمارے ساتھ شرط بدنا چاہیں جس طرح کہ قریش نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم کی فتح کی بابت باندھی تھی تو کسی ادنی ترین شک کے بغیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے ضرور شرط ہار جائیں گے، بغیر اس کے کہ ہم کوئی خاص سن یا وقت بتانے کے پابند ہوں۔'' (ص: 205، 206)

اس کتاب کا ایک اردو ترجمہ رضی الدین سید نے اور دوسرا حامد کمال الدین نے کیا ہے اور یہ عام مل جاتی ہے۔

3- اگر کسی کو یہ علم ہو جائے کہ مستقبل میں اسلام اور انسانیت کے دشمن کچھ کرنے جا رہے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے آسمان کی طرف منہ اٹھا کے بیٹھا رہ جائے۔ کیا یہ چیز اسے ان فتنوں سے بچا سکتی ہے جو عالمگیر ہوں گے؟ ہرگز نہیں! ہمیں تو یہ وصیت کی گئی ہے کہ تم میں سے کوئی پودہ لگانے جا رہا ہو اور قیامت کا صور پھونک دیا جائے تو بھی وہ اس پودے کو لگا ہی ڈالے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخر زمانہ کے فتنوں یا علاماتِ قیامت پر اس کتابی سلسلے سے نیکی پر استقامت اور باطل کے خلاف مزاحمت کا سبق لینا چاہیے۔ تنظیمِ کار کے بجائے تعطیلِ کار اور بلند حوصلگی کے بجائے مایوسی کا شکار ہونا انتہائی بے تدبیری اور کم فہمی ہوگی۔ لہٰذا نوجوانوں کو ان فتنوں کے خلاف کمر کس لینی چاہیے تاکہ روزِ قیامت سرخرو ہو سکیں اور فتنوں کے اس دور میں سرخرو ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے جو ہماری اس پکار کے ''خلاصۃ الخلاصہ'' کے طور پر ایک سے زیادہ مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی فتنوں سے بچنا یا ان کے خلاف مزاحمت کرنا جو اخلاص وایثار، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ دجالیات پر لکھی گئی کتابوں اور 2012ء کے حوالے سے موہوم ہولناکیوں کی پیش گوئیوں کا مقصد صرف اتنا ہے انسان حال کے امر کو پہچانے اور زندگی کی جتنی سانسیں باقی رہ گئی ہیں، اللہ کو راضی کرنے میں لگائے اور اس حیات

فانی ہے بقیہ ان اللہ کے دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر گزارے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطالب لینے سے یہ عاجز بندہ بری ہے۔

اب آپ کے جواب کی طرف آتے ہیں:

یہ چیز ظنی ہی ہے۔ قیامت کی طرح علامات قیامت میں بھی اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ابہام رکھا ہے۔ اس حوالے سے یقینی پیش گوئی کا دعویٰ ہرگز ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مغرب کا میڈیا جس کے متعلق سب جانتے ہیں کہ نسل انسانی کے ایک مخصوص گروہ کے پاس ہے، وہ اتنی شدت سے اس چیز کو یقینی یا قریب بہ یقین بتانے کا پروپیگنڈا کیوں کر رہا ہے؟ اس پر ہمارے اہل علم واصحاب فکر سوچیں تو گمان کی پرچھائیاں چھٹ کر بہت سی گرہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ ہم اس موضوع سے اتنے غافل ولاتعلق کیوں ہیں اور وہ اتنے پُرجوش اور متحرک کیوں؟ یہ سوال تمام اپنے اندر بذات خود ایک علامت چھپائے ہوئے ہے۔

بات یہ ہے کہ 2012ء دجال کے خروج کا سال تو ہرگز نہیں۔ دجال حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے سات یا نو سال بعد خروج کرے گا اور یہ سب جانتے ہیں کہ ابھی تو ان کا ظہور بھی نہیں ہوا تو 2012ء میں دجال کا خروج کیسے ہو سکتا ہے؟ 2012ء اسرائیل کے خاتمے کا آغاز اس طور پر ہو سکتا ہے کہ جنونی یہودی جو اپنے مسیحائے منتظر کے خروج میں مزید تاخیر اس لیے برداشت نہیں کر سکتے کہ مجاہدین کی سخت مزاحمت کی بدولت معاملہ ان کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، وہ بزعم خود اس کے خروج کا نوشتہ پورا کرنے کے لیے..... ممکنہ طور پر..... اس سال کوئی ایسی خطرناک حرکت کریں گے جس سے پوری دنیا میں بھونچال آ جائے گا۔ مثلاً مسجد اقصیٰ پر بڑا حملہ، زرد گنبد کو شہید کرنے کی کوشش، کوئی بڑی جنگ، مصنوعی طوفان، سیلاب یا زلزلہ وغیرہ۔ ان کے خیال میں یہ صورتحال دجال اکبر کو خروج پر مجبور کر دے گی۔ (اس یہودی فلسفے کی تشریح کے لیے اس کتاب کے آخر میں دیا گیا مضمون ''لارڈ کے تخت کی بنیاد'' ملاحظہ فرمائیے) آپ دلچسپ تماشہ ملاحظہ کیجیے۔ ایک طرف یہود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مشکلات وہ مسیحا دور کرے گا جو خود بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مسیحا کے خروج میں حائل مشکل خود ان کو دور کرنی ہوگی۔ سبحان اللہ! انسان جب وحی کی ہدایت سے رہنمائی نہ

لے اور من مانیوں پر تل جائے تو کیسے کیسے عجوبے ظہور میں آتے ہیں؟ بہر حال اپنے طور پر یہودی اس سال "عظیم تر اسرائیل" کے لیے فیصلہ کن کارروائی کا آغاز کریں گے، جبکہ یہ ان کے حتمی انجام کا آغاز ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ معاصر فتن پر بولتے نہیں یا اس حوالے سے دشمن کے عزائم کو بھانپتے نہیں، اگر کوئی کھوج لگا کر آنے والے خطرے سے آگاہ کرے تو لائحہ عمل اپنانے کے بجائے مزید تغافل و تکاسل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے اس جفا کاری کو کیا نام دیں؟ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں قلب سلیم اور صراطِ مستقیم نصیب فرمائے، ورنہ حرام غذاؤں، حرام گناہوں اور حرام اثرات نے ایسی عقل ماری ہے کہ جب قیام کا وقت آتا ہے، ہم سجدے میں گر جاتے ہیں۔

(6) صرف دجال ہی نہیں، "الفتن" کا پورا موضوع توجہ سے پڑھایا جانا چاہیے۔ دورۂ حدیث میں جب صحاح ستہ سے "کتاب الفتن" پڑھائی جائے تو معاصر پُرفتن دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ممکنہ حد تک تفصیل و تشریح کے ساتھ تاویلِ مقبول کی حدود میں رہتے ہوئے ان فتنوں کی عصری تطبیق پر گفتگو کی جائے اور عصر حاضر کو حدیث شریف کی روشنی میں پرکھا اور سمجھایا جائے۔ کتاب و سنت میں بیان کردہ مختلف چیزیں اپنے اندر خاص تاثیر رکھتی ہیں، فتن کی احادیث رجوع الی اللہ، آخرت کی یاد اور موت کی فکر پیدا کرنے میں جو تاثیر رکھتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لیے یہ اصلاحی دعوت کے حوالے سے دعوت تبلیغ کا بہترین وسیلہ ہیں۔ اگر اہل علم یہ فریضہ نہ سنبھالیں گے تو عجائبات کے شوقین ان پڑھ قسم کے نام نہاد جغادری مفکر میدان میں آجائیں گے اور ایسی افراط و تفریط (افراتفری شاید اسی سے ماخوذ ہے) مچائیں گے کہ لوگ فتنے کو سامنے دیکھ کر بھی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ مبتدی یا متوسط طلبہ کے لیے "فتن" کی چالیس چالیس احادیث کا مجموعہ تیار کر کے یاد کرانا چاہیے۔ حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اور دجال کے بارے میں چالیس مستند احادیث کا مجموعہ بھی مفید رہے گا۔ ایسا مجموعہ ان شاء اللہ زیر غور ہے۔ "دجال I" کی سو سے زیادہ احادیث کم از کم درجہ حسن کی احادیث ہیں۔ ان سے چالیس احادیث منتخب کر کے بھی یاد کی جاسکتی ہیں۔ نیز دجال I کی تخریج کے بعد دجال II شائع ہوچکی ہے، دجال III الحمدللہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ اسی سلسلے کی عاجزانہ کاوشیں ہیں جن کی مقبولیت و نافعیت، استدراج سے حفاظت اور طرز اکابر سے تمسک کے لیے تمام قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

این جی اوز اور ڈیٹا انفارمیشن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں آپ کی تحریریں باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے بھی آپ کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس میں آپ کی کتاب ''دجال'' کے ایک موضوع ''ڈیٹا انفارمیشن'' یا ''ڈیٹا کلیکشن'' کے حوالے سے کچھ تحریر کیا تھا، مگر معلوم نہیں محکمہ ڈاک کی کارکردگی کی نذر ہوگیا۔ میں کافی عرصے سے بے روزگار تھا اور اب بھی ہوں۔ کسی بھی ادارے میں اگر چھوٹی موٹی نوکری مل جائے تو کرلیتا ہوں۔ اچھی پرائیویٹ اور سرکاری ملازمت کے لیے ہر جگہ رشوت، سفارش اور اقربا پروری چل رہی ہے۔ میں ملازمت کا کوئی بھی اشتہار دیکھ کر اس پر درخواست دے دیتا ہوں۔ اسی طرح مجھے ایک این جی او میں ملازمت مل گئی تھی جس کے پاس ''یو ایس ایڈ'' کا ٹھیکہ تھا۔ اس کا کام تھا مانسہرہ کے مخصوص علاقوں سے ڈیٹا جمع کرنا۔ مثلاً: اسکول، پانی کی فراہمی کی جگہ، سڑکوں اور گاؤں کا ایک مکمل نقشہ بنانا تھا۔ اس وقت تو مجھے معلوم نہ تھا مگر مفتی صاحب کی کتاب پڑھنے سے پتا چلا۔ یہ کام صرف ایک مہینے کا تھا اور وہ گاؤں جن کا سروے کیا گیا تھا، وہ زیادہ تر دینی ماحول کے حامل تھے۔ جناب مفتی صاحب ہی ان دجالی سازشوں سے اُمت مسلمہ خصوصاً اہل پاکستان کو بتا کر آگاہ کر کے بچا سکتے ہیں۔ یہ تنظیمیں صرف ڈیٹا جمع کر کے اسے ''یو ایس ایڈ'' کو دیتی ہیں اور پھر یہ معلومات دجالی قوتوں کے ہاتھ لگ جاتی ہیں۔ مجھے اتفاق سے اس Booklet کے تین صفحات مل گئے ہیں جو میں آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ ان کو ملاحظہ کر کے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ملک میں امداد کے نام پر کیا ہو رہا ہے؟ یہ این جی او اب غالباً مانسہرہ میں ہی اسی ''ڈیٹا کلیکشن'' کا کام کر رہی ہے۔ ہر دفعہ نیا اسٹاف رکھا جاتا ہے۔ اُمید ہے میرے اس اور اس سے پہلے خط کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب سے مزید معلومات ملیں

گی اور اسی موضوع پر ہماری راہنمائی فرما سکیں گے۔

والسلام..... محمد رضوان، مانسہرہ

جواب:

پاکستانی معاشرے کے مختلف پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنے اور ان معلومات کو تھنک ٹینکس کے حوالے کر کے ان پر مختلف تجزیاتی رپورٹیں تیار کرنے اور ان کی بنیاد پر مؤثر منصوبے بنا کر ہم پر مسلط کرنے کا عمل ضلع مانسہرہ کے دور افتادہ گاؤں میں ہی نہیں، ملک بھر میں جاری ہے۔ ہسپتالوں سے لے کر اسکولوں تک اور مسجد میں جانے والوں یا مدارس کو عطیہ دینے والوں سے لے کر پارکوں میں درختوں کے نیچے منڈلی جما کر بیٹھنے والے جواریوں اور نشئیوں تک ہر قسم کی نفسیات اور سوچوں کا رُخ معلوم کرنے کے لیے این جی اوز کی نگرانی میں غیر ملکی سرمائے کے بل بوتے پر ڈیٹا جمع کیا جا رہا ہے۔ مختلف سوالنامے، سیمینارز، ورکشاپس اس مقصد کے لیے کیے جا رہے ہیں کہ بلجیم کے دارالحکومت ''برسلز'' میں قائم ڈیٹا انفارمیشن کے عالمی مرکز کو وسیع بنایا جائے اور مسلم وغیر مسلم کی تفریق کیے بغیر کرۂ ارض کے باسیوں کو اپنے بس میں لانے کی تدبیر کی جائے۔ سندھ کے پسماندہ دیہات ہوں یا سرحد و پنجاب کے قصبات، دجالی قوتوں کے نمایندے منڈلاتے پھر رہے ہیں اور ہمارا کچا چٹھا ''سیانوں'' تک پہنچا کر ان سے ہدایات ترتیب دلوا رہے ہیں۔ اب بنیادی طور پر یہ ہماری حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا نوٹس لے۔ ہمارے بچوں کا خون لے لے کر کیوں ان پر تجربات کیے جا رہے ہیں؟ لیکن حکومت ایسا کر لیتی تو پھر رونا ہی کس چیز کا تھا؟ اس نے تو ایسا کرنا نہیں۔ اس کی ترجیحات میں بہت کچھ کرنے کے کام ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔ محبِ وطن جماعتوں، تنظیموں کو دوسرے قومی مسائل کی طرح اس پر توجہ دینی چاہیے کہ ہم کسی کے لیے تختۂ مشق نہ بنیں۔ ہم کسی کے لیے لقمۂ تر نہ ثابت ہوں ورنہ ہماری جڑوں تک اُتر کر حقائق و نفسیات سے واقفیت حاصل کرنیوالی یہ سنڈیاں ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ جائیں گی اور ہمیں خبر ہوتے ہوتے بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

ہندسوں کا فرق اور 2012ء کا مطلب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت مفتی ابولبابہ صاحب کی شہرۂ آفاق اور مقبول عام کتاب ''دجال'' کی ایک عبارت کے بارے میں سخت تذبذب کا شکار ہوں۔ برائے کرم وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

''دجال'' کتاب کا وہ نسخہ جو ''مکتبۃ الفلاح'' کراچی سے چھپا ہے، اس میں لکھا ہے: ''اس کے بعد ایک ہزار دو سو 90 دن باقی رہ جائیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایک ہزار 3 سو 35 کے اختتام تک پہنچ جائیں گے، لیکن (اے دانیال) تم اپنا کام دنیا کے اختتام تک کرتے رہو۔ تمہیں آرام دیا جائے گا۔'' (تورات، ص: 847، ب: 12، آیت: 8-13)

یہی عبارت ''مکتبۃ السعید'' کراچی سے چھپنے والے نسخے میں کچھ یوں ہے: ''اس کے بعد ایک ہزار 2 سو 90 دن باقی رہ جائیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایک ہزار 2 سو 35 کے اختتام تک پہنچ جائیں گے۔''

(i) ان دونوں عبارتوں میں تضاد ہے۔ پہلی میں 1335 ہے دوسری میں 1235 ہے۔

(ii) دونوں نسخوں میں اس عبارت کے بعد اعداد کچھ یوں لکھے ہوئے ہیں: "45 = 1235 - 1290" یہ اعداد دوسرے نسخے کے مطابق ہیں، مگر اس صورت میں جواب 45 نہیں آتا، بلکہ ''55'' آتا ہے۔ براہِ کرم صحیح عبارت اور 2012ء کے صحیح مطلب کی نشاندہی فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ آمین

والسلام...... عبدالرحمٰن، اسلام آباد

جواب:

آپ کے علاوہ اور بہت سے احباب نے اس امر کی طرف توجہ دلائی۔ پہلی عبارت درست ہے۔ دوسری عبارت میں اعداد غلط کمپوز ہو گئے ہیں۔ اصل میں یوں لکھنے چاہییں تھے: ''1290-1335'' اس صورت میں جواب 45 ہی آتا ہے۔ دجال I کا نیا ایڈیشن احادیث کی تخریج کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس میں یہ تصحیح کر دی گئی ہے۔ نیز یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ 2012ء کا سال نہ دجال کے خروج کا ہے نہ اسرائیل کے کلیۃً خاتمے کا، بات اتنی ہے کہ اس سال..... ممکنہ طور پر..... دجالی قوتیں اور ان کے آلۂ کار دنیا میں کوئی بڑا فتنہ (مثلاً عالمی جنگ، مصنوعی زلزلہ، کائنات کی تسخیر کے لیے کیے گئے سائنسی تجربات کے نتیجے میں طوفان، سیلاب اور غیر معمولی موسمی تغیرات وغیرہ) اس نظریے کے تحت برپا کریں گے کہ جب تک ایسا کوئی عالمی حادثہ نہیں ہوتا اس وقت تک مسیحائے منتظر (دجالِ اکبر) کا خروج ممکن نہیں ہوگا۔ ایسا کوئی بھی حادثہ..... ان کے زعم کے مطابق..... برائی کی قوتوں کے سرخیل، ملعونِ اعظم، دجالِ اکبر کو خروج پر مجبور کر دے گا اور چونکہ اس کے خروج کے بغیر اب معاملہ..... مجاہدین کی قربانیوں کی بدولت..... دجالی قوتوں کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، اس لیے وہ ایسی کسی بھی کارروائی چاہے وہ (خدانخواستہ) مسجد اقصیٰ کے انہدام کی شکل میں کیوں نہ ہو، کے لیے بے تاب ہیں۔ مسیحائے مقید (الدجال الاعظم) کے خروج کا وقت قریب لانے کے لیے یہ دجالی قوتیں اپنی راہ میں مزاحم نہتے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف وحشیانہ پاگل پن کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے نیچے سرنگیں کھودنا، نمازیوں کو نماز سے روکنا، اسرائیلی فوجیوں کا جوتوں سمیت مسجد میں گھس جانا اور پرامن نمازیوں کا محاصرہ کر لینا، جنونی یہودیوں کا ہیکل سلیمانی کا سنگِ بنیاد رکھنے کی کوشش کرنا..... یہ سب دجال کے خروج کے متعلق اسی یہودی فلسفے کا شاخسانہ ہے جو اوپر ذکر ہوا۔ اس کی کچھ تفصیل ''2012ء میں کیا ہوگا؟'' کے عنوان سے تحریر کیے گئے ایک جواب اور ''لارڈ

کے تخت کی بنیاد' نامی مضمون میں اسی کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس صورتحال کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو 2012ء کی بحث میں پڑے بغیر شریعت وسنت کی اتباع، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور مظلوم فلسطینی وافغان مسلمانوں کی مدد کے لیے پُر عزم ہوجانا چاہیے۔ اس عاجز کا 2012ء کے حوالے سے حتمی اور آخری پیغام یہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب نہ لیا جائے، نہ اس عاجز کی طرف منسوب کیا جائے۔

مصنف کی دیگر کتب

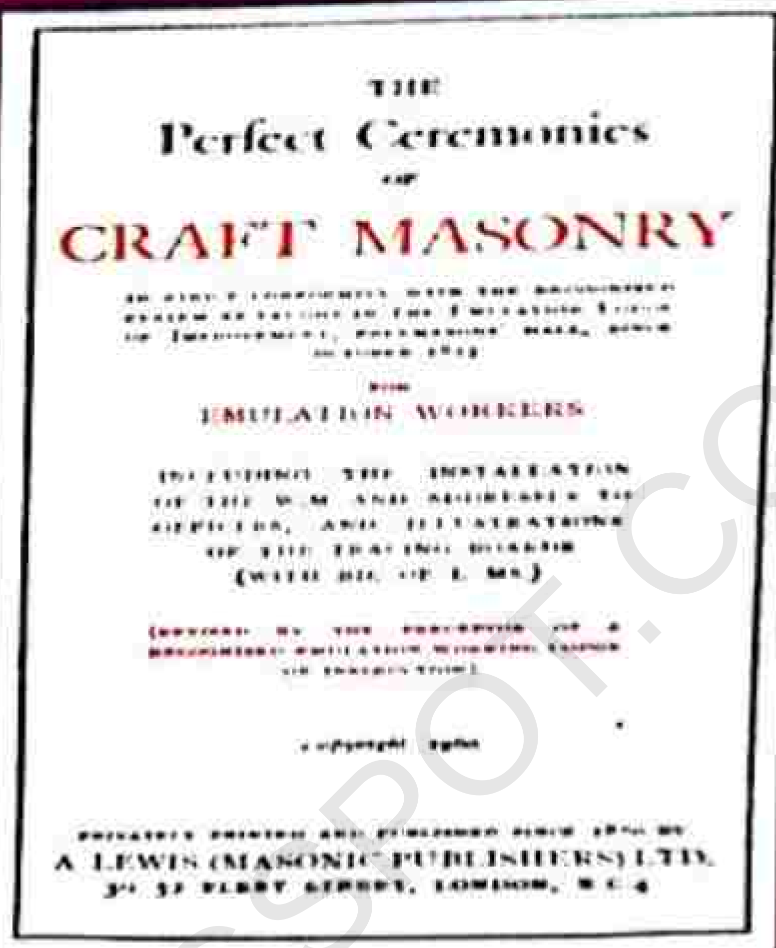
تحقیقات و تالیفات	کالم اور مضامین	زیر طبع
شرح عقود رسم المفتی (عربی)	بولتے نقشے	فہم الحدیث، تلخیص وتسہیل معارف الحدیث
آداب فتویٰ نویسی	حرمین کی پکار	آپ ہدایہ کیسے پڑھیں؟
تسہیل السراجی	اقصیٰ کے آنسو	کتاب الجغرافیہ
الاملاء والترقیم (عربی)	ہسپانیہ سے امریکا تک	آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خطرے میں
لکھنا سیکھیے	عالمی یہودی تنظیمیں	چاند کے تعاقب میں
رہنمائے خطابت	عظمتوں کی کہانی	نقطے سے کالم تک
اسلام اور تربیت اولاد (تلخیص وتسہیل)	امت مسلمہ کے نام	دروسِ حج (تربیتِ حج وعمرہ)
خواتین کا دینی معلم	سرچنگ پوائنٹ	
دجال: کون، کب، کہاں؟	بسنت کیا ہے؟	
فارسی کا آسان قاعدہ	عالم اسلام پر امریکی یلغار کیوں؟ (ترجمہ وتعارف)	
گناہ معاف کرانے والی نیکیاں		
دجال I، II، III		

السعید

0313-9264214

وضاحت: تمام ذی روح تصاویر کے آنکھ، کان، ناک مٹا دیے گئے ہیں۔

دجالی ریاست کے قیام کی دستاویز اور دجالی نشانات


THE

Perfect Ceremonies

OF

CRAFT MASONRY

FOR

EMULATION WORKERS

INCLUDING THE INSTALLATION OF THE W.M. AND ADDRESSES TO OFFICERS, AND ILLUSTRATIONS OF THE TRACING BOARDS

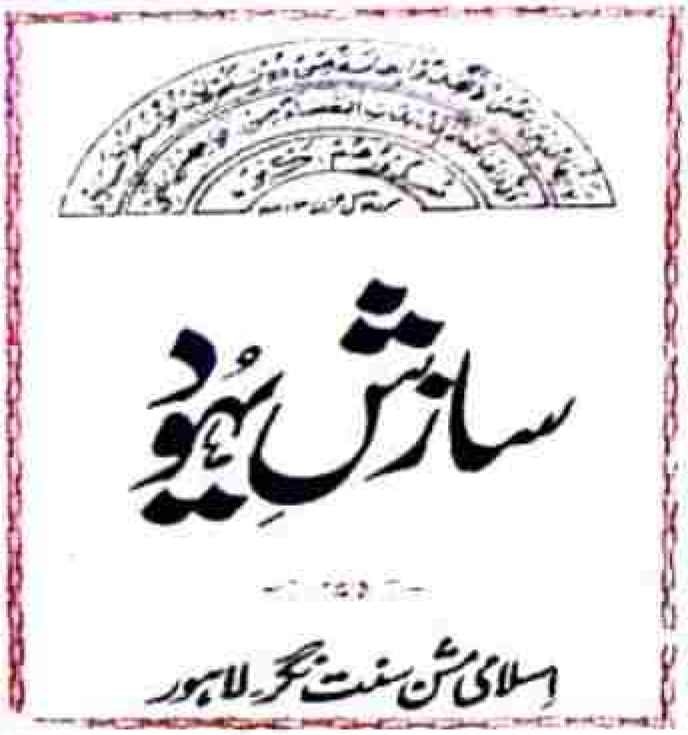
A. LEWIS (MASONIC PUBLISHERS) LTD.

30-32 FLEET STREET, LONDON, E.C.4

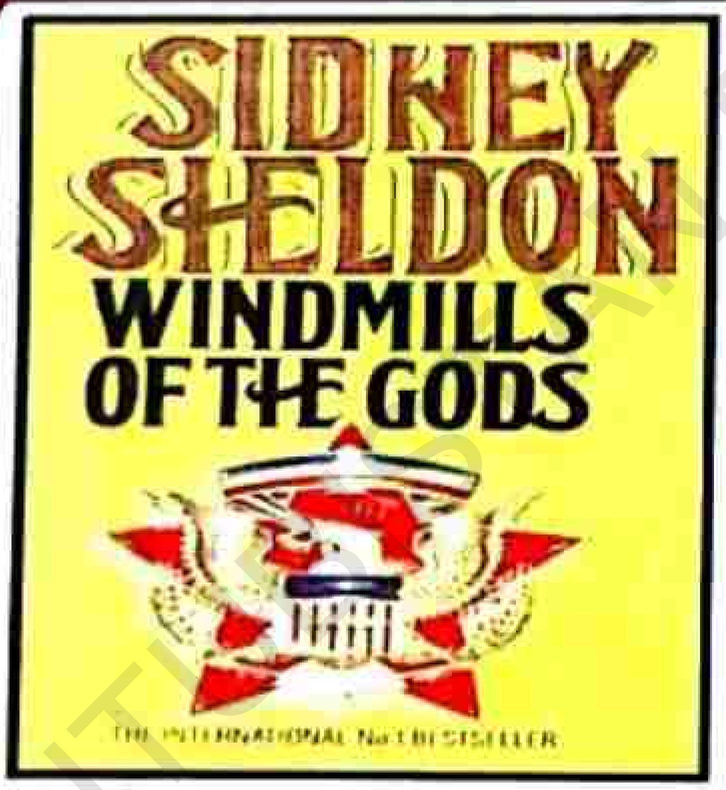
1870ء میں لندن سے پرائیویٹ طور پر چھاپا گیا ''دجالی نظام کے کارکنوں کا تربیتی لائحہ عمل'' جس میں زیادہ تر اصطلاحات کوڈ ورڈ میں استعمال کی گئی ہیں۔ مصنف ان تمام متعلق احباب کا شکر گزار ہے جن کے تعاون سے اس خفیہ دستاویز تک رسائی ممکن ہوئی۔



برطانوی سراغ رساں ادارے ''MI6'' میں دو مشہور دجالی نشانات: سنہری تاج اور عجیب الخلقت جانور



عالمی دجالی ریاست کے قیام کی دستاویز یعنی ''صیہونی پروٹوکولز'' کا ۱۳۹۸ھ، 1978ء میں چھپنے والا مکمل اردو ترجمہ جو بعد میں مختلف ناموں سے شائع ہوتا رہا۔



کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس مشہور انگریزی ناول کے سرورق پر دیے گئے آرٹ ورک میں کتنی دجالی علامات کو سمویا گیا ہے؟

کیا آپ پُر اَسرار علامات کے پسِ منظر سے آگاہ ہیں؟

1 سنہرا تاج 2 اور عجیب الخلقت جانور



یہ سب شکلیں اتفاقی ہیں یا منظم منصوبے کا حصہ؟



3 اکلوتی آنکھ



آپ ظاہر بین ہیں یا حقیقت تک پہنچنا چاہتے ہیں؟

مثلث کا راز

4









دجالی علامات پر نظر رکھیے!

5 تکونی آنکھ



Fidelity INVESTMENTS





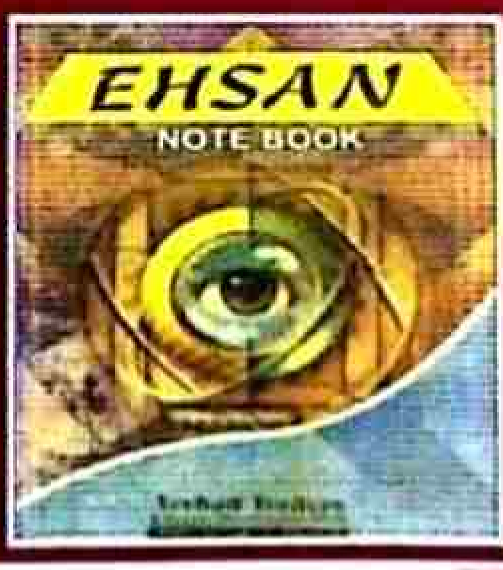


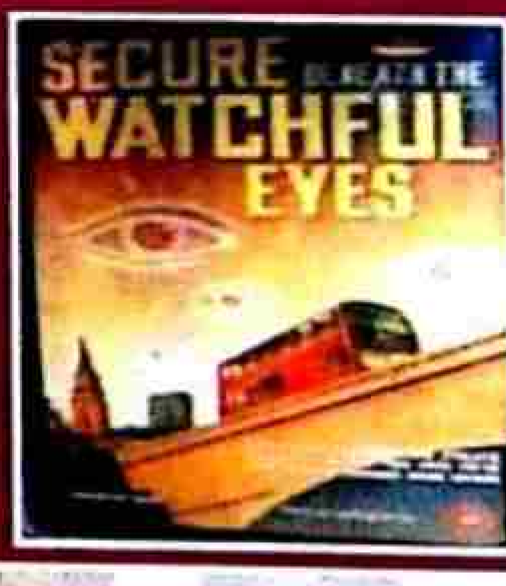
ریاست ہائے متحدہ امریکا کا پہلا مجوزہ قومی پرچم۔ سب پر نظر رکھنے والی آنکھ (Eye of Horus) دکھائی دے رہی ہے۔ آنکھ سے پھوٹتی ہوئی اہرام کی شکل میں روشنی کی لو شعاعیں اور آنکھ کے ارد گرد سات ستارے نامعلوم نو بڑوں اور سات عمائدین کا علامتی اظہار ہیں۔











شیطانی علامات سے نفرت کیجیے!

6 سانپ



شیطانی علامات غیر محسوس انداز میں پھیلائی جا رہی ہیں!

7 آتشیں یا سنہری اژدھا

















شیطانی علامات کا تدارک اور رحمانی علامت کو فروغ دیجیے!

8 کھوپڑی اور ہڈیاں









ہسپتال مردوں کی ہڈیاں اعضاء جادو کیلئے عاملوں کو فروخت کا مرکز بن گیا





KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

9

شیطانی سینگ











"روزنامہ جنگ" جمعہ 18 جون 2010ء کو چھپنے والے ایک اشتہار میں ماڈل اور اسکول کے تمام بچوں نے ہاتھوں سے شیطان کے سینگ نما مخصوص اشارہ بنایا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ان سے لاعلمی میں ہوا ہے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس اشارے کے پیچھے ایک پورا شیطانی نظریہ اور فلسفہ ہے۔ ایسے نادان حضرات کو اس اشارے کی حقیقت سمجھانے اور ان سے بچنے کی تلقین کرنے کی ضرورت ہے۔



مغرب میں طبقۂ اشرافیہ بھی شیطان کی پوجا کرتا اور اپنی کامیابی کے لیے شیطان سے مدد لیتا ہے۔ شیطانی علامات وہاں کے ہر طبقے میں پائی جاتی ہیں۔ امریکی انتخابات میں کامیاب ہونے والے ریپبلکن امیدوار اپنے بیٹے کے ہمراہ ...

دجالی اثرات سے بچاؤ رحمانی اعمال ہی کے ذریعے ممکن ہے

10 ڈبل اسکوائر





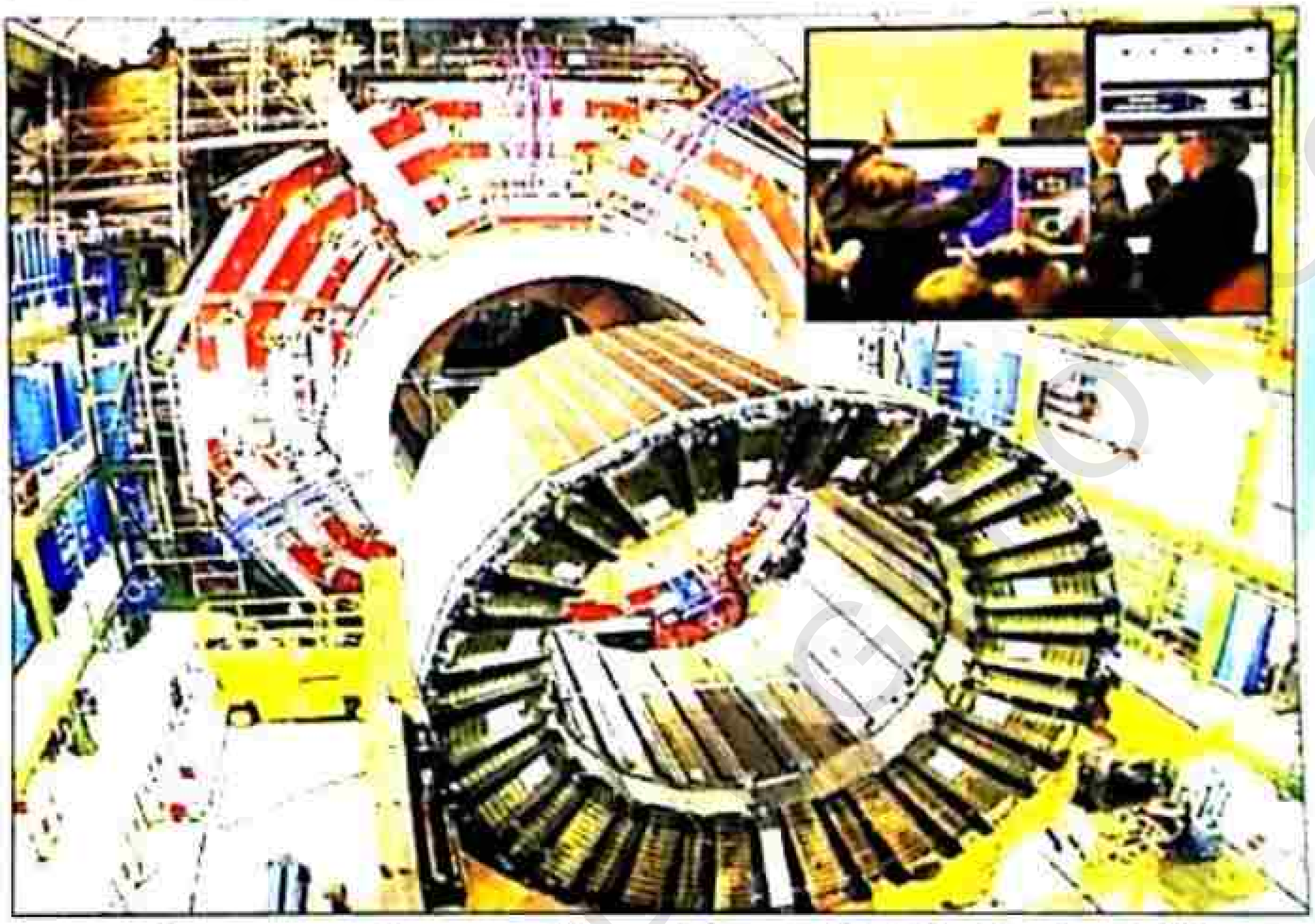




تسخیرِ کائنات کی ناکام دجالی کوششیں

منی بگ بینگ تجربہ، سورج سے 10 لاکھ گنا زیادہ حرارت پیدا کرلی گئی

سوئٹزرلینڈ کی تجربہ گاہ سرن میں پروٹون کے بجائے سیسے کے ایٹمز کو آپس میں ٹکرایا گیا



کائنات کی تشکیل کا ماحول پیدا کرنے کیلئے قائم تجربہ گاہ، چھوٹی تصویر میں سائنس دان کامیاب تجربے پر مسرت کا اظہار کر رہے ہیں

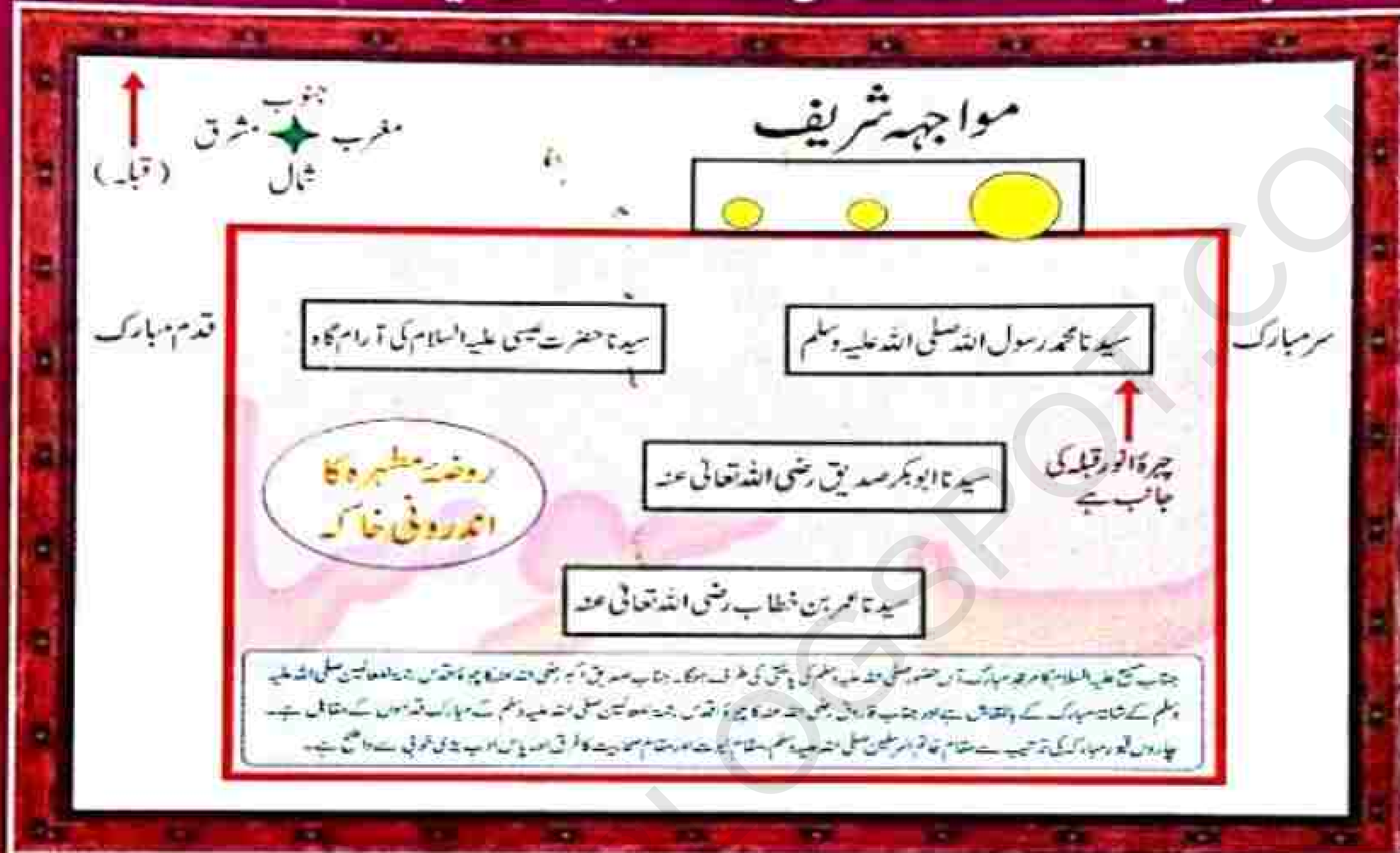
اڑن طشتریوں کی دستاویزات منظر عام پر آگئیں



بدھ 21 صفر المظفر 1432ھ 26 جنوری 2011ء

جب سچے مسیح (علیہ السلام) جھوٹے مسیح اور ''نفرت کی ریاست'' کا خاتمہ کریں گے

دجالی ریاست کے خاتمے کے مشن کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرقدِ مبارک



دجالی ریاست کا زوال اور رحمانی ریاست کا عروج



اسرائیل 20 سال میں دنیا کے نقشے سے مٹ جائیگا

افغانستان 10 کھرب ڈالر کے معدنی ذخائر دریافت

کیا آپ جاننے کی خواہش رکھتے ہیں؟

دجال کون ہے؟

کہاں ہے؟

کب نکلے گا؟

دجال فتنے کی حقیقت کیا ہے؟

اس فتنے کے آثار و علامات کیا کیا ہیں؟

دجال کے کارندے کون ہیں؟

کس شکل میں کام کر رہے ہیں؟

کائنات کے اس عظیم فتنے سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟

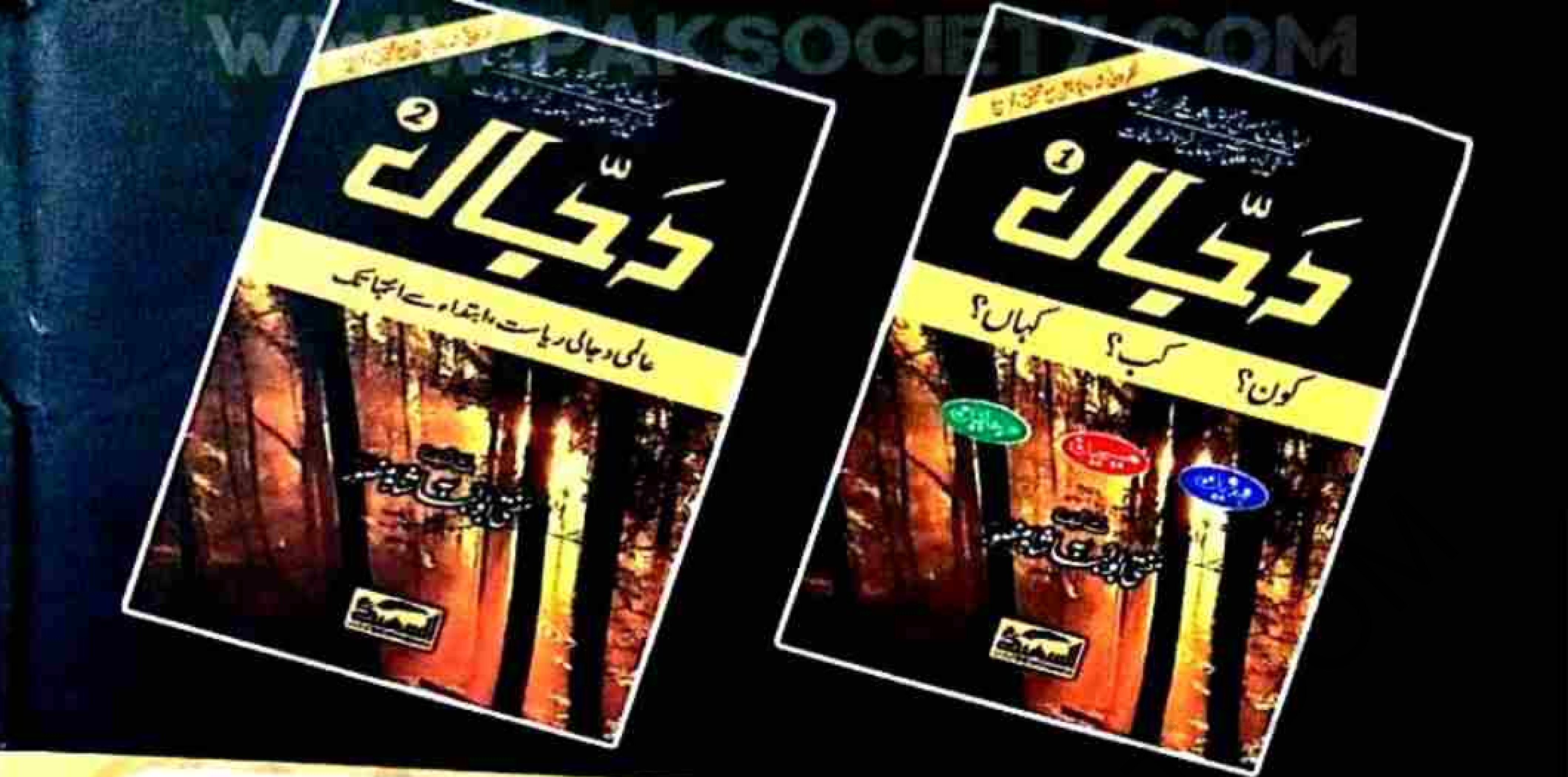
اور سب سے اہم یہ کہ:

اس فتنے کا مقابلہ کرنے والوں کے لیے جو عظیم اجر و ثواب ہے، اس کے حصول کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

اس کتاب میں آپ کو ان سوالات کا جواب مل سکتا ہے جو تمام انسانیت کو پیش آنے والے ہیں۔

......اور......

کوئی بعید نہیں کہ جلد ہی پیش آ جائیں۔



ٹائٹل سے بیک ٹائٹل تک

اس جلد کے "دونوں گتوں کے درمیان" آپ پڑھ سکیں گے

- دجالیات پر کتابی سلسلے کی ضرورت..... جاندار مقدمہ!
- دجالی ریاست کے قیام کے لیے ترتیب دی جانے والی خفیہ اور انوکھی دستاویز: مضمرات واقدامات
- دجالی ریاست کے مہربان ونامہربان ہمنوا، دانستہ ونادانستہ معاونین
- اسرائیل کی کہانی، ایک مشرقی لکھاری کی زبانی
- اسرائیل کے خفیہ دورے کی روداد، ایک مغربی صحافی کی جان جوکھوں میں ڈال کر کی گئی دلیرانہ کاوش
- پراسرار دجالی علامات، دنیا بھر میں غیر محسوس طور پر پھیلتے ہوئے شیطانی نشانات: تعارف وتدارک
- دجال کے تخت کی بنیاد، دجالی ریاست کے خاتمے کی وجوہات، اردو میں پہلی مرتبہ سامنے آنے والے مخصوص صہیونی نظریات
- دجال کس جنس سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کی پیدائش کب ہوئی؟ دو مشہور اقوال
- 2012ء میں کیا ہوگا؟ حقیقت وافسانہ، غلط فہمیوں کا ازالہ، عمل نہ کہ ترکِ عمل
- دجالیات کے حوالے سے موصول ہونے والے سوالات کے تفصیلی جوابات، جستجو وانکشافات
- کتاب کے مندرجات کی تصدیق کے لیے تصدیقی تصاویر، نقشہ جاتی ثبوت

اس کتابی سلسلے کا خاصہ: کتاب کا تصویری اختتامیہ
سولہ رنگین صفحوں پر بیسیوں نایاب تصاویر، خوبصورت نقشے اور معلوماتی عکس